سلسلہ چشتیہ صابریہ کے عظیم راہنما اور صوفی شاعر
حضرت میراں سیّد بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ کے عارفانہ کلام
"گیان لہر"
کا اردو ترجمہ "نظریۂ وحدۃ الوجود کے تناظر میں"

نورِ معرفت

مترجم و شارح: فاروق الحسن چشتی

BEACON BOOKS

Collection of Prof. Muhammad Iqbal Mujaddidi
Preserved in Punjab University Library.

پروفیسر محمد اقبال مجددی کا مجموعہ
پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ شدہ

سلسلہ چشتیہ صابریہ کے عظیم راہنما اور صوفی شاعر

حضرت میراں سیّد بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ کے عارفانہ کلام

"گیان لہر"

کا اردو ترجمہ "نظریۂ وحدۃ الوجود کے تناظر میں"

نورِ معرفت

مترجم و شارح: فاروق الحسن چشتی

بیکن بُکس

• غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور فون: 042-37320030

• گلگشت کالونی، ملتان فون: 061-6520790-6520791

BEACON BOOKS

E-mail:info@beaconbooks.com.pk

Web: www.beaconbooks.com.pk

اس کتاب کا کوئی بھی حصہ بیکن بکس سے باقاعدہ تحریری اجازت لیے بغیر کہیں بھی شائع نہ کیا جائے۔ اگر اس قسم کی کوئی بھی صورتِ حال پیدا ہوتی ہے تو پبلشر کو قانونی کارروائی کا حق حاصل ہوگا۔

128352

اشاعت : 2011ء

عبدالجبار نے

حاجی حنیف اینڈ سنز پرنٹنگ پریس لاہور

سے چھپوا کر بیکن بکس ملتان-لاہور

سے شائع کی۔

قیمت : -/390 روپے

ISBN : 978 - 969 - 534 - 206 - 0

انتساب

سیدی و مرشدی و مولائی حضرت میراں سیّد بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ
کے نام جن کے فیضانِ روحانی سے یہ کام مکمل ہو سکا۔

انہی کے فیض کا سارا ظہور ہے فاروؔق
کہاں میں ہیچمداں اور کہاں ''گیان لہر''

فہرست

حیات مبارکہ-حضرت میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ 11
وفات حضرت میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ 25
آثار وتبرکات حضرت میراں سیّد بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ 31
کتاب گیان لہر اور میں 36
کلامِ بھیکھؒ اور اس کا فہم 48
تاثرات 51

گیان لہر

نورِ معرفت

بند نمبر ۱ 55
بند نمبر ۲ 60
بند نمبر ۳ 64
بند نمبر ۴ 70
بند نمبر ۵ 72
بند نمبر ۶ 82

بند نمبر ۷ 89

بند نمبر ۸ 92

بند نمبر ۹ 97

بند نمبر ۱۰ 107

بند نمبر ۱۱ 114

بند نمبر ۱۲ 119

بند نمبر ۱۳ 126

بند نمبر ۱۴ 133

بند نمبر ۱۵ 136

بند نمبر ۱۶ 140

بند نمبر ۱۷ 143

بند نمبر ۱۸ 146

بند نمبر ۱۹ 150

بند نمبر ۲۰ 152

بند نمبر ۲۱ 157

بند نمبر ۲۲ 160

بند نمبر ۲۳ 164

بند نمبر ۲۴ 172

بند نمبر ۲۵ 177

بند نمبر ۲۶ 182

بند نمبر ۲۷ 186

بند نمبر ۲۸ 189

بند نمبر ۲۹ 192

بند نمبر ۳۰ 194

بند نمبر ۳۱ 198

بند نمبر ۳۲ 201

بند نمبر ۳۳ 205

بند نمبر ۳۴ 207

بند نمبر ۳۵ 208

بند نمبر ۳۶ 210

بند نمبر ۳۷ 214

بند نمبر ۳۸ 216

بند نمبر ۳۹ 218

بند نمبر ۴۰ 220

بند نمبر ۴۱ 223

بند نمبر ۴۲ 227

بند نمبر ۴۳ 231

بند نمبر ۴۴ 237

بند نمبر ۴۵ 247

بند نمبر ۴۶ 251

بند نمبر ۴۷ 254

بند نمبر ۴۸ 259

بند نمبر ۴۹ 261
بند نمبر ۵۰ 267
بند نمبر ۵۱ 274
بند نمبر ۵۲ 277
بند نمبر ۵۳ 283
بند نمبر ۵۴ 284
بند نمبر ۵۵ 286
بند نمبر ۵۶ 292
بند نمبر ۵۷ 297
بند نمبر ۵۸ 301
بند نمبر ۵۹ 323
حوالہ جات 325
بھیکھ نامہ یعنی شجرہ چشتیہ صابریہ بھیکھیہ 329
ذکرِ بھیکھ 335
یادِ بھیکھؒ 336

حیات مبارکہ

حضرت میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ

نوٹ: حضرت میراں سید بھیکھ کی حیات طیبہ کے حالات و واقعات۔
حضرت کے خلیفہ سید علیم اللہ شاہ صاحب جالندھری کی کتاب نزہت
السالکین کے اُردو ترجمہ تحفۃ الصالحین سے لیے گئے ہیں۔

سیدنا ومولانا حضرت میر محمد سعید معروف بہ ''سیّد بھیکھ'' سید حسینی ترمذی ہیں اور آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے۔ سید محمد سعید بن سید یوسف بن سید قطب بن سید عبدالواحد بن سید احمد بن سید محمد سعید بن شاہ نظام الدین بن شاہ عزیز الدین بن شاہ تاج الدین بن شاہ عزیز الدین نو بہار بن شاہ عثمان بن سید سلیمان کفار شکن بن مخدوم شاہ زید سالار لشکر بن سید احمد زاہد بن سید حمزہ بن سید ابا بکر علی بن سید عمر علی بن سید محمد تختہ بن سید احمد تختہ بن سید علی رہبر کاکی بن سید حسین ثانی بن سید محمد مدنی بن سید ناصر ترمذی بن سید موسیٰ حمیص بن سید علی حسن حمیص بن سید حسین اصغر بن سید علی زین العابدین بن امیر المؤمنین امام حسین بن امیر المؤمنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہ ورضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

آپ کے آباؤ اجداد سیوانہ میں سکونت رکھتے تھے جو قصبہ کہڑام کے متعلق ایک گاؤں ہے اور کہڑام مضافات سرہند سے ہے۔ آپ کی سکونت کی وجہ اس موضع میں یوں بیان کرتے ہیں کہ سید احمد زاہد بن سید حمزہ ترمذی کے جو صاحب کشف و کرامات تھے اور

ویسے اقتدار ظاہری بھی رکھتے تھے یعنی ترمذ کے حاکم تھے اور بارہ ہزار سواران کے ہمرکاب رہتا تھا۔ تین بیٹے تھے شاہ زید، سید حامد سید حسین۔ ایک دن ملہم غیبی نے ان کے دل میں القاء کیا کہ دستار ریاست اپنے منتسبین میں سے کسی کو سپرد کر کے خود سبکدوش ہو جانا چاہیے مگر اس فکر میں تھے کہ یہ دستار کس کے سپرد کی جائے۔ اسی اثناء میں حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے میرے فرزند! یہ دستار اس کے حوالے کرنا جو اس نعمت کے لائق وشایاں ہو تو انہوں نے کچھ دیر غور کرنے کے بعد عرض کیا، یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم اس بزرگی اور کرامت کے کون لائق ہے؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: زید۔ اور شاہ زید ان دنوں خردسال تھے اور اکثر اوقات مکتب میں معلم کے پاس رہتے تھے۔ سید احمد اپنے دست مبارک سے دستار پکڑ کر مکتب میں تشریف لے گئے اور شاہ زید کو اپنے پاس بلا کر دستار اُس کے سر پر باندھ دی اور اسے اپنا ولی عہد مقرر کیا۔ ادھر شاہ زید کو بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بشارت ملی تھی کہ اے بیٹے! تجھے دستار عطا ہو گی ذرا ہوشیار رہنا۔ شاہ زید اکثر اوقات حضور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دیدار بہجت آثار سے مشرف ہوتے تھے۔ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اے فرزند! تم ہندوستان کی طرف جاؤ، وہی ملک تمہارا وطن ومسکن ہوگا۔ شاہ زید نے عرض کیا کہ جائے سکونت کا نشان ارشاد فرماویں۔ آپ نے فرمایا جس جگہ کہ تمہارے جھنڈے کے نیچے سے ''صندلِ تر'' کی بھری ہوئی پلیٹ اور سونے کا سکہ ملے وہی تمہاری سکونت گاہ ہے۔ یہ نشان معلوم کر کے اپنے متعلقین اور مریدوں کی ایک جماعت اور تمام لشکر ساتھ لے کر ہندوستان کی طرف متوجہ ہوئے۔ جب موضع دہر میں پہنچے تو امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اولاد سے چند آدمی جو لشکر کے سردار تھے کہنے لگے کہ یہ دلکشا جگہ لائق سکونت ہے۔ آپ نے فرمایا، مجھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جائے سکونت کا نشان بتلایا ہوا ہے جس جگہ وہ نشان ظاہر ہوگا اسی جگہ اقامت کی جائے گی تم اگر چاہتے ہو تو بڑی خوشی سے یہاں رہو۔ تب وہ لوگ وہاں عمارت بنانے میں مشغول ہو گئے

اور شاہ زید باقی لشکر کو لے کر چلے حتیٰ کہ ضلع حصار میں جا پہنچے۔ اس جگہ انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دیدار ہوا اور آپ نے فرمایا اے فرزند! تم اپنے مکان کو پیچھے چھوڑ آئے۔ تب وہ وہاں سے واپس ہوئے اور چند منزل چلنے کے بعد موضع سیانہ کے قریب پہنچ کر خیمے گاڑ دیئے۔ پیشتر ازیں شاہ زید نے اپنے علمدار سے کہہ دیا ہوا تھا کہ علم کی نصب گاہ کو ہر صبح اور کوچ کے وقت اور زمانِ مقام میں غور سے ملاحظہ کیا کرو اور جو کچھ وہاں سے ملے اسے ظاہر کیا کرو۔ جب مقام مذکور پر پہنچے تو اس مقام سے صندل کی بھری ہوئی ایک طشتری اور سونے کا ایک سکہ ملا۔ آپ نے صندل کو اپنے سینہ بے کینہ سے ملا اور اس سکہ کو اپنے کیسہ زر میں رکھ کر سب لوگوں کو انعام واکرام دیا اور فرمایا خوشی کا نقارہ بجا دیں کہ یہ مکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اشارہ کے موافق ہمارا وطن ہے اور یقینی امر ہے کہ اس جگہ کے باشندے ہم سے جنگ کریں گے۔

مگر یاد رکھو! کہ تم میں سے کوئی سبقت نہ کرے جس وقت وہ لڑیں گے ان کا تدارک کر لیا جائے گا۔ یہ بات ہر جگہ پھیل گئی اس وقت سیانہ نام ایک برہمن کفار کا رئیس تھا اور اس جگہ بودو باش رکھتا تھا۔ جب اس نے لوگوں سے یہ بات سنی تو وہ نہایت سراسیمہ اور حیران ہوا اور پیغام بھیجا کہ مال تجارت کا محصول ہمیں ادا کرو، اس کے بغیر ہم تمہیں کوچ نہیں کرنے دیں گے اور اس سے اس کی مراد یہ تھی کہ بموجب (اَلْاِنْسَانُ حَرِیْصٌ علیٰ ما مُنِع) یہاں سے کوچ کر جائیں گے اور اگر کوچ نہ کریں گے تو لڑ کر انہیں یہاں سے نکال دیں گے۔ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ یہ دلکشا جگہ ہے، ہم چاہتے ہیں کہ چند روز یہاں رہیں اور سیر و شکار میں مشغول ہوں اور محصول ادا کیے بغیر ہم کوچ نہیں کریں گے۔ جب اس برہمن کو یہ یقینی طور سے معلوم ہو گیا کہ یہ لوگ یہاں اپنا وطن بنائیں گے تو اس نے پھر پیغام بھیجا کہ میں نے محصول تم سے معاف کر دیا، تم اس مکان سے کوچ کر جاؤ ورنہ تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کس طرح ہم تمہیں یہاں سے نکالتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ ہمارے جد امجد نے یہ مکان ہمیں عطا فرمایا ہے، اب کہاں جائیں ہم اپنے مکان میں ہیں تم

اپنے مکان میں رہو۔ اس بات کو سنتے ہی اس بدنہاد نے بہت سی فوج جمع کر کے جنگ کی ٹھان لی مگر چونکہ وہ جنگ میں کامیاب نہ ہوا اس لیے لاچار صلح کر لی۔ مگر دل میں کینہ کو چھپائے رکھا اور موقع کا منتظر رہا اور حضرت شاہ زید کے ہمراہیوں سے ارتباط پیدا کر کے آپ کے احوال کی جستجو کرنے لگا۔ حتیٰ کہ اس نے معلوم کر لیا کہ آپ کا جسم مبارک شاہ مرداں کرم اللہ وجہہ کے جسم مبارک کی مانند ہے کہ اس پر سوائے نماز کے وقت کے کسی وقت اوزار کارگر نہیں ہوتا اور چونکہ آپ اکثر اوقات جمعہ کے روز قصبہ کہڑام کی جامع مسجد میں جمعہ ادا فرمایا کرتے تھے اور واپس ہوتے وقت موضع کلسہ کے قریب لب دریا پر عصر کی نماز ادا کیا کرتے تھے اور چونکہ آپ کا دل صاف تھا اس لیے آپ دوسرے لوگوں کو بھی صاف دل ہی تصور فرماتے تھے اور دو خدمتگاروں سے زیادہ اپنی خدمت میں نہ رکھتے تھے۔ اس برہمن مردود نے چونکہ آپ کا اندرونی حال معلوم کر لیا تھا۔ اس لیے چند لوگوں کو بلا کر کہا کہ آج اس لشکر کا سردار نماز جمعہ ادا کرنے کے ملیے قصبہ کہڑام میں جائے گا اور وہاں سے واپس آ کر عصر کی نماز موضع کلسہ کے قریب دریا کے کنارے پڑھے گا۔ پس جس وقت وہ نماز میں مشغول ہو اس کا کام تمام کر دیجیو۔

وہ لوگ اس کے حکم کے موافق دریا کے قریب کمین گاہ میں جا بیٹھے۔ جب بطریق سابق آپ نماز عصر میں مشغول ہوئے اور دو رکعتیں پڑھ لیں تو ان نالائقوں نے کمین گاہ سے نکل کر تیغ بے دریغ سے آپ کا سر تن سے جدا کر دیا اور بعد ازاں بھاگ گئے۔ آپ کے تن مبارک نے بے سر ہی نماز پوری کی اور پھر سر کو رومال میں لپیٹ کر بائیں ہاتھ میں لیا اور دائیں ہاتھ میں تلوار لے کر گھوڑے پر سوار ہو کر سیانہ کی طرف ان بدبختوں کے تعاقب میں روانہ ہوئے، کوئی آپ کا مقابلہ نہ کر سکا اور آپ نے بہت سے کافروں کو تہ تیغ کیا۔ جب خبر آپ کے لشکر کو پہنچی تو وہ کافروں کے ساتھ جنگ میں مشغول ہو گئے اور لڑتے لڑتے سیانہ کے قریب جا پہنچے۔ اتفاق سے چند عورتیں راستے میں کنوئیں سے پانی بھر رہی تھیں جب انہوں نے سردار لشکر کو دیکھا تو تعجب سے کہنے لگیں کہ ایک مسلمان بے سر لڑ رہا

ہے۔اس حال کے ظاہر ہونے کے بعد چند قدم چل کر آپ ٹھہر گئے اور زمین کو اشارہ کیا وہ پھٹ گئی اور آپ کا بدن مبارک اس شگاف میں جا کر دائیں جانب لیٹ گیا اور سر کو بدن سے ملا لیا اور خادم کو کہا کہ اگر کھانے کی کوئی چیز تمہارے پاس ہے تو لاؤ۔ خادم نے کباب اور پانی جو اس کے پاس تھا لا حاضر کیا۔ آپ نے اس میں سے تھوڑا سا تناول کیا اور پھر دیوار پختہ کو جو اس جگہ تھی اشارہ کیا کہ مجھے ڈھانک لے۔ خدا کے حکم سے وہ دیوار گر پڑی اور اس شگاف کو چھپا لیا۔ آپ کی شہادت کے واقعہ کے بعد آپ کے ہر شش لڑکوں اور بھائی بندوں نے تجویز کی کہ جنگ کو موقوف کر کے حقیقت حال بادشاہِ وقت سے بیان کرنی چاہیے مگر لشکر کو یہیں قیام کرنا چاہیے۔ پس سید شاہ میر کو لشکر کا سردار مقرر کیا اور سید حامد سید حسین آپ کے بھائی اور سید شاہ محمد و سید شہاب الدین آپ کے بیٹے چاروں شخص بادشاہ اسلام شمس الدین کی طرف روانہ ہوئے جو ان دنوں ہندوستان کے انتظام کے لیے اس ضلع کے قریب آیا ہوا تھا۔ آخر منزلوں کو قطع کرتے بادشاہ کی ملازمت میں جا پہنچے اور اس ملک میں اپنے آنے کی کیفیت اور شاہ زید کے شہید ہونے کی حقیقت من وعن بیان کر دی۔

اس وقت موضع کم تھلہ کے راجہ کا وکیل اور سیانہ برہمن دونوں حاضر تھے، انہوں نے عرض کیا کہ بادشاہ سلامت کہ یہ لوگ جمعیت کثیر لے کر سلطنت کی خواہش سے آئے تھے۔ ہم چونکہ آپ کی رعایا اور نمک خوار ہیں ان کے مزاحم ہوئے اور فریقین میں جنگ ہوئی جس میں کئی آدمی مارے گئے۔ آگے جو حضور کی مرضی، بادشاہ نے انتظام سلطنت پر غور کر کے حکم دیا کہ ان چاروں کو قید کر دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اسی رات بادشاہ خواب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دیدار سے مشرف ہوا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے بیٹے سید حامد اور سید حسین اور سید شاہ محمد اور سید شہاب الدین ترمذی تیرے پاس مدد کے لیے آئے اور اب تک تو نے ان کی فریاد نہیں سنی۔ بادشاہ جب بیدار ہوا تو اس خیال سے کہ شاید سادات کو قید خانہ میں چارپائی بھی میسر ہوئی ہوگی یا نہیں فوراً زمین پر بیٹھ گیا اور خدمتگار کو کہا کہ جاؤ قید خانہ میں جا کر دیکھو کہ سیدزادے کس حال میں ہیں، وہ

جا کر کیا دیکھتا ہے کہ الاؤ کے پاس بیٹھے آگ تاپ رہے ہیں اور ان میں ایک کہہ رہا ہے کہ ہمارے جد نے مدد کی ہے اور دوسرا کہتا ہے مدد تو کی ہے مگر تا حال خبر نہیں لی۔ خدمت گار نے حاضر ہو کر بادشاہ سے وہ سب باتیں عرض کر دیں۔ بادشاہ ان باتوں کو سنتے ہی قید خانہ کی طرف روانہ ہوا اور ملاقات کر کے عذر کیا کہ میری خطا معاف کیجئے۔ پھر کہا کہ میری ایک بیٹی ہے میں چاہتا ہوں کہ تم میں ایک اسے قبول کر لے، سب کی صلاح سے شہاب الدین سے اس کا عقد کر دیا گیا۔ پھر بادشاہ نے کمک کے لیے فوج ساتھ کر دی اور بیٹی کو شاہانہ جہیز دے کر رخصت کیا جس وقت بادشاہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دیدار سے مشرف ہوا تھا اسی وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شاہِ سلیمان کو خواب میں فرمایا تھا کہ اے فرزند اُٹھ اور کفار کو تہ تیغ کر دے۔

شاہ سلیمان نے علی الصبح اُٹھ کر فوج آراستہ کی اور کفار پر حملہ کیا۔ اس جنگ میں سیانہ برہمن مارا گیا اور انہوں نے موضع سیانہ کو تاخت و تاراج کر کے اس کا نام سیوانہ رکھا اور اسے فتح کرنے کے بعد راجہ کم تھلہ پر چڑھائی کی۔ اس نے اطاعت قبول کر لی اور مسلمان ہو گیا۔ شاہ سلیمان نے فتح ونصرت کا نامہ اپنے بھائیوں کو لکھا جو ادھر فوج لے کر لشکر سے ایک منزل کے فاصلے پر آئے ہوئے تھے۔ خط پڑھتے ہی انہوں نے فوج کو روانہ کر دیا کیونکہ اس کی ضرورت نہ رہی تھی۔ جب یہ خبر بادشاہ کو پہنچی تو وہ اپنی بیٹی سے ملنے آیا اور اسے نصیحت کی کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی لڑکیوں سے باادب پیش آنا اور ان کی تعظیم وتکریم میں کوتاہی نہ کرنا اور ان کی ہمسری کا دم نہ بھرنا ملکہ اپنے والد کی ہدایت کے بموجب ان میں رہی۔ بعدازاں اس نے اپنے باپ کو عرضی لکھی کہ اتنی مدت تو میں حضرت فاطمہ کی لڑکیوں میں باادب رہی ہوں مگر آئندہ مجھے خوف ہے کہ مجھ سے کوئی بے ادبی نہ ہو جائے۔ اس لیے اُمیدوار ہوں کہ مجھے علیحدہ وطن مرحمت فرما دیں۔ بادشاہ نے موضع کم تھلہ سید شہاب الدین کے نام مقرر کیا کہ وہ اپنی بود و باش وہاں مقرر کریں اور وہاں کے گوجروں کو حکم دیا کہ اس جگہ کو چھوڑ کر قلعہ دہلی کے دامن میں جسے تغلق آباد کہتے ہیں آ بسیں اور اسے اپنا مسکن بنائیں۔

غرضیکہ حضرت پیر دستگیر کے آباؤ اجداد سیوانہ میں سکونت رکھتے تھے اور آپ کے والد ماجد کو بعض دشمنوں نے شہید کر دیا تھا اور آپ کی والدہ ماجدہ جن کا نام بی بی ملکو تھا حسد برادری کے باعث حضرت کو جبکہ ان کی عمر سات سال کی تھی ہمراہ لے کر قصبہ سیوانہ سے اُٹھ کر قصبہ کہڑام میں آ رہی تھیں۔

وہاں آ کر حضرت پیر دستگیر کو اخوند فرید کے مکتب میں پڑھنے کے لیے بٹھایا۔ حضرت کو بمقتضائے ہمسائیگی اور ہم مکتبی ایک ہندو لڑکے سے محبت ہوگئی۔ وہ بھی ان سے محبت سے پیش آنے لگا، مکتب کے دوسرے لڑکوں نے اس بات کو دریافت کر کے اس کو ملامت کی کہ ایک فقیر کے لڑکے سے اس قدر محبت کرنا اور اسی سے ہی بات چیت میں مشغول رہنا مناسب نہیں ہے۔ ہم امیروں کے لڑکوں اور شریف زادوں کے ساتھ اگر تو میل ملاپ رکھے تو بھلا کوئی بات بھی ہے۔ حضرت نے کمال غیرت کے باعث اس ہندو لڑکے کے منہ پر ایک طمانچہ مارا جس سے اس کے گوشوارہ کے دو بیش بہا موتی ٹوٹ گئے۔ جب اخوند مذکور نے اس معاملہ کو دیکھا تو اس کے رشتہ داروں کے خوف سے اور اس طمع سے کہ اسے ان سے کچھ ماہوار ملا کرتا تھا، حضرت پیر کو مکتب سے نکال دیا اور کہا کہ جاؤ اپنا کام کرو۔ آپ مکتب سے چلے آئے اور جیسے کہ لڑکوں کی عادت ہے کھیل میں مشغول ہو گئے اور چند روز اسی طرح گزر گئے۔ ایک دن حضرت شاہ جلال برادر شاہ فاضل مجذوب جو شاہ قمیص قادری ساڈھوری کی اولاد سے تھے، اپنے مریدوں اور معتقدوں کی نوازش کے لیے قصبہ کہڑام میں تشریف لائے ہوئے تھے اور شاہ کھوکھو کے مزار شریف کی زیارت کر کے قصبہ کہڑام کی طرف واپس آ رہے تھے، راستے میں لڑکے کھیل رہے تھے اور ان میں حضرت پیر بھی تھے۔ شاہ جلال اس جگہ کھڑے ہو گئے اور لڑکوں کے احوال کی تفتیش کرنے لگے۔ جب حضرت پیر تک نوبت پہنچی تو آپ نے پوچھا کہ یہ لڑکا کہاں سے ہے اور کس کا بیٹا ہے؟ لوگوں نے کہا یہ قصبہ سیوانہ سے ہے اور سید یوسف کا بیٹا ہے۔ آپ نے اس بات کو سنتے ہی حضرت پیر کے سر پر دست شفقت پھیرا اور فرمایا، اے صاحب زادے! یہ تمہارا کھیلنے کا

وقت نہیں ہے۔ اس عمر میں تو تمہیں لکھنے پڑھنے میں مشغول ہونا چاہیے۔ حضرت پیر نے کہا کیا کروں مجھے اخوند نے مکتب سے نکال دیا ہے۔ شاہ جلال نے فرمایا میں آج تمہارے لیے انتظام کر دیتا ہوں اور اخوند کو تاکید کر دوں گا کہ تمہاری تعلیم میں کوشش کیا کرے۔

چنانچہ رات کے وقت آپ نے اپنے چار مریدوں کو بلا کر فرمایا کہ میراں صاحب کی خوراک و پوشاک اور کاغذ و سیاہی کے خرچ کا انتظام تمہارے ذمے ہے اور اخوند کی تنخواہ بھی تم نے ہی ادا کرنی ہوگی تا کہ ان کی تعلیم میں کسی طرح کی رکاوٹ پیدا نہ ہو۔ پھر کھانا کھاتے وقت آپ نے حضرت پیر کو اپنے ساتھ بٹھلا کر کھانا کھلایا اور بعد ازاں فرمایا کہ لو یہ تھوڑا سا کھانا اپنی والدہ ماجدہ کے لیے بھی لے جاؤ مگر چونکہ توکل و علو ہمت آپ کی جبلی خصلت تھی اس لیے کہا کہ رزاق خدا تعالیٰ ہے۔ شاہ جلال اگلے روز علی الصبح شیرینی، کاغذ اور لباس اپنے پاس سے لے کر آپ کے گھر پر تشریف لے گئے تو جیسے کہ لڑکوں کی عادت ہوتی ہے آپ اس وقت تک سوئے ہوئے تھے۔ شاہ جلال نے فرمایا، اے میراں! یہ عمر ایسی نہیں ہے کہ اسے خواب میں صرف کرو۔ یہ کہہ کر انہیں نیند سے جگا کر منہ ہاتھ دھلا اور نئے کپڑے پہنا کر اپنے ہمراہ لے کر اخوند فرید کے پاس لائے اور فرمایا، اے اخوند! آج میں تمہارے پاس ایک سفارش لایا ہوں۔ اخوند نے کہا بندہ حضور کا غلام ہے اور مکتب بھی آپ کا ہی ہے۔ مگر سید بھیکھ کے بارے میں آپ سفارش نہ کریں اور جو کچھ فرما دیں گے بندہ اس کے قبول کرنے کے لیے بدل و جان حاضر ہے۔ اس بات کے سنتے ہی حضرت شاہ جلال نہایت خفا ہوئے اور اخوند کو بہت کچھ سخت سست کہنے کے بعد فرمایا کہ تو مردود ہے کہ اپنے پیر کے فرمان سے عدول حکمی کرتا ہے۔ اخوند اس کلام کے سنتے ہی کانپنے لگ گیا اور نہایت عاجزی سے معذرت کر کے عرض کیا کہ بندہ کو کیا مجال ہے کہ جناب کے فرمان سے سر پھیرے جو کچھ حضور فرمائیں گے اسے پورا کرنے میں غلام اپنی سعادت سمجھے گا۔ تب شاہ جلال نے اخوند سے فرمایا کہ یہ تجھ سے قرآن مجید اور گلستان و بوستاں پڑھیں گے۔ بعد ازاں مکتب کے خلیفہ بن جائیں گے اور پھر اس کے کان میں کہا کہ یہ سید زادہ قطب زمان ہے اس کی خدمت اچھی طرح سے بجالانا اور اس کی تعلیم میں ذرا غافل نہ ہونا۔

اس دن سے اخوند حضرت پیر کی تعلیم میں نہایت کوشش کرنے لگا۔حتیٰ کہ حضرت استاد کی سعی وشفقت اور اپنی استعداد سے قریباً چھ ماہ کی مدت میں کلام اللہ اور دونوں کتابوں کی تعلیم سے فارغ ہو گئے اور مکتب کے خلیفہ بن گئے۔تھوڑی مدت کے بعد ایک دوسرا مکتب آپ کے سپرد کیا گیا اور دس بارہ لڑکوں کی تعلیم کے آپ کفیل بنائے گئے اور دفع جن کے علم میں بھی سرآمد روزگار ہو گئے۔جب ایام جوانی کے قریب پہنچے تو اتفاقاً کہڑام کے باشندوں سے ایک شخص حسن ابدال میں بعہدہ فوجداری مقرر ہو کر روانہ ہوا تو اپنے لڑکے کی تعلیم کے لیے حضرت پیر دستگیر کو بھی اپنے ساتھ لے گیا۔جب آپ اس ضلع میں پہنچے تو شوق خدا شناسی جو باطن میں مرکوز ومستور تھا ظاہر ہونے لگا۔چنانچہ آپ نے اس ضلع کے ہر قسم کے درویشوں اور فقیروں سے خواہ وہ مسلمان ہوں یا ہندو ملنا شروع کیا۔فوجدار نے خیال کیا ایسا نہ ہو کہ یہ ان درویشوں اور فقیروں کے ہمراہ رہ پڑیں اور مجھے ان کی والدہ سے شرمسار ہونا پڑے اس بات کو سوچ کر اس نے انہیں پھر کہڑام بھیج دیا۔یہاں کہڑام سے پندرہ کوس کے فاصلے پر موضع نلوی میں ایک درویش شاہ قاسم نام کے رہتے تھے۔آپ قریباً ایک سال تک ان کی خدمت میں رہے،الاؤ کا ایندھن لایا کرتے تھے۔ایک دن کا ذکر ہے کہ شاہ قاسم صاحب نے اپنے گھر کی چھت کے لیے ایک شہتیر بنوا کر رکھا ہوا تھا،درویشوں سے فرمایا کہ دس بارہ شخص جا کر اسے اٹھالاؤ۔درویش آپ کے حسب فرمودہ گئے اور ہر چند زور لگایا مگر وہ شہتیر اُٹھ نہ سکا۔اس وقت حضرت میراں صاحب باہر کام کو گئے ہوئے تھے۔جب آئے تو درویشوں سے دریافت کیا کہ تم کہاں گئے تھے؟ انہوں نے سب حال کہہ سنایا۔آپ نے کہا کہ چلو اب پھر چلیں۔چنانچہ وہ سب پھر واپس گئے اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر لکڑی کو اُٹھا کر لے آئے۔جب لا کر اسے ناپا تو گھر کے اندازہ سے قدرے کم رہی۔حضرت میراں نے اپنے دست مبارک سے اسے دیواروں پر رکھ دیا تو وہ بالکل درست آ گئی۔جب باقی درویشوں نے اس تصرف کا معائنہ کیا تو اپنی کلاہوں کو پھینک اور خرقوں کو پھاڑ کر شاہ قاسم سے عرض کرنے لگے کہ یہ فقیر ابھی تک الاؤ کا ایندھن ہی جمع کر رہا ہے

اور فقیروں کے کلمات سے باخبر نہیں ہوا اور آپ نے اسے اس قدر تصرف عطا فرمائے ہیں اور ہم تا حال محروم ہی ہیں۔ ہمیں بھی صاحب تصرف کیجئے۔ شاہ قاسم نے کہا کہ قاسمِ حقیقی خدا تعالیٰ ہے یہ شخص خود سید زادہ ہے اور اس کے آباؤ اجداد صاحب کمال گزرے ہیں۔ مجھے اس بات میں کیا دخل ہے۔ ان دنوں شاہ قاسم صاحب کے مرشد بھی اسی جگہ تشریف رکھتے تھے۔ انہوں نے فرمایا، اے قاسم! ہم تو چھوٹے سے تالاب کی طرح ہیں اور میراں صاحب دریائے عظیم ہیں ہم سے اور تم سے انہیں سیرابی حاصل نہ ہوگی۔ تمہیں ان کو رخصت کر دینا چاہیے تا کہ اپنا مقصود کسی اور جگہ سے طلب کریں۔

شاہ قاسم نے اپنے پیر کے ارشاد کے موافق میراں صاحب کو رخصت دے دی۔ آپ نے کہا میں اتنی مدت آپ کی خدمت میں رہا ہوں اور اب مجھے جواب دیتے ہو۔ اچھا آپ کی مرضی لیکن اتنا تو ارشاد فرمائیے کہ میں کس بزرگ کی خدمت میں جاؤں؟ اتفاق سے شاہ سجاول جو حضرت شاہ ابوالمعالی کے مریدوں میں سے تھے وہاں بیٹھے تھے وہ فوراً بول اُٹھے۔ اے میراں! میں تمہیں ایک کامل و مکمل کے پاس لے جاتا ہوں جو تمہیں مقصود پر پہنچا دے گا مگر مرید کو پیر شناسی لازمی ہے۔ آپ نے فرمایا پیر کو بھی مرید شناسی ضروری ہے۔ الغرض اسی وقت شاہ سجاول اور حضرت میراں صاحب نلوی سے انبیٹھ کی جانب جو حضرت شاہ صاحب کا مؤلد و مسکن تھا روانہ ہوئے۔ جب انبیٹھ کے نزدیک پہنچے تو شاہ سجاول پہلے ہی شاہ صاحب کی خدمت میں پہنچ گئے اور حضرت میراں صاحب حقہ کشی کی خاطر کچھ دیر باہر ٹھہر گئے۔ شاہ صاحب نے شاہ سجاول سے فرمایا کہ رفیق کو کہاں چھوڑ آئے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ پیچھے آ رہے ہیں۔ بعد ازاں وہ اُٹھ کر میراں صاحب کو لانے کے لیے واپس گئے۔ دیکھا کہ وہ خود بخود آ رہے ہیں۔ شاہ سجاول انہیں اپنے ساتھ لیے آ رہے تھے کہ انہوں نے شاہ سجاول سے کہا کہ میرے پیر چارپائی کی پائینت پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ جب روبرو گئے تو شاہ صاحب نے فرمایا، آیئے میاں صاحب اپنے رفیق یعنی حقہ کو کہاں چھوڑ آئے۔ آپ نے عرض کیا کہ میں نے اسے ترک کر دیا ہے اور اس کی رفاقت چھوڑ دی ہے۔

بعدازاں آپ نے ذکر کی تلقین فرما کر رخصت کیا۔ حضرت وہاں سے رخصت ہو کر نلوی میں پہنچے اور اس جگہ بیہوش ہو گئے اور تین روز تک بیہوشی میں ہی رہے، جھاگ آپ کے منہ سے آتی تھی جب ہوش میں آئے تو کہڑام کی جانب روانہ ہوئے اور کہڑام میں پہنچ کر محمد فاضل قانونگو کی مسجد میں سکونت اختیار کی۔ اس نے آپ کی سکونت کو عطاءِ الٰہی سے سمجھا۔ ہر روز نہایت لذیذ طعام آپ کی خدمت میں بھیجتا۔ آپ کو ان طعاموں کے کھانے سے عبادت میں تغافل آ گیا۔ حتیٰ کہ عبدالکریم کانیتھ نے جو خردسالی میں حضرت کے ساتھ رابطہ اتحاد و اخلاص رکھتا تھا، بات چیت کی فرصت پا کر آپ کی خدمت میں حاضر ہونا شروع کیا۔ یہ شخص سرود میں بھی دسترس رکھتا تھا۔

ایک دن حضرت نے اسے فرمایا اے عبدالکریم! تم اپنے گھر جاؤ کہ میں یادِ خدا میں مشغول ہو جاؤں۔ اس نے کہا جو ذکر آپ کو آتا ہے آپ اس میں مشغول ہو جائیں اور جو ذکر مجھے آتا ہے میں اس میں مشغول ہو جاتا ہوں۔ اس پر حضرت یادِ خدا میں مشغول ہو گئے اور اس نے سماع شروع کر دیا۔ آپ کو اس سے ذکر میں خلل آیا۔ خلوت سے باہر نکل کر فرمانے لگے اے جوانمرگ! اس جگہ سے اُٹھ کھڑا ہو۔ وہ وہاں سے اُٹھ کر دستار باندھ کر چلنے ہی کو تھا کہ اسے بخار ہو گیا اور ابھی تین پہر بھی نہ گزرے تھے کہ فوت ہوا۔ حضرت پیر کو اس کے فوت ہونے سے نہایت غم ہوا کیونکہ قدیمی مخلص تھا اور آپ کی طبیعت اُچاٹ ہو گئی۔ ایک دن آپ اُداسی طبیعت کو دور کرنے کے لیے غلیل ہاتھ میں لیے ہوئے باہر نکلے، دیکھا کہ دو جانور ایک جگہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ نے اُنہیں غلہ مارنے کا قصد کیا۔ خدا کی قدرت سے وہ دونوں جانور بولے کہ سبحان اللہ میراں صاحب شاہ ابوالمعالی کی خدمت سے فقیر ہو کر آئے ہیں مگر پھر اُن کے روبرو کس طرح جائیں گے۔ اس بات کے سننے سے آپ کے جگر پر ایک تیر سا لگا۔ اسی وقت غلیل کو توڑ کر اس مسجد میں آ کر یادِ حق میں مشغول ہوئے جو آپ کے مزار کے پاس نئی تعمیر ہوئی ہے۔ ان دنوں اس مسجد کے صحن میں ایک بہت بڑا بڑ کا درخت تھا جس پر بے شمار جانور آ کر بیٹھتے تھے اور ان کی بیٹوں سے صحن ناپاک

رہتا تھا۔اس حالت کو دیکھ کر آپ کی زبان مبارک سے نکلا کہ اگر مسجد کا متولی اس درخت کو کٹوادے تو یہ جگہ پاک رہے یہ کہہ کر آپ قضائے حاجت کے لیے باہر گئے۔ خدا کی قدرت اس درخت کے تنے خود بخود ٹوٹ کر گر پڑے۔ جب آپ قضائے حاجت سے فارغ ہوکر آئے تو اپنے دستِ مبارک سے ان تمام لکڑیوں کو جمع کر کے صحن کو صاف کیا۔ جب متولی مسجد کو معلوم ہوا کہ حضرت میراں صاحب اس مسجد میں سکونت کا ارادہ رکھتے ہیں تو اس نے مسجد کو مرمت کروا کر انہیں لکڑیوں سے مسقّف کردیا اور مسجد کے متصل ایک حجرہ آپ کی رہائش کے لیے بنوادیا۔ وہ حجرہ اب تک موجود ہے مگر روضۂ شریف کی تعمیر کے وقت اس میں کچھ تغیر آ گیا ہے۔ الغرض حضرت نے اس جگہ سکونت اختیار کی اور نتھا نامی منیار کو جو ایک خدادوست اور خادم فقراء شخص تھا اپنے پاس بلوا کر کہا کہ مجھے اپنے عیال میں داخل کرلو اور جس قسم کا طعام تمہارے گھر میں پکا کرے بغیر کسی قسم کی تکلیف کے مجھے لا دیا کرو۔ لیکن شرط یہ ہے کہ تمہارے گھر والوں میں سے کسی کو خبر نہ ہو اور تمہارے گھر کا کھانا میں نے اس لیے پسند کیا ہے کہ وہ من وجہ الحلال ہوتا ہے کیونکہ خریدار جو تم سے چوڑیاں خریدتے ہیں وہ اسی وقت لیتے ہیں جبکہ وہ ان کے ہاتھ میں ٹھیک آ جاتی ہیں۔ اس نے بات کو قبول کر کے ہر روز ایک عدد روٹی آپ کے لیے لانی شروع کی مگر آپ سات آٹھ دن میں صرف ایک روٹی پانی میں بھگو کر کھایا کرتے اور اس حجرہ میں یادِ خدا میں مشغول رہا کرتے تھے۔ اسی اثناء میں فیوض کے دروازے آپ پر کھلنے شروع ہوئے اور دل کی صفائی اس درجہ تک پہنچ گئی کہ ایک روز شاہ صاحب انبیٹھ میں فرشِ شیش پر بیٹھے ہوئے ریش مبارک میں کنگھا کر رہے تھے کہ ایک بال مبارک نیچے گر پڑا۔ حضرت میراں صاحب نے کہڑام میں بیٹھے ہوئے دیکھ لیا کہ میرے پیر کی ریش مبارک سے ایک بال ٹوٹ کر نیچے گر پڑا ہے۔ اسی وقت انبیٹھ کی طرف روانہ ہوئے اور خدمت شریف میں پہنچ کر عرض کیا کہ فلاں روز ایک بال آپ کی ریش مبارک سے جدا ہوکر فلاں جگہ گر پڑا ہے۔ شاہ صاحب آپ کو ساتھ لے کر اس جگہ تشریف لائے اور فرمایا اے میراں! وہ بال کہاں ہے؟ حضرت میاں صاحب نے اس بال کو اُٹھا کر

128352

نظر مبارک میں گزارا۔ حضرت شاہ صاحب چونکہ کامل و مکمل تھے اور نہ چاہتے تھے کہ میراں صاحب ایسے مکشوفات میں ٹھہرے رہیں بلکہ اُن کی خواہش تھی کہ کمال حقیقی پر پہنچ جائیں۔ فرمانے لگے اے میراں! یہ فقیری نہیں ہے۔ فقیری اور چیز ہے اور چونکہ آپ امراض قلبیہ کے حکیم حاذق تھے اس لیے آپ نے ہر روز ایک مرغ ذبح کر کے حضرت میراں صاحب کو کھلانا شروع کیا جس سے آپ کی وہ قلبی صفائی جاتی رہی۔ بعد ازاں رخصت کر کے فرمایا، اے میراں! جاؤ یادِ حق میں مشغول رہو۔

کہڑام میں پہنچ کر آپ اسی حجرہ میں یادِ خدا میں مشغول ہوئے۔ تھوڑی مدت گزری تھی کہ حضرت شاہ صاحب کا رقعہ کریمہ حضرت میراں صاحب کی طلبی کا آیا۔ چونکہ ان دنوں آپ کو کثرت مجاہدہ اور ریاضت کے باعث کمال درجہ کا ضعف تھا اس لیے جواب لکھا کہ فی الحال تو مجھ میں طاقت نہیں البتہ چند روز تک حضور کی خدمت شریف میں حاضر ہو جاؤں گا۔ قاصد جب رقعہ کا جواب لے کر روانہ ہو گیا تو آپ نے اپنے آپ کو ملامت کرنا شروع کیا کہ تو کون ہے اتنی مجال و طاقت تمہیں کہاں سے آئی کہ پیر کے بلانے پر تم نے جانے سے انکار کیا۔ یہ سوچ کر اس قاصد کے دو گھنٹے بعد خود بھی انبیٹھ کی طرف رواں ہوئے جو وہاں سے پچاس کوس کے فاصلے پر تھا۔ چنانچہ آپ شام کے وقت انبیٹھ میں جا پہنچے۔ شاہ صاحب نے دریافت کیا کہ میراں کس دن کہڑام سے اس طرف روانہ ہوئے تھے۔ عرض کیا کہ حضور کا قاصد آج دوپہر دن گزرے بعد وہاں پہنچا تھا۔ آپ کے رقیمہ کریمہ کے مطالعہ کے بعد اپنی ضعف بدنی کے باعث یہ جواب لکھا تھا کہ چند یوم کے بعد حاضر خدمت ہو جاؤں گا۔ بعد ازاں میں نے اپنے نفس کو بہت ملامت کی کہ تو نے یہ گستاخی کیا کی، پھر اسی وقت روانہ ہو کر حضور کی خدمت شریف میں پہنچ گیا۔ شاہ صاحب نے فرمایا، دریا اور نہر جو راستے میں آتی ہے اسے کس طرح عبور کیا تھا۔ میراں صاحب نے عرض کیا میں ان میں سے گزر آیا تھا اور جوتے کا تلوا بھی نہیں بھیگا۔ اس قدر سوال و جواب کر کے آپ نے رخصت کر دیا اور فرمایا، اے میراں! اسباب کی رعایت کو ہاتھ سے دینا خوب نہیں

ہے۔اس کے بعد آپ بطریق معتاد چند روز میں کہڑام پہنچے اور کشتی پر سوار ہو کر دریا اور نہر کو عبور کیا اور وطن پہنچ کر پھر اپنے کام میں مشغول ہو گئے اور نتھا کو فرمایا کہ جب تو روٹی لاوے تو تھوڑے سے سوتی دھاگے بھی ساتھ لانا اور خود ہر روز کوچوں میں جاتے اور پرانے کپڑے جمع کر کے لے آتے اور رات کے وقت انہیں دھو کر پاک کرتے اور کنوئیں کے اوپر ایک تختہ ڈال کر اس کے اوپر بیٹھتے اور اپنے نفس سے کہتے کہ اگر تو سوئے گا تو یاد رکھ کنوئیں میں گر پڑے گا اور ہلاک ہو جائے گا۔رات کو اسی جگہ یادِ حق میں مشغول رہتے اور صبح کو پیوند دوزی کیا کرتے۔بہت سی مدت اسی طرح گزر گئی۔

چونکہ شاہ صاحب نے رخصت کے وقت فرما دیا تھا کہ اے میراں! تم یہاں آنے کی تکلیف نہ کرنا میں خود تمہارے پاس پہنچوں گا۔اس لیے حضرت میراں صاحب اتنی مدت آپ کی زیارت کے لیے نہ گئے۔چنانچہ شاہ صاحب بموجب اَلکَرِیمُ اِذَا وَعَدَ وَفٰی اس مدت کے بعد کہڑام میں تشریف لائے اور پیراہن، کلاہ، پاجامہ اور چادر سلوا کر حضرت میراں صاحب کو عطاء کی اور فرمایا انہیں پہن لو۔آپ نے تواضع سے عرض کیا کہ بندہ ابھی ان کے لائق نہیں، گدڑی جو اس پر ہے وہی اس کے لائق ہے۔شاہ صاحب نے فرمایا میں تمہیں کہہ رہا ہوں اور تم عذر کر رہے ہو۔حضرت میراں صاحب نے بموجب الامر فوق الادب انہیں پہن لیا اور نہایت مؤدبانہ طریق سے آداب بجا لائے۔ان دنوں حضرت پیر کی عادت تھی کہ احتیاطاً کسی کی دعوت قبول نہ فرمایا کرتے تھے۔شاہ صاحب نے فرمایا کہ دعوت قبول کرنی چاہیے اگر حلال نصیب ہے تو ہر طور سے پہنچے گا اور اگر حرام نصیب ہے تو خواہ تم کتنی احتیاط کرو وہ دور نہ ہو گا۔بعد ازاں آپ کو حجرہ سے باہر نکال کر اپنے ہمراہ لے گئے اور ظاہری و باطنی ضیافتیں کھلا کر جہاں پہنچانا تھا پہنچا دیا اور اپنی خلافت سے مشرف کیا۔تھوڑے ہی عرصہ میں آپ کا شہرہ تمام آفاق میں پھیل گیا اور ہر طرف سے طالب آنے شروع ہوئے۔

وفات حضرت میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ

وہ درویش جو حضرت پیر دستگیر کی خدمت میں رہا کرتے تھے نقل کرتے ہیں کہ موضع کم تھلہ کے زمیندار جو قصبہ کہڑام سے بارہ کوس کے فاصلہ پر اور سیوانہ سادات سے چھ کوس ہے۔ حضرت پیر دستگیر کے مرید تھے۔ انہوں نے ایک قطعہ زمین آپ کی نذر کیا ہوا تھا اور حضرت صاحب نے اس قطعہ میں نہایت دلکش باغ اور ایک کنواں بنوایا تھا چونکہ وہ جگہ بہت دلکش تھی آپ کے دل میں آیا کہ اسی جگہ اپنی رہائش اختیار کریں۔ چنانچہ آپ ایک حویلی بنوانے کے لیے کم تھلہ میں تشریف لے گئے۔ جب یہ خبر قصبہ کہڑام کے لوگوں کو پہنچی تو انہوں نے اپنے رسوخ عقیدت کے باعث جمع ہو کر مشورہ کیا کہ حضرت کا کم تھلہ میں تشریف لیجانا ہمارے طالع کی بدبختی کا باعث ہے جس طرح ہو سکے آپ کو کہڑام میں لانا چاہیے کہ حصول برکت اور دفع بلا کا باعث ہے۔ چنانچہ شیخ نتھا و شیخ محمود سفید بافاں اور شیر محمد کائیتھ قانونگوئی قصبہ مذکور اور دوسرے معزز لوگ جمع ہو کر کم تھلہ میں پہنچے اور عرض کیا، سنا گیا ہے کہ حضرت اپنی جائے سکونت اس قصبہ میں اختیار کرنا چاہتے ہیں مگر چونکہ حضور ابتدائے عمر سے تا حال کہڑام میں ہی رونق افروز رہے ہیں اور یہ فدوی ہر روز آپ کی زیارت کرنے کے خوگر ہو گئے ہیں اور ہماری آبادی محض آپ کے قدم کی برکت سے ہے اس لیے اُمیدوار ہیں کہ بقیہ عمر بھی اسی جگہ بسر کریں اور ہم حضور کی رہائش کے لیے حویلی تیار کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا بہت خوب میں نے تمہارا کہا مان لیا ہے جا کر حویلی تیار کرو اور جب تیار ہو جائے تو مجھے اطلاع دو۔ اس عرض کے قبول ہونے سے وہ لوگ خوش بخوش چلے آئے اور فتحیاب خاں کائیتھ ساکن قصبہ مذکور کی خدمت میں جو بادشاہ کے حضور میں ایک منصبدار تھا۔ تمام ماجرا لکھا۔ اس نے اس بات پر مطلع ہوتے ہی اپنی حویلی جو مزار

مبارک کی جگہ میں تھی آپ کی نیاز کی اور اسے تیار کرنے کا حکم دیا۔ جب وہ بن کر تیار ہوگئی تو اس وقت حضرت صاحب قصبہ تھانیسر میں تشریف فرما تھے۔ قصبہ کہڑام کے لوگوں نے وہاں حاضر ہوکر عرض کیا، حضور حویلی بن کر تیار ہوگئی ہے، آپ نے فرمایا، بہت خوب اس جگہ رہو جس شخص کو وہ حویلی سپرد کرنی ہے وہ اس جگہ نہیں ہے۔ میں اسے بلاتا ہوں۔ چنانچہ وہ لوگ وہیں ٹھہرے اور آپ نے میاں شیخ امان اللہ کو جو آپ کے سب مریدوں میں سے ممتاز تھے اور ان دنوں قصبہ سرہند میں سکونت پذیر تھے۔ ایک رقعہ لکھا اور اپنے پاس آنے کو لکھا۔ وہ اس رقعہ کریمہ کو پڑھتے ہی خدمت شریف میں روانہ ہوئے۔ راستے میں معارف آگاہ سید مرتضیٰ کا گھر تھا جو قصبہ سرہند کے معزز اور حضرت پیر کے مرید تھے۔ جب اس کے قریب پہنچے تو کھڑے کھڑے اطلاع دی کہ حضور کا نوازش نامہ میری طلب میں پہنچا ہے اس لیے میں رخصت ہوتا ہوں۔ سید مرتضیٰ نے کہا تھوڑی دیر توقف کیجئے۔ چنانچہ اسی وقت اپنی رتھ تیار کر کے شیخ کو اس پر سوار کیا اور خود بھی سوار ہوکر آپ کی خدمت میں روانہ ہوئے اور اسی دن موضع بھوچری میں جا پہنچے جو سید مذکور کا موروثی ملک اور سرہند سے پانچ کوس کے فاصلے پر ہے۔ رات وہیں بسر کر کے صبح حضور پیر صاحب کی خدمت میں جا پہنچے۔ آپ نے فرمایا، اے امان اللہ تمہیں سرہند مطلوب ہے یا ہم شیخ نے اس بات کو سنتے ہی کئی نعرے مارے اور عرض کیا کہ حضرت سلامت میں جو سرہند میں تھا تو آپ کے امر شریف کے بموجب تھا۔ فقیر کو سوائے آپ کی ذات بابرکات کے اور کچھ درکار نہیں۔ آپ نے فرمایا میرا بھی یہ خیال ہے۔ اچھا اب ان آدمیوں کے ساتھ جا کر قصبہ کہڑام میں سکونت اختیار کرو اور مجھے بھی اب ضعف بدنی طاری ہوا ہے اس لیے چاہتا ہوں کہ ایک دفعہ سیر کر کے تمہارے پاس آرہوں اور پھر مطلق وہاں سے کہیں نہ جاؤں۔ تم خاطر جمع سے وہاں جاؤ، یہ لوگ تیرے رفیق ہیں جو شخص تمہاری مخالفت کرے گا نادم اور غضب الٰہی میں گرفتار ہوگا۔ حویلی میں داخل ہوتے وقت دہی چاول اوپر میٹھا ڈال کر کھالینا اور فلاں روز داخل ہونا۔ اس سے پیشتر فتح یاب خان مذکور نے جو شیخ امان اللہ سے رسوخ عقیدت رکھتا تھا۔ قصبہ کہڑام سے چالیس بیگھہ زمین ان کی نذر کی تھی مگر شیخ صاحب نے کمال استغناء کے باعث اس کاغذ

کو پھاڑ کر جواب دیا تھا کہ میرے یہ کس کام کی ہے۔ فتح یاب خان نے حویلی کی تیاری کے بعد کاغذ مذکور از سرنو شیخ صاحب کے نام درست کیا اور حضرت پیر دستگیر کی خدمت میں بھیج دیا کہ آخر حضرت صاحب کا فرمان تو شیخ صاحب ضرور ہی منظور فرمائیں گے۔ چنانچہ رخصت کے وقت حضور نے وہ کاغذ مرحمت فرمایا کہ لے لو اور فتح یاب خان سے اسے قبول کر لو کیونکہ درویشوں کے کام آئے گی۔ شیخ صاحب کاغذ کو قبول کر کے رخصت ہوئے اور لوگوں کے ساتھ قصبہ کہڑام میں داخل ہو کر آپ کے فرمان کے موافق عمل کیا۔ چونکہ ان کے اکثر اوقات چلہ میں گزرتے تھے اس لیے حویلی میں داخل ہوتے ہی چلہ میں بیٹھ گئے۔

اُدھر حضرت پیر دستگیر سید مرتضیٰ کو ہمراہ لے کر بطریق سیر اور نیز اس لیے کہ سید مرتضیٰ نے عرض کیا تھا کہ سرہند کے اکثر لوگ آپ کی زیارت کے شائق ہیں اور ایک سیدہ ضعیفہ آپ کی بیعت کا ارادہ رکھتی ہے۔ شاہ آباد کی طرف تشریف لے گئے اور اس جگہ سے انبالہ میں اور وہاں سے بنور اور چھت میں سے ہوتے ہوئے موضع چونہی میں جو سرہند سے تقریباً سات کوس ہے تشریف لے گئے اور اس جگہ سے شاہ زین کی زیارت کے لیے گئے۔ زیارت کے بعد فرمایا، اے یارو! میں سرہند کا ارادہ رکھتا ہوں لیکن نہر مذکور پر خدا کی نظر جلال ہے۔ شاہ اورنگزیب نے جو ایک معتبر درویش تھے عرض کیا کہ حضرت سلامت جس جگہ نظر جلال ہو وہاں جانا کیا ضروری ہے؟ آپ نے فرمایا، اب میں اس جگہ جانے کے ارادے سے آیا ہوں اور وہاں کے لوگ بھی مشتاق ہیں اس لیے اسی جگہ چلتا ہوں۔ چنانچہ آپ وہاں جا کر سید مرتضیٰ کی حویلی میں فروکش ہوئے۔ لوگ ہر طرف سے خدمت شریف میں آتے اور شیرینی اور میوے لاتے تھے۔ ازانجملہ ایک بھنگی خربوزے لایا، آپ نے فرمایا انہیں تقسیم کر دو اور ایک خربوزہ اپنے دستِ مبارک سے پکڑ کر فرمایا، اسے طاق میں رکھ دو کہ شیخ امان اللہ کا حصہ ہے۔ بعدازاں آپ نے قدرے آم تناول فرمائے اور ان کے بعد تھوڑا سا دودھ پیا جس کے کچھ عرصہ بعد آپ کا پیشاب رُک گیا۔ آپ اکثر اوقات بیقراری میں شیخ امان اللہ کو یاد فرماتے تھے۔ ایک درویش نے یہ حال دیکھ کر شیخ امان اللہ کو جا کر خبر کی وہ اس حقیقت کو سنتے ہی چلہ کو چھوڑ کر حضور کی خدمت میں روانہ ہوئے اور قریباً ایک سو پچاس

آدمی قصبہ کہڑام کے رئیسوں اور درویشوں سے آپ کے ہمراہ آئے۔ جب شیخ نے سرہند میں پہنچ کر قدم بوسی حاصل کی تو آپ نے فرمایا، یہ خربوزہ تمہارا حصہ ہے اسے کھالو، بموجب امر عالی انہوں نے وہ خربوزہ جو صوری و معنوی نعمتوں سے پُر تھا کھالیا۔ اس کے کھاتے ہی سلوک کی بقیہ منزلیں طے ہوگئیں۔ جب حضور کی بیماری کی خبر اطراف واکناف میں پھیلی تو درویش اور معتقدین ہر طرف سے آنے لگے اور سرہند میں بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ حضرت صاحب اس خیال سے کہ اتنے لوگوں کی مہمانی سرہند کے باشندوں سے مشکل ہے ہر ایک سے فرماتے تھے کہ مجھے خدا کے سپرد کر کے اپنی اپنی جگہوں میں چلے جاؤ۔ چونکہ شیخ امان اللہ کے ہمراہ بہت سے آدمی تھے اس لیے آپ نے احتباس بول کی بیقراری میں فرمایا کہ تم بھی رخصت ہو جاؤ۔ شیخ نے عرض کیا کہ حضرت سلامت فقیر نے درویشوں کے خرچ کے لیے قریباً دو سو من غلہ منگوایا ہے۔ کسی شخص کو مہمانداری کی تکلیف نہ ہوگی۔ آپ نے فرمایا، اچھا تمہارا اختیار ہے جب چند یوم گزر گئے اور بیماری زیادہ ہوگئی تو آپ نے فرمایا مجھے دائرہ کی طرف لے چلو۔ درویش اسی روز حضرت کو پالکی میں سوار کر کے روانہ ہوئے اور الونہ کی سرائے میں آکر رات گزاری۔ اس جگہ قدرے اوراد بول ہوا۔ اس پر تمام معتقدین جو ہمراہ تھے نہایت خوش ہوئے اور صدقے دینے لگے۔ اگلے روز صبح کو وہاں سے کوچ کیا۔ حضرت راستے میں ہر جگہ درویشوں سے پوچھتے تھے کہ آیا دائرہ قریب آیا ہے یا نہیں؟ نیز مرزا جعفر علی خان شاہ آبادی کو جو آپ کا راسخ الاعتقاد مرید اور منصب پنج ہزاری پر مقرر تھا بہت یاد فرماتے تھے کہ وہ آیا ہے یا نہیں؟ جب موضع سیونتھ کے قریب پہنچے تو فرمانے لگے اے یارو خدا کی مرضی ظاہر ہو رہی ہے اور بندہ کا ارادہ پورا نہیں ہوتا جو ہونا ہوگا وہ ضرور ہو کر رہے گا۔ گویا آپ نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ تم ہر چند میری تندرستی چاہتے ہو مگر مشیت ایزدی اس کے برخلاف ہے۔ پھر موضع مذکور میں جو فرزندانِ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے تعلق رکھتا تھا شب باش ہوئے۔ وہ حسب مقدور درویشوں کی خدمت بجا لائے۔ اسی رات سیوانہ کے سادات بھی اس جگہ پہنچ گئے اور درویشوں سے کہنے لگے کہ حضرت صاحب کو سیوانہ میں جو آپ کے آباؤ اجداد کا وطن ہے لیجانا چاہیے جب رات کا پچھلا پہر

ہوااور رات کے دو گھنٹے باقی رہ گئے تو آپ کی روح مقدس عالم قدس کی طرف پرواز کرگئی۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) آپ کی عمر شریف اس وقت ۸۵ سال کی تھی۔ دوسرے روز بتاریخ ۵ رمضان ۱۱۳۱ھ پیر کے روز دائرہ شریف کے درویشوں نے آپ کا جنازہ دائرہ میں لیجانا چاہا کیونکہ حضرت صاحب دائرہ کو بہت یاد کرتے تھے اور سادات سیوانہ نے جو آپ کے قریبی تھے آپ کا جنازہ سیوانہ میں لیجانا چاہا مگر حقائق آگاہ شیخ امان اللہ اور دوسرے درویشوں کو یقینی طور سے معلوم تھا کہ حضور کی مرضی کہڑام میں ہے کیونکہ تھانیسر سے رخصت کے وقت فرمایا تھا کہ سیر سے واپس آکر میں تمہارے پاس ہی رہوں گا۔ پھر وہاں سے کہیں نہ جاؤں گا نیز جبکہ حضرت پیر دستگیر اور شاہ صاحب قصبہ کہڑام میں باہم تشریف رکھتے تھے اور سفید باف دونوں صاحبوں کو کھانا کھلانے کے لیے اپنے مکان میں جو اس جگہ واقع تھا جہاں آپ کا مزار ہے لے گیا تو شاہ صاحب نے فرمایا اے میراں! تمہاری طبیعت جہاں چاہے سیر کرو۔ آخرالامر تمہاری جگہ یہی ہے اور انگشت مبارک نے آپ کی تربت کی جگہ کی طرف اشارہ کیا۔ یہ باتیں شیخ امان اللہ اور ان کے رفقاء کے دلوں میں مرکوز تھیں۔ اس لیے وہ چاہتے تھے کہ آپ کا جنازہ کہڑام میں لیجائیں۔ پھر آپ نے سادات سے کہا کہ اس جگہ غسل و تکفین کرلو۔ بعدازاں جو صلاح ہو کرنا، اچانک اسی وقت ایک شخص جسے کوئی نہیں پہچانتا تھا دو تھان سفید کپڑے کے کہ ان جیسے بہت کم نظر آئے ہوں گے لایا اور کہا یہ حضرت کی نیاز ہے ان سے تکفین کریں، پس غسل و تکفین کے بعد نماز جنازہ ادا کی گئی۔ اتنے میں رات آگئی اور شیخ امان اللہ اور شاہ کرم علی اور شاہ سجاول اور شاہ اورنگ وغیرہم رؤسائے ذوی الاقتدار نے سادات سے کہا کہ اب رات کا وقت ہے آرام کرو، کل جو صلاح ہو کرنا۔ اس کے بعد شیخ امان اللہ اور کہڑام کے دیگر باشندوں نے صلاح و مشورہ کے بعد رات ہی رات میں تابوت درست کروا کر آپ کو دفن کردیا اور سو پہرہ دار جا بجا متعین کردیئے۔ اُدھر سیوانہ کے سادات مسلح ہو کر رات ہی رات کو کہڑام میں داخل ہوئے۔ جب دن چڑھا تو کہنے لگے جنازہ سیوانہ میں لیجانا چاہیے۔ شیخ وغیرہ نے کہا، جنازہ مدفون ہو گیا ہے اگر تم میں جرأت ہے تو کھود کر لے جاؤ۔ انہوں نے کہا تم جھوٹ کہتے ہو، جنازہ کو پوشیدہ کر کے ہم

سے ایسی باتیں کہتے ہو۔ الغرض بلند و پست باتوں کے بعد لڑائی شروع ہوگئی اور طرفین کے کئی آدمی زخمی ہوئے۔ مگر چونکہ حضرت پیر دستگیر کی مرضی یہی تھی کہ کہٹرام میں رہیں اس لیے سادات اس واقعہ سے اغماض کر کے چلے گئے اور چند روز کے بعد دائرہ شریف کے درویش بہادر بیگ فوجدار اور دوسرے زمینداروں کو اپنا رفیق بنا کر قریباً دو ہزار شخص مسلح ہو کر اس ارادہ سے آئے کہ حضرت کا تابوت دائرہ شریف میں لے آئیں۔ جب دریائے کادیری کے کنارے پہنچے جو کہٹرام سے چار کوس کے فاصلے پر ہے تو اس قدر بارش اور ژالہ باری ہوئی کہ وہ لوگ خود بخود متفرق ہوگئے۔ اس سے انہیں معلوم ہوگیا کہ حضور کی مرضی یہی ہے کہ کہٹرام میں رہیں۔ مگر یہ کشمکش درمیان رہی عاقبتہ الامر سلالہ خاندان مصطفوی و زبدۂ دوران مرتضوی میر محمد باقر فرزند رشید حضرت شاہ صاحب حضرت پیر دستگیر کے پہلے عرس میں دائرہ شریف کے درویشوں کی ایک جماعت کے ساتھ کہٹرام میں تشریف لائے اور مرکوز خاطر یہ تھا کہ تابوت کو دائرہ شریف میں لے جائیں گے۔ پھر آپ نے معتبر درویشوں کو جمع کر کے فرمایا کہ اللہ کے فضل سے آج بہت سے کاملین جمع ہیں سب بیٹھ کر مراقبہ کریں اور تابوت لے جانے یا نہ لے جانے میں جو اشارہ ہو اس پر عمل کریں اور ان جھگڑوں کو دور کریں۔ چند دن تک برابر درویش مراقبہ کرتے رہے۔ پھر شہزادہ صاحب نے شیخ امان سے پوچھا کہ آپ کو کیا معلوم ہوا ہے؟ انہوں نے عرض کیا، فقیر کو تو یہ حکم ہوا ہے کہ حضرت شاہ صاحب کے فرمان کے مطابق ہماری جگہ یہی ہے خاطر جمع رکھو۔ بعد ازاں انہوں نے فرمایا کہ مجھے فرمایا ہے کہ اے صاحبزادے! تابوت کو یہاں سے لے جانے کا خیال بیجا اور فاسد ہے اس سے محترز رہنا چاہیے۔ جب ان دونوں بزرگوں نے یہ معنی ظاہر کیے تو پھر کسی کو مجال چوں و چرا نہ رہی اور سب نے اتفاق کیا کہ تابوت اس جگہ رہے۔ پھر ایک عالیشان گنبد اور مسجد اور دیگر مکانات تعمیر کیے گئے۔

آثار و تبرکات حضرت میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ

وفات حضرت میراں سید بھیکھ کے باب میں حضور کے جسد خاکی قصبہ گھڑام میں تدفین کے متعلق مفصل حالات درج کئے جا چکے ہیں۔

صاحب ثمرۃ الفواد حضرت سید لطف اللہ شاہ صاحب میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ کے مدفن کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ایک شخص نتھا نامی چوڑی فروش جو کہ گھڑام کا قدیمی رہائشی تھا۔ اس مسجد کے قریب رہتا تھا جس میں حضرت میراں جی رحمۃ اللہ علیہ عبادت و ریاضت کیا کرتے تھے۔ نتھا حضرت شیخ ابو المعالی رحمۃ اللہ علیہ کا مرید تھا۔ حضرت میراں جی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے بہت عرصہ پہلے اس نے اپنے مرشد حضرت سید ابو المعالی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے گھر پر کھانے کی دعوت پر بلایا اور حتی المقدور اپنے گھر کی زیب و آرائش کی جس وقت حضرت سیّد ابو المعالی رحمۃ اللہ علیہ نتھا کے گھر کھانا کھانے کے لئے تشریف لائے تو اس حجرہ سے کافی پہلے جس میں نتھا نے دعوت کا انتظام کیا تھا اپنے نعلین اتار دیے اور نہایت مودبانہ حجرہ میں تشریف فرما ہوئے۔ حاضرین مجلس نے اس احترام کی وجہ پوچھی تو حضور نے فرمایا کہ یہ مقام مدفن میراں سید بھیکھ کا فخر حاصل کرنیوالا ہے اور انگشت مبارک سے اس جگہ کی نشان دہی فرمائی۔ حضرت ابو المعالی رحمۃ اللہ علیہ نے مزید فرمایا کہ میراں سید بھیکھ کا مدفن مرجع خلائق ہوگا۔ دوسرے حضرات کے علاوہ حضرت میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ بھی اس موقع پر موجود تھے۔ حضرت ابو المعالی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ الفاظ زبان زد عام ہو گئے۔

فتح یاب خاں ساکن قصبہ گھڑام جو کہ دربار بادشاہی میں منصبدار تھے انہوں نے حضرت میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر اجازت ہو ایک مکان

آنحضور کی سکونت کے لئے تیار کردیا جائے۔ حضرت میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ نے اجازت دیدی جس پر فتح یاب خاں نے نتھا چوڑی فروش کا مکان خرید کر حویلی تیار کرادی۔ حضرت میراں سید بھیکھ جب کبھی گھڑام تشریف لاتے تو اسی حویلی میں قیام رہتا۔ اور بالآخر وفات کے بعد بھی حضرت ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ کی پیش گوئی کے مطابق یہی حویلی حضرت میراں بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ کا مدفن بنی اور زیارت گاہ خلائق بنی۔

حضرت سید علیم اللہ شاہ فاضل جالندھری اپنی کتاب نزہۃ السالکین میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ کی حیات مبارکہ کے دوران ہی فتح یاب خاں نے قصبہ گھڑام میں چالیس بیگھہ زمین حضرت میراں سید بھیکھ کو نذر کی تھی جس پر حضرت کے وصال کے بعد تعمیرات ہوئیں۔

سچیت کتاب گھر لاہور سے 2005ء میں شائع ہونیوالی پنجابی زبان کی کتاب ''بولدیاں عمارتاں'' کے مطابق مغل بادشاہ کے اہلکار نواب روشن الدولہ نے 24 گاؤں پر مشتمل ایک جاگیر گھڑام قصبہ میں حضرت میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ کی نذر کی۔ اس جاگیر میں ٹھسکہ (دائرہ میراں جیؒ) کی جائدادیں بھی شامل تھیں۔

درگاہ حضرت میراں سید بھیکھ ایکڑوں زمین پر پھیلی ہوئی ہے اور ایک بہت بڑے کمپلیکس پر مشتمل ہے۔ درگاہ شریف کے اردگرد چھوٹی اینٹ کی بنی ہوئی بلند و بالا فصیل ہے۔ بڑا دروازہ جو کسی قلعے کی ڈیوڑھی کی مانند ہے۔ اور نہایت خوبصورت ہے۔ یہ ڈیوڑھی تین منزلہ ہے۔ جس پر ہر منزل میں درشنی برآمدے ہیں۔ ڈیوڑھی کے سامنے حضرت میراں جیؒ کا مقبرہ ہے۔ قبر مبارک زمین سے ساڑھے تین فٹ بلند ہے اور اس کے اردگرد جالی بنی ہوئی ہے۔

مقبرے کے ساتھ مسجد بھی ہے جس کی تعمیر پرانی ہے۔ اس مسجد کے سامنے ایک تالاب اور ایک پرانا کنواں ہے یہ وہی کنواں ہے جس کے قطر میں ایک شہتیر ڈلا ہوا تھا حضرت میراں جی اس شہتیر پر بیٹھ کر یادحق کیا کرتے تھے اور اپنے نفس کو خبردار کر کے کہتے تھے کہ اگر یادحق میں غفلت کی تو کنویں میں گر کر ہلاک ہو جائیگا۔

قبر مبارک حضرت میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ

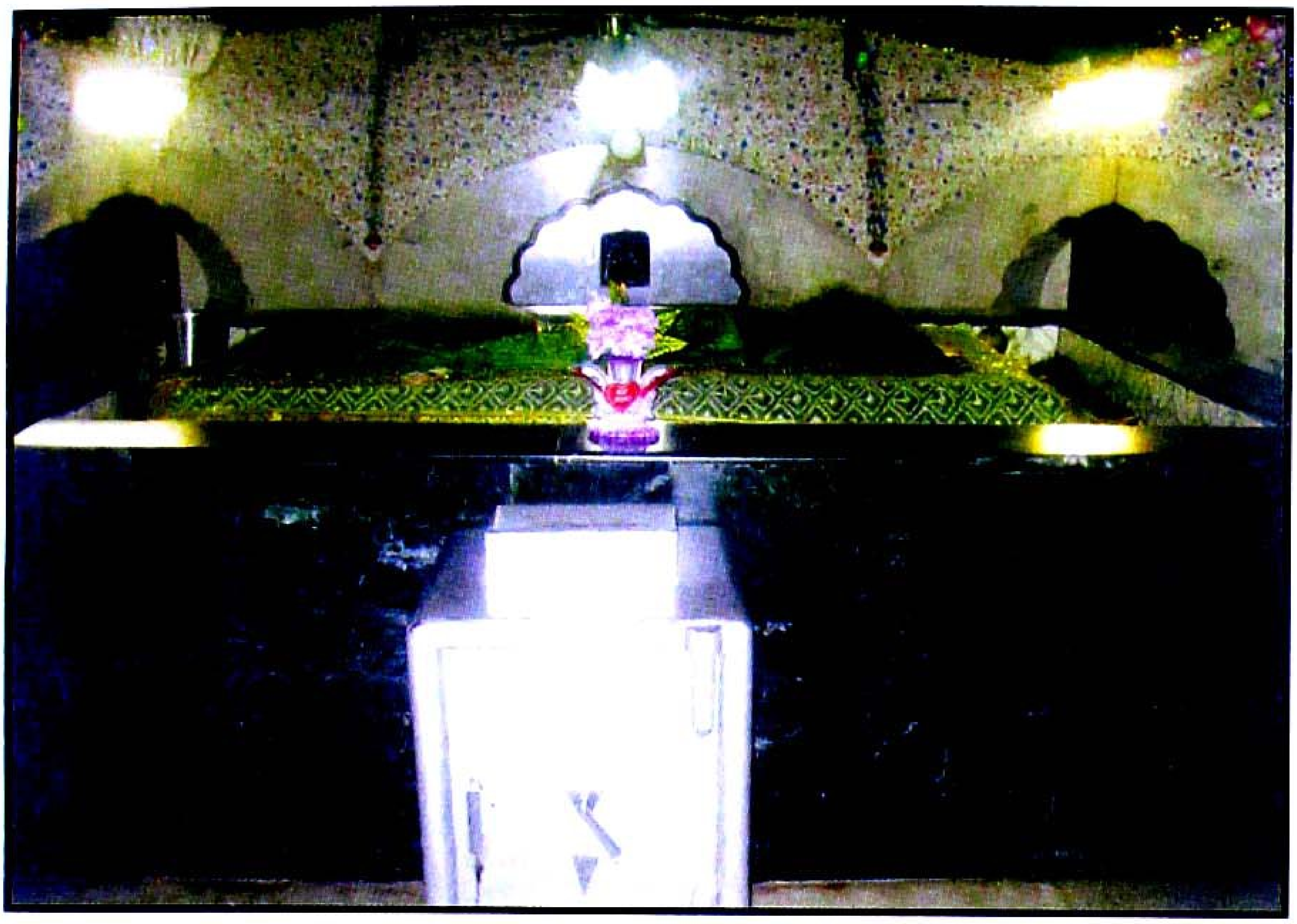

قبر مبارک کا ایک اور منظر

دربار حضرت میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ میں خاتون جاروب کش،
سامنے قبر مبارک نظر آ رہی ہے۔

درگاہ حضرت میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ گھڑام، پٹیالہ، انڈیا کا ایک خوبصورت منظر۔

دربار شریف حضرت میراں بھیکھ کا ایک اور دلکش نظارہ

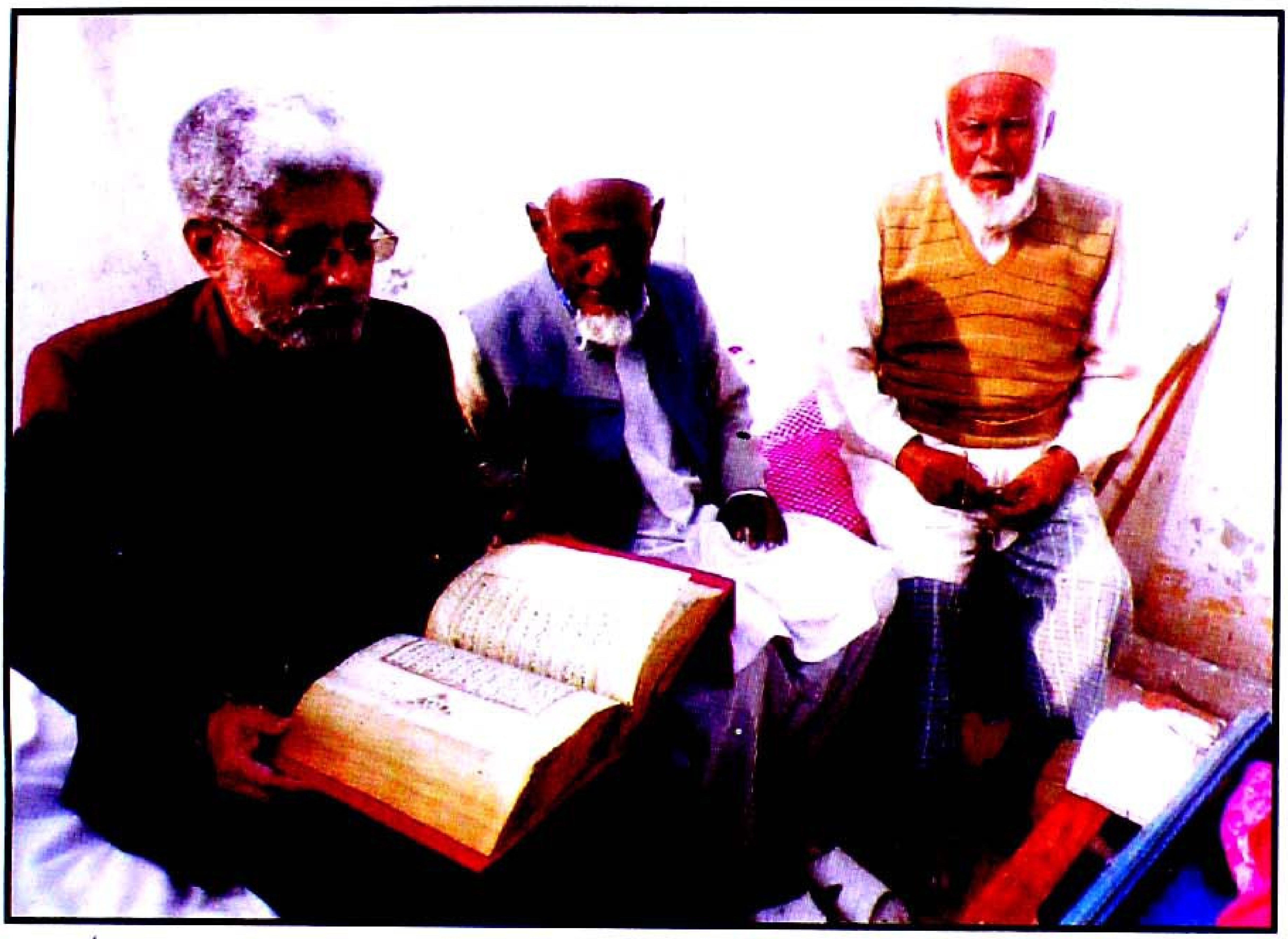

قرآن کریم کا قلمی نسخہ جو راؤ بہادر علی شاہ کو نواب مالیر کوٹلہ نے ہدیہ کیا۔ قرآن کریم کا قلمی نسخہ فاروق الحسن چشتی مؤلف کتاب ہذا نے ہاتھوں میں تھام رکھا ہے۔ ان کے بائیں طرف حضرت خلیفہ محمد یونس صابری صاحب اور ان کے بائیں طرف سجادہ نشین، تبرکات حضرت میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرما ہیں۔

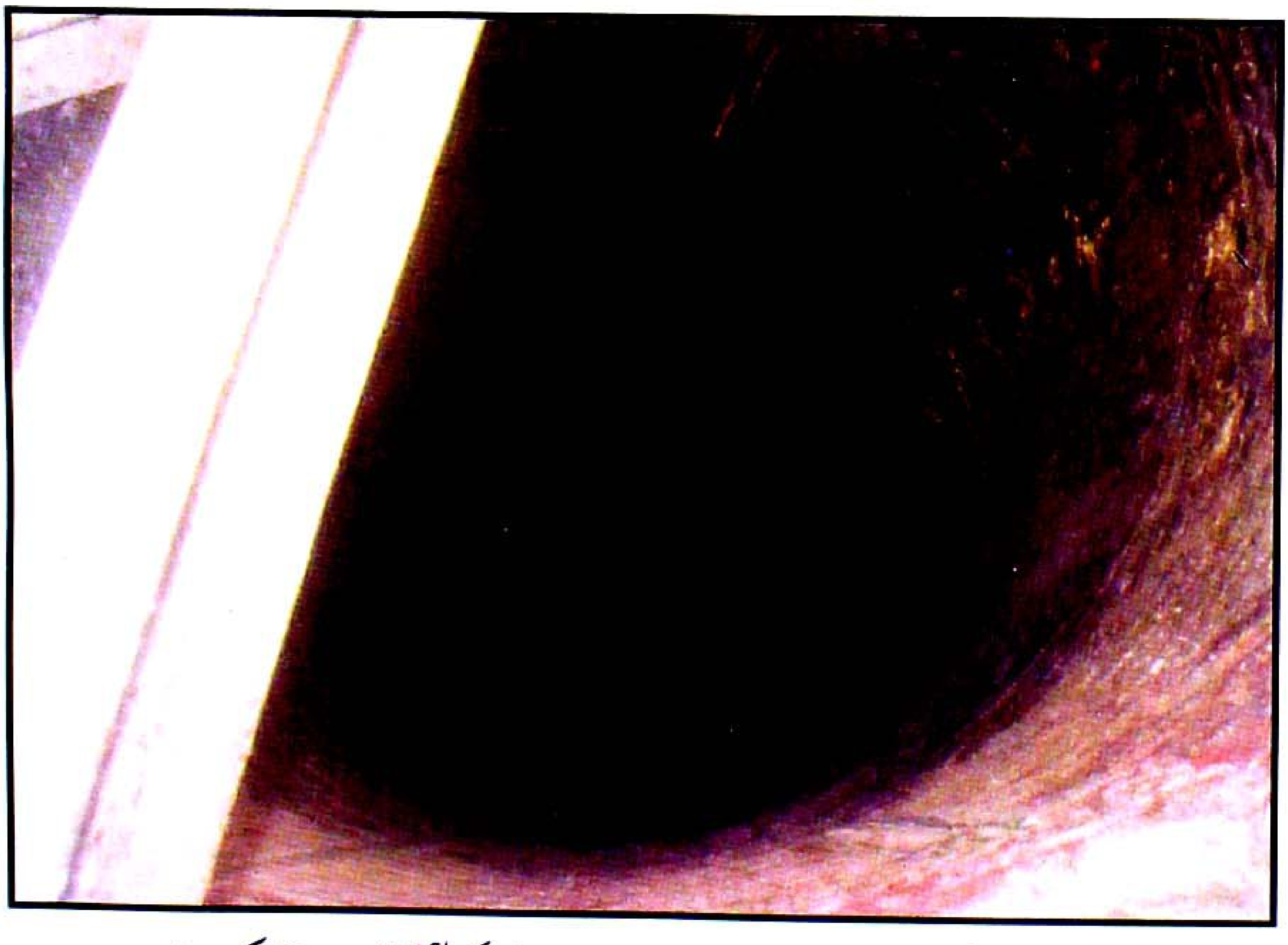

وہ کنواں جس پر بیٹھ کر رات کے وقت حضرت میراں بھیکھؒ مدتوں یادحق کرتے رہے۔

درگاہ حضرت میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ کا مین دروازہ

ٹھسکہ، دائرہ میراں سید بھیکھ میں دربار میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ کا دروازہ، اور مسجد۔

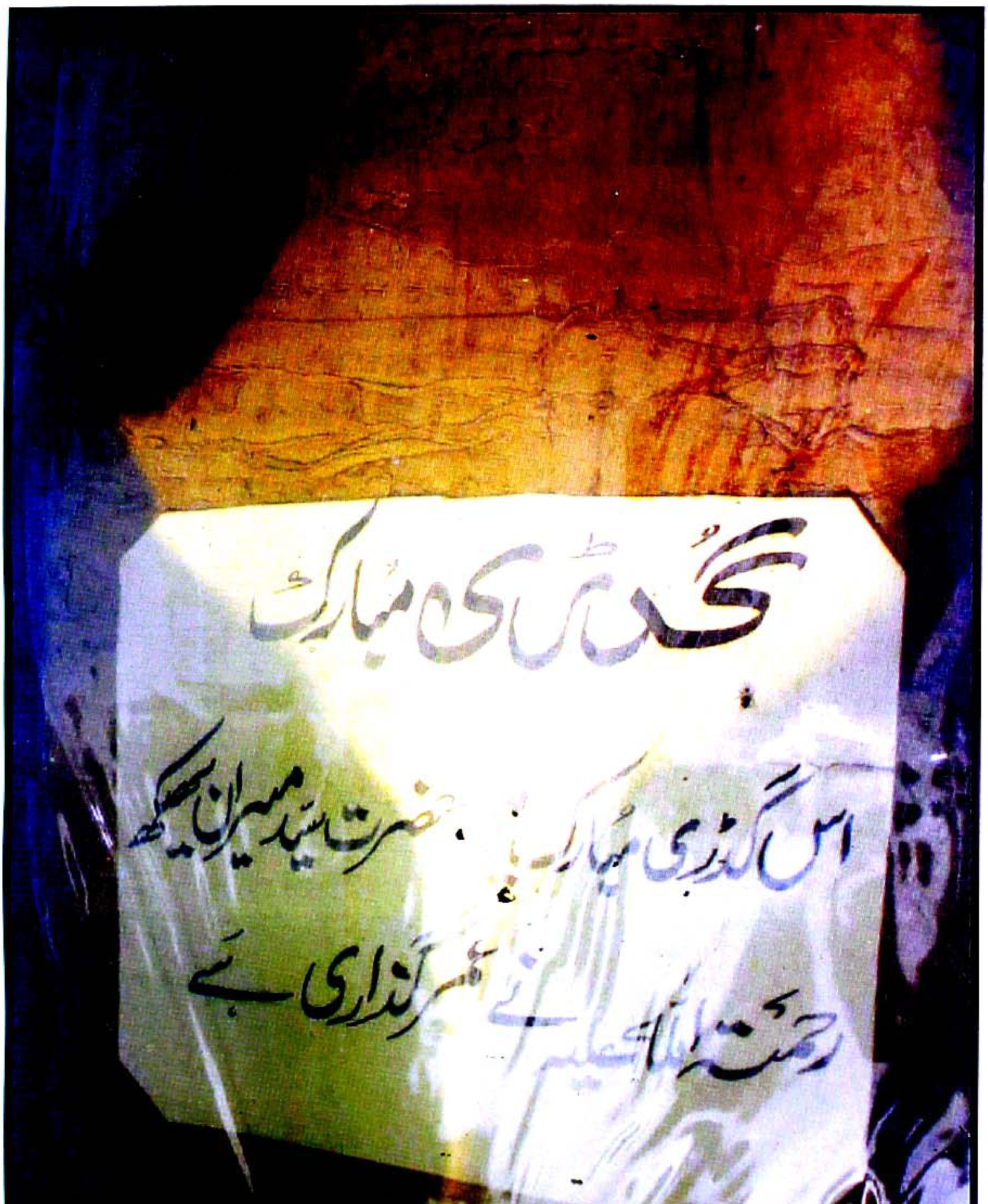

گدڑی مبارک: جس میں حضرت میراں جی رحمۃ اللہ علیہ نے عمر گذاری۔

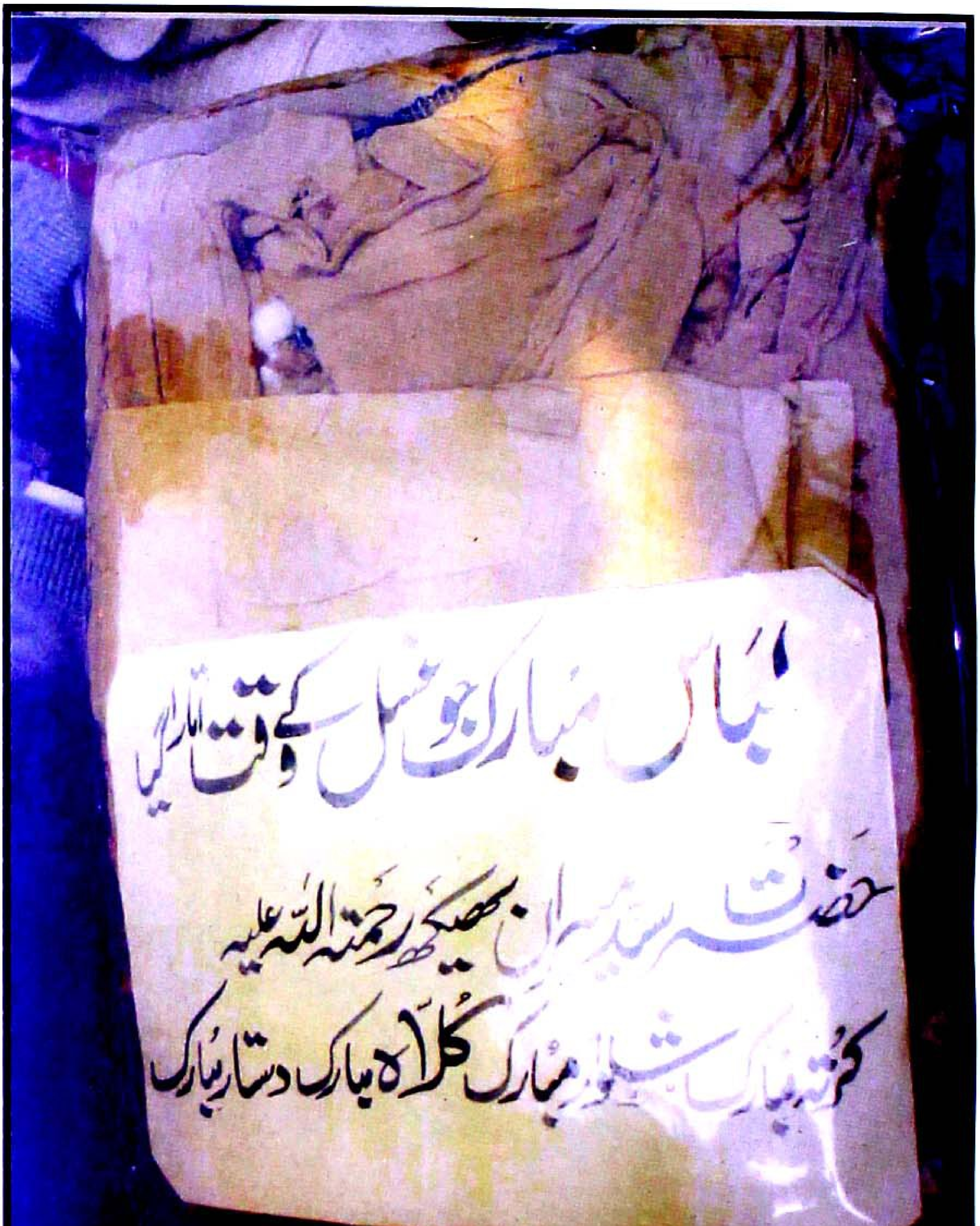

لباس مبارک: جو غسل کے وقت زیب تن تھا۔

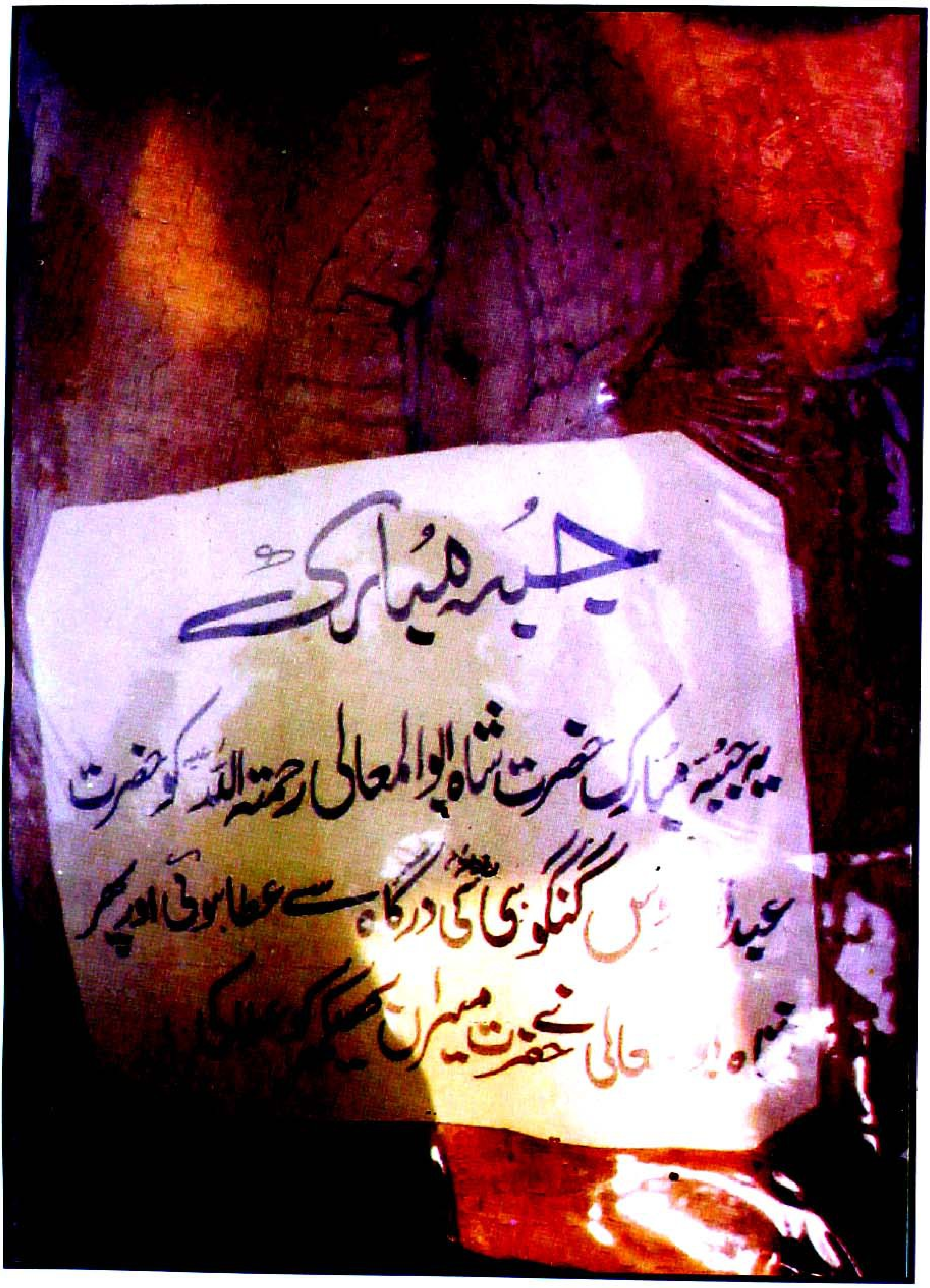

حضرت عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا جبہ مبارک۔

درگاہ حضرت میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ کی تصاویر

میرے چچا حضور میاں خادم حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مرید خاص حاجی احسان صاحب ایک عرصہ سے سعودی عرب میں بسلسلہ کاروبار مقیم ہیں۔ان کے ایک رفیق کار جو بھارت کے رہنے والے ہیں۔ان کو حاجی صاحب نے دسمبر 2010ء میں گھڑام شریف اور ٹھسکہ میراں سید بھیکھؒ بھجوایا جنہوں نے وہاں جا کر دربار شریف کی تصاویر اتار کر پاکستان بھجوائیں۔اس لحاظ سے یہ تصاویر جو شامل اشاعت کی جارہی ہیں، تازہ ترین تصاویر ہیں۔

1- درگاہ حضرت میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ گھڑام، پٹیالہ، انڈیا کا ایک خوبصورت منظر۔
2- دربار شریف حضرت میراں بھیکھؒ کا ایک اور دلکش نظارہ
3- قبر مبارک حضرت میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ
4- قبر مبارک کا ایک اور منظر
5- دربار حضرت میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ میں خاتون جاروب کش، سامنے قبر مبارک نظر آرہی ہے۔
6- وہ کنواں جس پر بیٹھ کر رات کے وقت حضرت میراں بھیکھؒ مدتوں یاد حق کرتے رہے۔
7- درگاہ حضرت میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ کا مین دروازہ
8- ٹھسکہ، دائرہ میراں سید بھیکھ میں دربار میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ کا دروازہ، اور مسجد۔

تبرکات: حضرت میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ

صاحب ثمرۃ الفواد لکھتے ہیں: فرصت کے اوقات میں حضور میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ گلیوں اور بازاروں میں گھوم کر پرانے اور بوسیدہ کپڑے چن لیا کرتے تھے اور انہیں دھو کر گدڑی اور پاجامہ پرسی لیتے تھے۔ایک طویل مدت تک ایک ہی لباس زیب تن رہا اور اس پر پیوند کاری ہوتی رہی۔لباس کا اصل کپڑا تو نظر نہ آتا بس پیوند ہی پیوند نظر آتے۔اسی حالت میں 12 سال ریاضت اور یاد خداوندی میں بسر کر دیئے۔حتیٰ کہ مرشد کریم حضرت ابوالمعالی گھڑام تشریف لائے تو آپ کو اس حالت میں دیکھ کر بہت متعجب ہوئے اور فرمایا میراں جیو! یہ کیا کیفیت ہے؟ جب حضرت کے بدن کی طرف خیال فرمایا تو دیکھا بالکل نحیف ونذار ہو چکے تھے۔فرمانے لگے۔ہر امر میں اس قدر مبالغہ، یہ کیا بات ہے۔حضرت میراں جی رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا اس کا سبب یہ ہے کہ خلق خدا کی نگاہ میں حقیر وفقیر دکھائی دوں۔اس پر مرشد کریم حضرت ابوالمعالی نے فرمایا کہ آپ کی حقیقی شان یہ ہے کہ خلق خدا میں معزز ترین ہیں۔اپنی شان کے مطابق دکھائی دو۔چنانچہ اس وقت آپ نے پاجامہ اور گدڑی اتار کر دوسرا لباس تبدیل کر لیا۔حضرت سید لطف اللہ شاہ کتاب کی تحریر کے وقت 1186ھ تک یہ تبرکات دائرہ شریف (ٹھسکہ) میں حضرت میراں جی رحمۃ اللہ علیہ کے دیگر تبرکات کے ساتھ موجود تھے۔

خلیفہ محمد یونس صابری اپنے رسالہ تذکرہ میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ میں ان تبرکات کے بارے میں لکھتے ہیں تقسیم ہند کے بعد ٹھسکے والے شہر سلطان ضلع مظفر گڑھ آ گئے ماسٹر فیض محمد خاں اور ان کے خاندان کے ساتھ دائرہ شریف کے منشی ممتاز قیص، محمد اسماعیل عرف شملہ آئے یہ لوگ دائرہ شریف سے جو سامان ضروری نظر آیا اور جس کو وہ ساتھ لا سکتے تھے لے آئے۔ان میں دائرہ شریف کے تبرکات بھی تھے۔

تبرکات میں قرآن مجید کا ایک قلمی نسخہ شامل ہے۔جو نواب مالیر کوٹلہ نے حضرت میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ کے دربار دائرہ شریف ٹھسکہ کے سجادہ نشین حضرت راؤ بہادر

علی شاہ کو تحفہ کے طور پر دیا تھا نہایت خوب صورت تحریر بمع فارسی ترجمہ اور حاشیہ میں فارسی تفسیر ہے۔ حضرت عبد القدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا جبہ مبارک جو حضرت ابو المعالی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت میراں جی رحمۃ اللہ علیہ کو تبرکاً عطا فرمایا تھا وہ بھی موجود ہے۔ اس کے علاوہ حضور میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ کی گدڑی جو طویل مدت تک زیب تن فرمائی۔ اور وہ لباس جو وصال کے وقت پہنا ہوا تھا وہ بھی موجود ہے۔ ان تبرکات کی زیارت دائرہ شریف میں بھی عرس کے موقعہ پر اور عید کے دن کرائی جاتی تھی۔ اب ہر سال دس شعبان کو عرس کے موقع پر شہر سلطان میں زیارت کرائی جاتی ہے۔

تصاویر

1- گدڑی مبارک: جس میں حضرت میراں جی رحمۃ اللہ علیہ نے عمر گذاری۔
2- لباس مبارک: جو غسل کے وقت زیب تن تھا۔
3- حضرت عبد القدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا جبہ مبارک۔
4- قرآن کریم کا قلمی نسخہ جو راؤ بہادر علی شاہ کو نواب مالیر کوٹلہ نے ہدیہ کیا۔
5- قرآن کریم کا قلمی نسخہ فاروق الحسن چشتی مؤلف کتاب ہذا نے ہاتھوں میں تھام رکھا ہے۔ ان کے بائیں طرف حضرت خلیفہ محمد یونس صابری صاحب اور ان کے بائیں طرف سجادہ نشین، تبرکات حضرت میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرما ہیں۔

کتاب گیان لہراور میں

راقم کے آباواجداد فاروقی النسب اور حضرت عبدالواحد فاروقی (والد بزرگوار شیخ احمد مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ) کی اولاد سے تھے اور سرہند ہی میں مقیم تھے۔حتی کہ ''ہندوستان'' میں مسلم حکومت کے زوال کے باعث مسلمانوں کا عظیم مذہبی مرکز سرہند جسے ''دارالارشاد'' کا درجہ حاصل تھا سکھوں کے ہاتھوں تباہ و برباد ہوگیا۔سکھوں نے ۱۷۱۰ءتا ۱۷۶۴ء میں اس پر چار مرتبہ اتنے شدید حملے کئے کہ اسے نہ صرف مکمل طور تباہ کر دیا بلکہ وہاں سے آبادی کا نام ونشان تک مٹا دیا۔ان ہنگاموں میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی اولاد امجاد (اور یقیناً دوسرے نقشبندی حضرات بھی) کو جہاں پناہ ملی چلے گئے۔ان حضرات کے اس طرح منتشر ہونے اور پریشان کن زندگی کی اندوہناک جھلکیاں حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں شہید (۱۱۹۵ھ۔۱۷۸۰ء) کے مکتوبات میں بہت واضح طور پر ملتی ہیں۔احمد شاہ درانی ہندوستان سے واپس جاتے ہوئے حضرت مجدد کی اولاد سے بعض کو اپنے ہمراہ افغانستان لے گیا۔آج تک حضرت کی جتنی اولاد افغانستان میں آباد ہے وہ انہی حضرات کی اولاد سے ہے۔افغانستان کے علاوہ ماوراالنہر،عربستان مذکورہ عہد کے ترکستان اور ہندوستان کی دور دراز ریاستوں میں یہ حضرات آباد ہوگئے۔

(مقدمہ انساب الانجاب۔از پروفیسر اقبال مجددی)

القصہ درج بالا نامساعد حالات کے باعث حضرت خواجہ عبدالاحد کی چھٹی پشت میں سے حضرت میاں ولی محمد صاحب سرہند سے نقل مکانی کر کے جالندھر آ گئے۔افغانان جالندھر میں سے علی آک خاں سے حضرت ولی محمد صاحب کی نہ صرف دوستی تھی بلکہ کاروباری مراسم بھی تھے۔دونوں حضرات کو اعلیٰ نسل کے گھوڑے رکھنے کا شوق تھا۔جالندھر نقل مکانی

کے بعد حضرت میاں ولی محمد صاحب نے بستی شیخ درویش میں سکونت اختیار کر لی۔ اسی جگہ حضرت میاں ولی محمد کو اللہ تعالیٰ نے ایک فرزند عطا کیا جس کا نام محمد جمال رکھا گیا۔

(راقم الحروف انہی کی آٹھویں پشت میں سے ہے) حضرت بابا محمد جمال بچپن ہی سے غیر معمولی عادات وصفات کے مالک تھے۔ ہم عمر ساتھیوں کے ساتھ کھیل کود میں ذرا بھی دلچسپی نہ تھی۔ کبھی کسی ہم عمر لڑکے سے میل جول یا دنگا فساد نہ کیا۔ بلکہ تنہائی پسند تھے۔ بچپن کی عادات اور لہو ولعب جیسا کہ عام لڑکوں کا وطیرہ ہوتا ہے۔ حضرت بابا اس سے کوسوں دور تھے۔ چھ سات برس کی عمر میں قرآنِ کریم پڑھنا شروع کیا تو دس سال کی عمر میں صحیفہ اقدس کی تعلیم سے فارغ ہو گئے۔ جب حصولِ علم ظاہری سے فارغ ہوئے تو شریعت مطہرہ اور مسائل دینیہ سے پوری واقفیت رکھتے تھے۔ یہ آپ کا عہد شباب تھا۔ صوم و صلوۃ کے بچپن ہی سے پابند تھے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت بابا جی کو ہر قسم کی غیر ضروری دنیوی کشش اور دیگر دلچسپیوں سے محفوظ رکھا۔

آپ ہمیشہ فقراء اور درویشوں کی صحبت ومجلس سے بہت محظوظ ہوتے تھے۔ یہی زمانہ تھا جب آپ کسی مرشد کامل کی تلاش میں مگن ہو گئے۔ جہاں کہیں کسی بزرگ کا نام سنتے ان کی خدمت میں حاضر ہو جاتے۔ چنانچہ اسی سلسلے میں بستی دانشمنداں کے مشہور بزرگ حضرت عبدالغفور صاحب جو کہ خدا رسیدہ تھے ان کی خدمت میں کئی برس تک حاضری دیتے رہے۔ اس کے بعد حضرت سید شاہ لطف اللہ صاحب عرف شہزادہ صاحب جو کہ حضرت میراں سید بھیکھ رحمتہ اللہ علیہ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ ان کی خدمت میں بہت عرصہ تک حاضر ہوتے رہے (حضرت سید لطف اللہ شاہ صاحب مولف کتاب ثمرۃ الفواد جو کہ حضرت میراں سید بھیکھ رحمتہ اللہ علیہ کے حالات وملفوظات پر مشتمل ہے) اور کسب فیض کرتے رہے۔ چونکہ طبیعت میں جوش وولولہ بہت زیادہ تھا۔ اس لئے کسی جگہ سے طبیعت سیر نہ ہوتی تھی۔ آخر حضرت سید لطف اللہ شاہ صاحب نے فرمایا کہ آپ کا نصیبہ تو ضرور خاندانِ چشتیہ میں ہے۔ مگر آپ کا اس سلسلہ میں شیخِ وقت حضرت شاہ علیم اللہ صاحب کی خدمت میں

حاضر ہونا ضروری ہے کیونکہ آپ کا حصہ بھی اسی جگہ ہے۔ حسب الحکم حضرت بابا محمد جمال حضرت سید علیم اللہ صاحب کی درگاہِ اقدس میں حاضر ہوئے تو کثرتِ شوق سے آپ پر بے ہوشی طاری ہوگئی۔ اور برابر تین دن رات اسی عالم میں اپنے آپ سے بے خبر رہے۔ چوتھی رات حضرت قطب الاقطاب میراں سید بھیکھ رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت سید علیم اللہ شاہ صاحب کو فرمایا کہ تین دن سے فرزند محمد جمال تمہاری ملاقات کو آیا ہوا ہے۔ استغراقِ شوق میں خود سے بے خبر ہے۔ پسِ چند روز اسے اپنی خدمت میں رکھ کر اس کے مقصد کو پورا کرنا چاہئے۔ جب صبح ہوئی تو حضرت شیخ الشیوخ سید علیم اللہ شاہ صاحب نے آ کر حضرت بابا کا ہاتھ پکڑا۔ تو اس وقت آپ عالم ہوش میں آ گئے اور خدمت عالیہ میں نہایت مودبانہ عرض کی کہ اس فقیر کو حضرت شاہ لطف اللہ نے فرمایا ہے کہ تیرا نصیب آپ کے پاس ہے پس آپ اس عقدہ کو حل فرما دیں۔ یہ سن کر حضرت سید فاضل علیم اللہ شاہ صاحب نے فرمایا بیٹا! جب تم فقیری اختیار کرنا ہی چاہتے ہو تو تم کو مجاہدہ و ریاضت سے دیرینہ زنگ اپنے دل سے دور کرنا چاہئے۔ حضرت بابا جی نے اس حکم کی پوری طرح تعمیل کی۔ حضرت سید علیم اللہ شاہ فاضل بہشتی جالندھری جو کہ حضرت میراں سید بھیکھ رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔ ان کی خدمت میں رہ کر سب منازل سلوک طے کیں اور آخر کار خرقہ خلافت سے سرفراز ہوئے۔

چنانچہ سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ بھیکھیہ کی خلافت کی یہ نعمت عظمیٰ آج تک میرے خاندان میں نسل در نسل چلی آ رہی ہے۔ اور آج کل اس بارِ عظیم کی ذمہ داری اس عاجز کے کندھوں پر ہے۔ میراں سید بھیکھ رحمتہ اللہ علیہ سے روحانی نسبت جہاں میرے آباؤ اجداد کیلئے سرمایہ آخرت تھی۔ وہیں حضرت کے عارفانہ کلام سے عقیدت و محبت بھی ایک فطری امر تھا۔ اٹھارہویں صدی عیسوی کے وسط سے ہی میرے آباؤ اجداد میراں سید بھیکھ کے کلام کو حرزِ جان بنائے رہے۔ ان کی محفلوں میں اکثر میراں سید بھیکھ کے ڈوہڑے، سی حرفیاں اور دوسرا کلام پڑھا جاتا تھا۔

برصغیر پاک و ہند کی تقسیم کے موقع پر جب میرے دادا حضرت حافظ محمد حنیف شاہ نے جالندھر سے پاکستان کے لیے ہجرت اختیار کی تو سوائے حضرت میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کے قلمی نسخے کے اور کوئی ساز و سامان نہ اُٹھایا۔

۱۹۴۷ء میں دوران ہجرت جالندھر چھاؤنی میں مہاجرین کے کیمپ میں ہی حضرت دادا جان مختصر سی علالت کے بعد اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ کبھی کبھی مجھے خیال آتا ہے کہ حافظ صاحب اوّل تو اپنے اسلاف کے مزارات و آثار چھوڑ کر پاکستان آنے پر تیار ہی نہ ہوتے تھے مگر بستی شیخ درویش کے افغاناں جن کے ساتھ رشتہ محبت ابھی تک برقرار تھا ان کے زور دینے پر ہجرت کے لیے تیار تو ہو گئے مگر اپنے آباؤ اجداد کی سرزمین چھوڑنے سے پہلے ہی ان کی ارواح مقدسات سے جا واصل ہوئے۔ زندگی بھر تو وفا نبھائی ہی تھی مر کر بھی انہی کی سرزمین میں دفن ہو گئے۔

بآں گروہ کہ از ساغرِ وفا مستند

سلامِ ما برسانید ہر کجا ہستند

ترجمہ: ''ان پاکبازوں کے گروہ کو جو کہ وفا کے ساغر لنڈھا کر سرمست ہیں، وہ جہاں کہیں بھی ہیں ہمارا سلام پہنچا دیجئے۔''

راقم کے والد بزرگوار حضرت علی محمد شاہ چشتی قیام پاکستان سے دو سال قبل جبکہ میں ابھی بہت چھوٹا تھا، وفات پا گئے تھے۔ اس لیے قیام پاکستان کے بعد میری بڑی ہمشیرہ، میری اور میرے چھوٹے بھائی کی پرورش کی ذمہ داری میرے چچا حضرت پیرزادہ خادم حسین شاہ صاحب کے کندھوں پر آن پڑی۔ چونکہ دادا بزرگوار کے بعد سلسلہ بیعت و ارشاد بھی حضور چچا میاں کی ذمہ داری تھی۔ لہٰذا ان کی محافل طریقت میں میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ کا کلام پڑھا جاتا تھا۔ اس طرح مجھے صغیر سنی سے ہی اس کلام پاک سے شناسائی ضرور تھی۔

انیس سو ساٹھ کی دہائی کے اوّلین سالوں میں جبکہ راقم ابھی ہیلی کالج آف کامرس میں بی کام آنرز کا طالب تھا۔ موسم گرما کی چھٹیوں میں چچا حضور کے حکم پر میں نے میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ کے پورے کلام یعنی گیان لہر، گیان پرکاش اور سی حرفیاں کا قلمی نسخہ تیار کرڈالا۔ اتفاق سے میری اُردو رسم الخط میں لکھائی قدرے بہتر تھی۔ اسی دوران حضرت میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت سید علیم اللہ شاہ صاحب جالندھری کی تصوف پر کتاب نزہت السالکین کے اُردو ترجمہ کا قلمی نسخہ بھی تیار کرلیا۔ چنانچہ میری تعلیم کے دوران ہی کلام میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ سے میرا براہِ راست رابطہ ہوا۔ اگرچہ فہم کلام کی منزل ابھی بھی کوسوں دور تھی۔

تعلیم مکمل کر کے میں نے نیشنل بینک آف پاکستان کی ملازمت اختیار کرلی۔ بڑی آپا کی شادی ہماری تعلیم کے دوران ہی ہوگئی تھی، چھوٹے بھائی نے پاکستان ایئرفورس جوائن کرلی۔ چچا حضور ہماری تعلیم کے دوران ہی فیصل آباد شفٹ ہوگئے اور اس طرح چچا حضور کی سرپرستی اور دعائیں میرے ساتھ ضرور شامل حال رہیں۔

دوران ملازمت جب کبھی چچا جان سے ملنے فیصل آباد جاتا اور کلام میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بات ہوتی تو آپ فرماتے بیٹا اس بارے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں جب موقع آئے گا حضرت میراں جی کی توجہ اور بزرگان کی دعا سے یہ کام ہو جائے گا۔ فروری ۲۰۰۴ء میں جبکہ میری ریٹائرمنٹ میں چند دن باقی تھے۔ چچا حضور کا اچانک انتقال ہوگیا۔ پھر کیا تھا میرے لیے دنیا اندھیر ہوگئی۔ کچھ ہی دنوں میں ریٹائرمنٹ ہوگئی اور بندہ کے سر پر سلسلہ عالیہ کی ترویج و دیکھ بھال کی پوری ذمہ داری آن پڑی۔

حضور چچا جان کے وصال سے کچھ عرصہ پہلے ایک دفعہ عرس کے موقع پر میں نے اصرار کیا کہ مجھے اجازت دی جائے کہ میں میراں جی سرکار کے کلام کے فوٹو کاپی نسخے تیار کرا کے ان کی اشاعت کی کوشش کروں۔ کچھ ردّوکد کے بعد بالآخر حضرت نے مجھے اس

کی اجازت دے دی۔ حضرت کے وصال کے بعد میں نے اس کلام کی چند کاپیاں کرائیں اور ہر اس شخص کے پاس پہنچائیں جس کے بارے میں مجھے پتہ چلا کہ وہ ہندی زبان سے کچھ واقفیت رکھتا ہے۔ ایک پروفیسر صاحب جو کہ اردو زبان کے بہت بڑے عالم اور چند کتابوں کے مصنف بھی تھے، انہوں نے تو تقریباً ڈیڑھ سال نسخہ اپنے پاس رکھا مگر پھر عدیم الفرصتی کا بہانہ بنا کر معذرت کر لی اور میں نے بھی اُمید کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔

چند سال پہلے فیصل آباد میں ۱۶ رر جب المرجب کو میرے پڑدادا حضرت میاں غلام بھیکھ شاہ کے عرس کے موقع پر مجھے ایک دوست نے اطلاع دی کہ ملتان میں ایک چشتی صابری بزرگ حضرت خلیفہ یونس صابری صاحب میراں جی سرکارؒ کا کلام خوب جانتے ہیں اور اس علاقے سے تعلق کی بنیاد پر انہیں حضرت میراں جی کے کلام پر عبور ہے۔

یہ سننا تھا مجھے اپنی منزل گویا قریب آتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اسی وقت حضرت خلیفہ صاحب سے فون پر بات ہوئی۔ حضرت نے ملاقات کا وعدہ فرمایا اور میری ملتان واپسی پر حسب وعدہ اس عاجز کے غریب خانہ پر تشریف بھی لائے۔ اس کے بعد ملاقاتوں کا سلسلہ جاری ہو گیا اور اب تک جاری ہے۔ حضرت یونس صابری نے پیشتر ازیں حضرت میراں جی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''مورکھ سمجھاؤنی'' کا ترجمہ کر کے چھپوایا تھا۔ میری ملاقات کے بعد ''سی حرفیوں'' کا ترجمہ کر کے بھی چھپوایا۔ میری مزید درخواست تھی کہ حضرت خلیفہ صاحب ''گیان لہر'' اور ''گیان پرکاش'' کا ترجمہ بھی کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے گیان لہر کا ترجمہ شروع بھی کر دیا مگر کچھ مصروفیات اور کمزوریٔ صحت کی بناء پر یہ کام بہت سست رفتاری سے اب بھی جاری ہے۔

اسی دوران میں نے اللہ کا نام لے کر خود ہی گیان لہر کو پڑھنا شروع کر دیا۔ آہستہ آہستہ کلام سمجھ میں آنا شروع ہو گیا۔ شروع شروع میں خاصی دقت پیش آئی مگر میں نہایت محنت اور توجہ سے اس کام میں لگا رہا اور ساتھ ہی ساتھ روحِ حضرت میراں جی رحمۃ اللہ علیہ سے توجہ کا بھی طالب رہا۔ بسا اوقات تو ایسا ہوا کہ ایک مصرعہ پر آن کر رک گیا اور کئی

کئی دن سمجھنے کی کوشش کرتا رہا۔ بالآخر اچانک ذہن کھل جاتا اور مطلب واضح ہو جاتا۔ یہ کام اسی طرح جاری رہا اور تقریباً ڈیڑھ سال کی محنت شاقہ کے بعد ''گیان لہر'' کا ترجمہ اور شرح مکمل ہوگئی۔

کتاب گیان لہر:

گیان لہر پوری کی پوری کتاب ہندی زبان میں ہے۔ گیان ہندی زبان کا لفظ ہے جس کے بہت سارے معانی ہیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں: عقل، سمجھ، تمیز، علم، فہم، دانش، آ گہی، علم تصوف، علم حقیقی، علم معرفت وغیرہ۔

یہاں پر گیان لہر کا مطلب ہوگا ''علم معرفت کی لہر'' اور علم معرفت سے مراد معرفت حق کا علم ہے اور علم حقیقت چونکہ نور ہے اس لیے اس کتاب کا عنوان ہوگا ''نورِ معرفت کی لہر''

علم تصوف کی پوری کی پوری بنیاد ''معرفتِ حق تعالیٰ'' پر ہی قائم ہے۔ اب معرفت حق کیا ہے اس کے متعلق اہل حق نے اپنے اپنے روحانی تجربے کے پیش نظر تعریف بیان کی ہے۔ کتاب اللمع باب ۱۶، معرفت اور عارف کی تعریف میں صوفیاء کے اقوال میں حضرت احمد بن عطاؒ فرماتے ہیں معرفت کی دو قسمیں ہیں: (۱) معرفتِ حق (۲) معرفتِ حقیقت۔

(۱) معرفت حق یہ ہے کہ بندہ اس کی وحدانیت کو اس طرح معلوم کر لے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس وحدانیت کو مخلوق کے سامنے پیش کیا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کے نام اور صفات کے ذریعہ۔

(۲) معرفت حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی حقیقت تک پہنچنے کی کوئی صورت ہی نہیں کیونکہ وہ تو (اپنی ذات میں) بے نیاز ہے اور اس کی بے نیازی اس کی حقیقت کو دریافت کرنے سے مانع ہے۔ مگر اس کی ربوبیت (ظہور اسماء وصفات کے ذریعے) ثابت شدہ امر ہے۔ لہٰذا اس کی معرفت ممکن ہے۔

ابونصر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ابن عطاؒ کا یہ کہنا کہ اس تک کوئی راہ نہیں پا سکتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی حقیقی معرفت تک کسی کو رسائی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی صفات و اسماء میں صرف اسی قدر مخلوق پر ظاہر کرتا ہے جس قدر اللہ کے علم میں مخلوق اس کو برداشت کرنے کی صلاحیت اور استعداد رکھتی ہے۔ اس لیے کہ مخلوق کو اللہ کی حقیقی معرفت حاصل کرنے کی طاقت ہی نہیں بلکہ مخلوق تو اس معرفت میں سے ذرہ بھر کی بھی متحمل نہیں ہو سکتی۔

جب اللہ کی (ذاتی) عظمت و دبدبے کا ابتدائی ذرہ اس کے سامنے ظاہر ہوتا ہے تو تمام کائنات لاشئی ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ قول ہے اللہ (ذات) کو اللہ (ذات) کے سوا کسی نے نہیں پہچانا۔ لہٰذا معرفتِ حق بقدر استعدادِ قبول تجلیات صفات و اسماء حق ہی ممکن ہے۔

حضور میراں سید بھیکھ۔ گیان لہر کے بند نمبر۲ میں فرماتے ہیں:

مالی گت کچھ کہی نہ جاوے
کہت سُرت کی سُدھ بوراوے
یہ گت بھیکھ کہاں پچھانے
سو جانے جو آپ نہ جانے
مالی بھیدا پار ہے پہنچی سُرت نہ تاہ
بُہتے سُرتا پچ رہے لیہو نہ کاہو راہ

ترجمہ: ''اس مالی (باغِ کائنات کے خالق) کی حقیقت کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اس کی حقیقت تو کہنے سننے کا ہوش ہی بھلا دیتی ہے۔ (وحدت سے کثرت کے صدور کی شان) بھیکھ کہاں سمجھ سکتے ہیں۔ اس حقیقت کو جو جان لے وہ تو اپنی ہی خودی کھو دے گا۔ اس مالی کے راز بے پایاں اور بے کنار ہیں، عقل ان کی تہہ تک نہیں پہنچ سکتی۔ بے شمار عقل والے اس کی حقیقت پانے کی سر توڑ کوشش کر کے تھک ہار گئے مگر اس کی حقیقت کی راہ تک نہ مل سکی۔''

برصغیر پاک و ہند میں سلسلہ عالیہ چشتیہ سے متعلق اولیائے عظام نظریۂ وحدت

الوجود کے قائل رہے ہیں اور حضرت میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ کا تمام صوفیانہ کلام، وحدت الوجود کا بہت گہرا رنگ لیے ہوئے ہے۔ چنانچہ حضرت کی زیرِ نظر کتاب ''گیان لہر'' کا ایک ایک بند مراتبِ وجود کے مختلف رنگوں اور ظہور ہی کا بیان ہے۔ رحمان و رحیم کی ربوبیت نے ایک مالی کی طرح اس باغِ کائنات کو نہ صرف وجود بخشا ہے بلکہ اس کی آبیاری (ربوبیت) بھی کر رہی ہے۔ گلشن کائنات کی تخلیق کی غایت اولیٰ ''معرفتِ رب'' ہے بموجب حدیث قدسی کے:

''كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ''

''میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا میں نے پسند کیا کہ میں جانا جاؤں۔ پس میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔''

اس غایت اولیٰ کے حصول اور اس کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک طرف آدم اور اس کی ذرّیت کی جبلت میں اپنے اسماء وصفات کا علم رکھ دیا تو دوسری طرف اس باغِ عالم میں سلسلہ نبوت و رسالت کی عالیشان بیلیں لگائیں جنہوں نے معرفتِ کردگار کے راستے کی عملی اور نظری تعلیم دی۔ اصحاب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ گلشن انسانی کے سدابہار پھول ہیں وہ چاہے رنگ وخوشبو میں مختلف ہوں مگر ان کی جڑ ایک ہی ہے، وہ ایک ہی سرچشمے سے فیض یافتہ ہیں۔ ہدایت وراہنمائی کے یہ بلند و بالا مینار تا قیامت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر مبنی تعلیمات کے ذریعے گلشنِ انسانیت کی تہذیب و تحسین کا کام کرتے رہیں گے۔

وحدتِ حق سے جب کثرت کا ظہور ہوا تو کائنات میں صفات واسمائے حق کی تجلیات نے بے حد وحساب رنگہائے ظہور بکھیر دیئے اور اپنی ذات بیکراں کو شدت تجلیات ظہور میں چھپالیا۔ عالم وجود یعنی عالم امر اور عالم شہادہ کیا ہیں۔ بس تجلیات اسماء وصفاتِ حق کی جلوہ گری ہیں۔ عالم شہادہ جس میں ہم موجود ہیں اس گلشن ظہور کے سب بیل بوٹے، پھل پھول اور پتے جو ہمیں حقیقی محسوس ہو رہے ہیں صرف صفاتِ حق کی تجلیات ہیں۔ یہ اپنے وجود کی بھیک اس واجب الوجود سے لے رہے ہیں جس کی ذات اِن مظاہر میں چھپی

ہوئی ہے اور وہی ذات بطون ہے ان تمام ظواہر کا۔ ہم ظواہر موجودات کو حقیقت سمجھ کر ان کی معنویت اور حقیقت سے غافل ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ سالکانِ راہِ طریقت کا کام یہ ہے کہ کثرتِ ظہور میں گم ہو کر حقیقت و معنی ظہور سے غافل نہ ہو جائیں۔

یہی اصل معرفتِ حق ہے اور یہی مرکزی مضمون ہے۔ گیان لہر کا سالکانِ طریقت، کاملین طریقت کی راہنمائی میں جوں جوں معرفت حق سے سرفراز ہوتے جاتے ہیں۔ کائنات (ظہور) کی حقیقت ان پر واضح ہوتی چلی جاتی ہے۔ پھر ماسوائے حق کو اصل اور حقیقت سمجھنے کا وہم اور فریب سالک کے دل سے نکل جاتا ہے۔

گیان لہر جیوں جیوں جی آوے
بھرم بیل ڈھونڈے نہیں پاوے
گیان لہر رس کو جو پیوے
سکھ مَن رہے سدا اوہ جیوے

ترجمہ: ''نورِ معرفت حق جیسے جیسے باطن میں سماتا چلا جاتا ہے (موجودات جس میں کھو کر انسان اپنے رب سے غافل ہو جاتا ہے) موجودات کو حقیقت سمجھنے کا انسانی فکری دھوکہ اور فریب ایسے ختم ہو جاتا ہے کہ پھر ڈھونڈے سے نہیں ملتا۔

شرابِ معرفت حق کو جو کوئی پی لیتا ہے وہ قلب مطمئنہ کا مالک بن جاتا ہے اور (اپنی ذات سے فانی ہو کر) معیتِ حق سے سدا زندہ ہو جاتا ہے۔

گیان لہر اسی انداز میں مراتبِ وجود کے ظہور کے مختلف رنگ اور شیڈ کے نہایت لطیف پیرائے میں بیان کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔

دیرینہ آرزو کی تکمیل:

گیان لہر کے ترجمہ اور شرح کی تکمیل سے الحمد للہ، میری ایک دیرینہ آرزو بارآور ہوئی۔ یہ منزل مجھے یقیناً حضرت میراں بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ کی توجہات کریمہ سے اللہ پاک

نے عطا کی۔ مزید خواہش یہ ہے کہ آئندہ گیان پرکاش، مورکھ سمجھاؤنی اور سی حرفیوں کا مبسوط ترجمہ اور شرح بھی پیش کرسکوں۔ ان شاء اللہ

میں نے ہندی زبان کی باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی مگر پھر بھی اپنی طرف سے پوری کوشش کی ہے کہ مرادِ کلام تک پہنچ جاؤں۔ یہ امکان پھر بھی اپنی جگہ موجود ہے کہ کہیں اپنی ناسمجھی کی وجہ سے کلام کے ترجمہ میں کوئی کمی یا غلطی رہ گئی ہو۔

قارئین کرام سے میری گزارش ہوگی کہ اگر کہیں کوئی ایسی خامی دیکھیں تو راقم کو مطلع فرمائیں تاکہ اگلے ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہوسکے۔

حضرت میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ کا کلام چونکہ ہندی میں ہے اس لیے قیام پاکستان کے بعد ان علاقوں میں اس زبان کو سمجھنے والے لوگ عنقاء ہو گئے اور میراں جی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام بھی ناپید ہوتا جارہا ہے۔ بدیں وجہ ایک عرصہ سے میری خواہش تھی کہ اس کلام میں چھپے معرفتِ حق کے خزانے کو عام کیا جائے۔ جب حضرت خلیفہ یونس صابری صاحب سے ملاقات ہوئی تو یہ جان کر ازحد خوشی ہوئی کہ وہ بھی اسی خواہش کی تکمیل میں کوشاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں میں برکت عطا کرے اور انہیں اس کام کے لیے تادیر سلامت رکھے۔ (آمین)

میں اپنی اس ناتواں کوشش کو حضرت میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں پیش کرتے ہوئے اُمیدوار ہوں کہ یہ کوشش شرف قبول پائے گی اور ان کی روحانی سرپرستی میں اس منزل کے حصول میں میرا سفر جاری رہے گا۔ ان شاء اللہ

راجن راج کرو اِک نیائین
تم سا اور نہ موہ گسائیں
بھیڑ پڑے کہو کسے پکارے
بن ٹھاکر کہو کسے ہنکارے

اب موہ بھیڑ پڑی ہے بھاری
کیوں نا لیجے سُرت ہماری
بھرم بھیڑ سے موہ بچاؤ
آدمول کا مرم بتاؤ
مرم کہو سکھ میں نت سوؤں
بھرم کرم دبدھا کے کھوؤں
مالی بھرم مٹائیے سُن دِین کے سیکھ
جسے نہ در ہو دوسرا کس در مانگے بھیک

ترجمہ: ''اے بلند مرتبت راجا! اک معاملے میں انصاف کرو کیونکہ میرے لیے تم جیسا انصاف پسند بزرگ (مالک) اور کوئی نہیں۔ اے مرشد کریم! اب آپ ہی فرمائیں کہ مشکل میں پھنس جانے پر اپنے سردار (اپنے راجہ اور مرشد) کے علاوہ کسے پکاروں؟ میں بہت مشکل میں پھنس چکا ہوں، اے ہادی و راہبر! آپ میری خبر گیری کیوں نہیں کرتے؟

اپنی خطاؤں کے سبب جس مشکل میں گرفتار ہو چکا ہوں آپ مجھے اس سے نکالئے اور اس جہانِ حیات کی آفرینش کا راز مجھ پر آشکارا کیجئے۔

اس کارگہِ حیات کا راز مجھے بتائیے تاکہ میں سکھ کی نیند سو سکوں اور اپنی خطاؤں اور فریب نفس کے داغ مٹا سکوں۔

اے ابوالمعالی! اے جگ داتا میری ہوائے نفس کو مٹا دیجئے۔ آپ ہی فرمائیں جس کے لیے (تمہارے در کے علاوہ) کوئی دوسرا در ہی نہیں وہ کس در جا کر بھیک مانگے؟''

گدائے کوچۂ بھیکھ
فاروق الحسن چشتی۔ ملتان

۲۷ر جون ۲۰۱۰ء

کلامِ بھیکھؒ اور اس کا فہم

اکثر دیکھا گیا ہے کہ اشعار میں کلام کا خیال متکلم کے اپنے ذہن میں واضح ہوتا ہے۔ سامعین اور قارئین اپنے ذہن اور فکری بلندیوں کے مطابق اُسے سمجھتے ہیں اور فائدہ اٹھاتے ہیں۔

حضرت قطب الاقطاب میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کلام ''گیان لہر'' کا بھی یہی حال ہے۔ مبتدی، متوسط اور منتہی ہر طبقہ کے متصوفین حضرات میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کلام کو اپنی اپنی سمجھ اور استعداد کے مطابق سمجھتے ہیں اور مطلب لیتے ہیں۔ بلکہ کلام کی گہرائی تک اترنے کے لئے تو کاملینِ سلسلہ کی راہنمائی کی اشد ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔

پاکستان کے قیام کے بعد ہندوستان میں رہ جانے والے علاقوں کی لوکل زبانیں نہ صرف معدوم ہوتی جارہی ہیں بلکہ ان زبانوں میں کہے گئے اشعار و مضامین کی سمجھ اور فہم بھی عنقا ہوتی جارہی ہے۔ گیان لہر اور اس قسم کے دوسرے لٹریچر کو پڑھنا اور سمجھنا تو درکنار جہاں کہیں یہ زبان آجکل بولی بھی جاتی ہے وہاں بھی غلط ہی بولی جاتی ہے اس زبان میں کہے گئے اشعار کو سمجھنا اور عمل کرنا تو دور کی بات ہے۔ سماع کی محافل میں اکثر میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ''سی حرفیاں'' اور دوہڑوں کا استعمال ہوتا ہے۔ مگر عام طور پر سامعین اس کلام کو صحیح طور پر سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں اور غالباً قوال حضرات خود بھی اس کلام کا اتنا فہم نہیں رکھتے حقیقی طور پر اس کلام کو سمجھنے والے یہی سوچتے ہیں کہ قوال نے بس انعام اکٹھا کرنے کیلئے سب کو بے وقوف بنا رکھا ہے۔ اس صورتِ حال سے پریشان ہونے والے متصوفین کا طبقہ وہ لوگ ہیں جن کے آبا وَاجداد چشتی تھے۔ جنہوں نے کلامِ بھیکھؒ کو حرزِ

جاں بنائے رکھا۔ ان کی محافل اس کلام سے آباد تھیں۔ ان کے ہاں سماع کی محفلیں اس کلام کی وجہ سے بہت بار آور ہوتی تھیں کہ وہ لوگ اس کلام کی گہرائیوں کے شناور تھے۔ وہ سماع کے اہل بھی تھے اور اجازت یافتہ بھی تھے۔ کلام بھیکھ کا برمحل استعمال جانتے تھے اور درست تلفظ بھی بولتے تھے۔

تقسیم برصغیر کے بعد ایسے لوگ بھی ناپید ہوتے گئے اور اسی طرح کلام میراں سید بھیکھؒ بھی عنقا ہوتا گیا۔ درج بالا معیار کے مطابق اگر لوگوں کی فہرست بنائی جائے تو ایک قیاس ہے دس سے زیادہ لوگ اس فہرست میں شامل نہ ہوسکیں گے اور اس میں حضرت فاروق الحسن چشتی صابری کا نام رکھے بغیر چارہ نہیں۔ حضرت فاروق الحسن چشتی روحانی اور نسبی ہر دو طرح سے حضرت قطب الاقطاب میراں سید بھیکھؒ رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ کی جالندھر شاخ سے منسلک ہیں۔ ان کے خاندان میں حضرت میاں محمد جمال صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ جیسی کامل اور بابرکت شخصیات گذری ہیں۔ جن کا اوڑھنا بچھونا حضرت میراں سید بھیکھ اور حضرت سید علیم اللہ فاضل جالندھری کی شخصیات اور ان کے فرمودات تھے۔ یہ اثر نسل در نسل سفر کرتا ہوا جناب فاروق الحسن چشتی صابری صاحب تک پہنچا ہے۔ کلام میراں سید بھیکھؒ سے چشتی صاحب کی وابستگی اور دلچسپی کا ثبوت کلام بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک نادر قلمی نسخہ ہے جو ان کی ذاتی لائبریری میں محفوظ ہے۔

اسلافِ سلسلہ سے گہری وابستگی۔ خواجگان چشت اہل بہشت سے محبت اور جاں نثاری چشتی صاحب کی شخصیت کا ایک نمایاں پہلو ہے۔ موصوف تقریباً چالیس برس تک نیشنل بنک آف پاکستان میں ملازم رہے اور اعلیٰ ترین عہدوں پر فائز رہے۔ اگر چہ تصوف کے معاملات پر ان کی گہری نظر تو دوران ملازمت بھی تھی۔ ان کے اندر کا صوفی ہمیشہ زندہ رہا۔ دوران ملازمت ایک طویل عرصہ تک مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ میں ان کی پوسٹنگ رہی۔ جس کے دوران حرمین شریفین کے ماحول نے ان کی طبیعت میں نکھار پیدا کیا۔

ملازمت سے ریٹائرمنٹ کے بعد سلسلہ چشتیہ صابریہ کی آبیاری کرنے کی ذمہ داری بھی ان کے کندھوں پر ڈالدی گئی۔ اپنی تقریر میں رموزِ معرفت کے وہ موتی جو انہیں وراثت میں ملے ہیں۔ خوب نچھاور کرتے ہیں۔ تحریر کے میدان میں بھی جوہر دکھارہے ہیں مثنوئ مولانا روم سے ماخوذ حکمت ودانش سے بھرپور مضامین پر مبنی دو کتابیں حکمت کے موتی اور خزینۂ حکمتِ رومی شائع کرا چکے ہیں۔

سلسلۂ چشتیہ صابریہ کی محبت اور حضرت میراں جی بھیکھ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے گہرے تعلق کا طوفان جو موصوف کے دل ودماغ میں کروٹیں لے رہا تھا کچھ عرصہ پہلے نمودار ہوگیا اور انہوں نے میراں سید بھیکھؒ کی کتاب ''گیان لہر'' کا ترجمہ اور تشریح کا بیڑا اُٹھایا۔ اس سلسلے میں راقم سے بھی تبادلہ خیالات ہوتا رہا بہر حال چشتی صاحب نے گیان لہر کا ترجمہ اور شرح جس علمی انداز سے وحدت الوجود کی روشنی میں کی ہے۔ اس سے ان کا شمار منجھے ہوئے اور دانشور صوفیاء کی صف میں کیا جاسکتا ہے۔ انہوں نے گیان لہر کے ترجمہ اور شرح کے ذریعے میراں سید بھیکھؒ کے معرفت سے لبریز کلام کے انوار قارئین تک پہنچانے کی خوبصورت سعی کی ہے۔

ترجمہ اور شرح کرتے وقت کتاب کی اصل خوبیوں اور مضامین کے حسن کو برقرار رکھا ہے بلکہ نظریہ وحدت الوجود کے مختلف مقامات کو کتاب کے عارفانہ کلام کی روشنی میں خوب واضح کیا ہے امید واثق اور دعا ہے کہ چشتی صاحب کی یہ مخلصانہ کوشش نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خواجگان چشت کی بارگاہ میں شرف قبولیت پائے اور ان کی نجات اخروی کا ذریعہ بن جائے (آمین)

کفش بردار وابستگانِ میراں سید بھیکھؒ

خلیفہ محمد یونس صابری۔ ملتان

تاثرات

میر محمد سعید المعروف بہ میراں سیّد بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی تصوف کے سلسلہ چشتیہ صابریہ میں بالخصوص اور برصغیر پاک و ہند کے حلقہ ہائے تصوف میں بالعموم بہت جانا پہچانا ہے۔ گیارھویں اور بارھویں صدی ہجری میں آپ کی پاکیزہ شخصیت کے سرچشمہ سے طلوع ہونے والا خیر و برکت اور نورِ ہدایت کا سورج اپنے نصف النہار پر تھا۔

میراں سیّد بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ کا عارفانہ کلام جو معرفتِ حق تعالیٰ کے مضامین سے بھرپور ہے اور طالبانِ حق کیلئے سلوک و معرفت کی منازل طے کرنے کے لئے سرچشمۂ ہدایت بھی ہے۔ حضرت میراں سیّد بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ کے ۴۳ یا کم و بیش خلفائے کرام تھے۔ جنہوں نے برصغیر پاک و ہند میں تصوف کی تعلیمات کو عام کیا اور اہل حق کیلئے جادہ منزل کے حصول کو آسان فرمایا۔

جالندھر مشرقی پنجاب (بھارت) میں میراں سیّد بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ کے چند نامور خلفائے عظام جن میں حضرت شاہ بہلول برکی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ لطف اللہ رحمۃ اللہ علیہ مصنف: ثمرۃ الفواد جس میں حضرت میراں سیّد بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ کے آثار وملفوظات بالتفصیل موجود ہیں۔ آفتابِ چشتیہ حضرت سیّد علیم اللہ شاہ فاضل بہشتی جالندھری ہیں جو کہ اپنے وقت کے اجل عالم دین اور آسمانِ تصوف کے نہایت درخشاں ستارہ تھے۔ آپ کے والد بزرگوار سید عتیق اللہ شاہ بھی حضرت میراں سیّد بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ کے مرشد کریم حضرت ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے مگر تکمیل سلسلہ حضرت میراں سیّد بھیکھ کے زیرسایہ ہوئی اور خلافت بھی عطا ہوئی۔ آپ کا مزار جالندھر میں پنج پیر کے نام سے مشہور ہے۔ سیّد علیم اللہ شاہ فاضل جالندھری کا مزار درگاہ بہشتی دروازہ کے نام سے مشہور ہے۔

تصوف کا سلسلہ بھیکھیہ حضرت سید علیم اللہ شاہ صاحب جو کہ راقم الحروف کے جد امجد ہیں۔ کے ذریعہ جالندھر میں اپنے عروج کو پہنچا۔ حضرت سیّد علیم اللہ شاہ صاحب ظاہری اور باطنی علوم میں مہارت رکھتے تھے اور کثیر التصنیف تھے آپ کی چند تصانیف یہ ہیں:

۱۔ نزہۃ السالکین در سلوک وسخنان میراں سیّد بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ۔ مضامینِ تصوف اور راہِ سلوک پر یہ کتاب اپنی مثال آپ ہے اس کا اردو ترجمہ بھی تقسیم ہند سے قبل میرے نانا حضور حضرت سید ارشاد اللہ صاحب حسنی نے جالندھر سے شائع کرایا تھا۔

۲۔ انہار الاسرار: شرح بوستان سعدی۔

۳۔ نثر الجواہر: مولانا مرزا خان برکی محدث جالندھری کی عربی کتاب الدّر المرجان کا فارسی ترجمہ۔

۴۔ شرح اخلاقِ ناصری۔

۵۔ زبدۃ الروایات۔

سیّد علیم اللہ شاہ صاحب کے متعدد خلفاء تھے۔ جن میں سے ایک ہستی شیخ درویش جالندھر کے بابا محمد جمال تھے۔ حضرت بابا محمد جمال مجسمہ ءِ عشق ومستی تھے۔ آپ کی بیعت حضور میراں سیّد بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ کی بشارت سے ہوئی۔ حضرت سیّد علیم اللہ شاہ صاحب کے خادمِ خاص تھے۔ ان کے خلوص ومحبت اور فنا فی الشیخ کے مرتبہ پر ہونے کے باعث مرشد کریم کے دربار سے خرقہ ءِ خلافت عطا ہوا اور آنے والی نسلوں پر مرشد کریم کی نظرِ فیض کی بشارت بھی ساتھ ہی ملی۔

میراں سیّد بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ کے صوفیانہ کلام ''گیان لہر'' کے مترجم اور شارح ''فاروق الحسن چشتی'' انہی بابا محمد جمال رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں آٹھویں پشت میں ہیں۔ اس دور میں چشتی صاحب نے حضرت میراں سیّد بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ کے عارفانہ کلام کو وابستگانِ سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ کے لئے عام کرنے کا جو بیڑا اُٹھایا ہے۔ یہ بہت بڑا کام ہے۔

اس دور میں ''ہندی'' عارفانہ کلام لوگوں کی توجہ سے ہٹتا جا رہا ہے۔ بلکہ کلام بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ کی فہم اور سمجھ رکھنے والے لوگ خال خال ہی ملتے ہیں۔

جناب چشتی صاحب کی سعی و کوشش سے ان شاء اللہ میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ کے عارفانہ کلام کو نئے سرے سے ترویج و تشہیر ملے گی۔ میری دعا ہے اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں میں برکت عطا فرمائے اور سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ کی اس خدمت عظیم کے صلہ میں ان پر بزرگان سلسلہ کی توجہاتِ کریمہ اور بھی زیادہ ہوں۔

کتاب ''گیان لہر'' کا ترجمہ اور شرح میں نے چیدہ چیدہ مقامات سے دیکھی ہے۔ میراں جی حضور نے جس طرح وحدۃ الوجود کی گہرائی میں اتر کر اپنا صوفیانہ کلام کیا ہے۔ حضرت چشتی صاحب نے بھرپور کوشش کی ہے کہ کلام کی شرح کرتے وقت نظریہ ء وحدۃ الوجود میں مراتبِ وجود کو نہایت شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا جائے۔

آخر میں میں اُمید کرتا ہوں کہ جناب چشتی صاحب اپنی مساعی جمیلہ کو جاری رکھتے ہوئے میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ کے باقی عارفانہ کلام کے ترجمہ و تشریح کا کام مکمل کریں گے۔

الراقم

الحاج پیر سید توصیف اللہ شاہ چشتی صابری

سجادہ نشین

دربار پنج پیر۔ جالندھر۔ انڈیا

دربار حضرت سید علیم اللہ شاہ

بہشتی دروازہ، جالندھر انڈیا

دربار پیر سید ارشاد اللہ شاہ حسنی الحسینی

چوک پیر صاحب، غلام محمد آباد

فیصل آباد

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

گیان لہر

نورِ معرفت

بند نمبر ۱

پرتھم سنورن ایک انکارا ایک الیکھ ریکھ سے نیارا
جن مالی کا بھیکھ بنایا جگت باگ بہہ بھانت لگایا
لکھ چوراسی بیل لگائی بیل بھرم مت بھولو بھائی
پات پھول پھل ہوئے دکھایا پھر آپن میں آپ سمایا
آپے باگ آپے بگوانا اپنا کھیل آپن میں ٹھانا
مالی بیلی او کلی منجر پھپ سگندھ
سبھی سبھ سے باہرا، سبھی مول کے سند

فرہنگ

پرتھم: سب سے پہلے۔ سنورن یا سمرن: ذکر۔ انکارا: ایسا ایک جس کا کوئی دوسرا نہیں۔ الیکھ: حمد، ثناء، تعریف۔ ریکھ: تحریر۔ نیارا: الگ، برتر۔ بھیکھ: روپ، بھیس۔ باگ: باغ۔ بہہ بھانت: مختلف اقسام، طرح طرح کا۔ بھرم: گمان، شک شبہ۔ بگوانا: باغ کا رکھوالا۔ ٹھانا: پکا ارادہ کیا، منصوبہ بنایا۔ منجر: غنچہ: پھپ، پھول۔ سگندھ: خوشبو۔ مول: جڑ، بنیاد۔ سند: ساتھ ملا ہوا۔

ترجمہ

''سب سے پہلے ذکر اس وحدہٗ لاشریک کا۔ ایسا واحد جو حمد وثناء کے (بیان) اور تحریر سے بالاتر ہے۔ جس نے دنیا کے باغ کے مالی کا روپ دھارا ہے اور باغِ عالم کو طرح طرح کے انداز سے لگایا ہے (سجایا ہے) (اس باغ کو سجانے کے لیے۔ اس کے مقاصد پورے کرنے کے لیے) ایک لاکھ چوراسی ہزار بیل لگائے (پیغمبر بھیجے) اس بیل کے بھرم (تخلیق کے مقاصد) کو مت بھولو۔

عالم کے اس باغ میں پھول پھل نظر آتے ہیں (ایسا محسوس ہوتا ہے یعنی وحدت سے کثرت میں ظہور کیا) اس عالم کی رنگا رنگ تخلیق کی۔ (اپنی صفات کی تجلیات سے عالم عقول سے عالم محسوس میں وجود بخشا) اور پھر اپنی صفات کے ظہور کے پردے میں خود ہی چھپ گیا۔

خود ہی باغ ہے (اس کی صفات کا ظہور) اور خود ہی باغ کا رکھوالا ہے (اس کی ربوبیت کر رہا ہے) اپنا کھیل آپ ہی کھیل رہا ہے۔ (تخلیق عالم کا یہ کھیل اسی کی منصوبہ بندی ہے۔)

اس گلشن عالم کی تخلیق کی بیل، اس پر لگنے والے غنچے، کلیاں، پھول اور ان کی خوشبو، اُسی خدائے یکتا (مالی) کی صفات کا مظہر ہیں۔

وہ عالم موجودات کی ہر شے سے الگ تھلگ بھی اور ہر شے میں وہ موجود بھی ہے۔''

شرح: بند نمبر ا

حضرت میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ کا صوفیانہ کلام دوسرے بزرگان وصوفیائے چشت کی طرح اپنے اندر نظریۂ وحدت الوجود کی چاشنی لیے ہوئے ہے۔ نظریہ وحدت الوجود کے مطابق جملہ آثار و موجودات کا اصدار ذاتِ واجب الوجود یعنی اللہ تعالیٰ سے ہوا ہے۔ چنانچہ جملہ آثار و موجودات کے ظاہر و باطن میں حق تعالیٰ کے سوا کوئی موجود نہیں۔ دکھائی دینے والا عالم (کائنات) جو حق تعالیٰ کا غیر محسوس ہوتا ہے اور جسے ماسوٰی کہتے ہیں فی الحقیقت

ماسویٰ نہیں بلکہ حق تعالیٰ کا مظہر ہے۔حق تعالیٰ اپنی لاتعداد اور لامحدود شانوں کے ساتھ اس عالم میں جلوہ گر ہے اور اس کی شانیں اور تجلیات بھی ایسی ہیں جو لحظہ بہ لحظہ نو بہ نو ہیں۔

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ﴿٢٩﴾ (سورۃ الرحمٰن: آیت ۲۹)

چنانچہ یہ کثرت اور غیریت جو محسوس ہو رہی ہے ہمارا وہم اور عقل انسانی کا قصور ہے۔ یہ تمام موجودات و آثار جو ہمیں حقیقی محسوس ہوتے ہیں اپنے وجود کی اساس اللہ تعالیٰ کی صفات کی تجلیات سے حاصل کرتے ہیں۔ان کا وجود ذاتی نہیں بلکہ صرف صفات الٰہیہ کی جلوہ گری ہے۔ یہ وجود اللہ تعالیٰ کی صفات و تجلیات کا انعکاس ہے۔یعنی ہر شے اللہ تعالیٰ کی صفات کی وجہ سے موجود ہے۔

اب آتے ہیں اصل کلام کی شرح کی طرف:

بند نمبر ۱:

سب سے پہلے اس وحدہٗ لاشریک رب واحد و یکتا کا ذکر جو کہ ہر طرح کی حمد و ثنا، کے بیان اور تعریف و توصیف کی تحریر سے بہت بلند و بالا ہے۔اللہ کی مخلوق ایک بندۂ عاجز اپنے خالق و مالک کی صفات اور شانیں کیسے بیان کرسکتا ہے؟انسان کی محدود ذہنی صلاحیتیں لامحدود اور ماوراء شمار ذات کی صفات کا احاطہ کیسے کرسکتی ہیں؟

قرآن خود بھی کہتا ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا حساب کرنا چاہو تو اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۔ (سورۃ النحل آیت ۱۸)

ترجمہ: ’’اور اگر تم گننا چاہو اللہ کی نعمتوں کو تو نہیں گن سکتے تم ان کو۔‘‘

اور آیت الکرسی میں فرمایا گیا ہے

وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ
وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ

(سورۃ البقرۃ آیت ۲۵۵)

ترجمہ: ''اور نہیں احاطہ کر سکتے وہ ذرا بھی اس کے علم میں سے مگر جس قدر وہ چاہے، حاوی ہے اس کا اقتدار آسمانوں اور زمین پر۔''

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو تخلیق کیا ہے اور موجودات و آثار کے اس قدر انواع و اقسام ہیں کہ ان کا شمار ممکن نہیں۔ آثار و موجودات کی اس تخلیق کے باغ اور اس کی نگہداشت کے لیے خود اللہ تعالیٰ نے گویا ایک باغبان کا روپ دھار لیا ہے اور اس کی دیکھ بھال اور پرورش کر رہا ہے۔

حضرت انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوق میں احسنِ تقویم کا مرتبہ عطا کیا، اسے زمین میں اپنا نائب بنایا اور پھر سورج، چاند ستاروں اور زمین یعنی پوری کائناتی قوتوں کو حضرت انسان کی خاطر پیدا کر کے اس کے لیے مسخر کر دیا۔ اس کائنات کو قابو میں لانے کے لیے فکری اور جبلی صلاحیت بھی انسان کو عطا کر دی جس کی بدولت وہ بتدریج اس کائنات کی قوتوں کو اپنا مطیع بنا کر اس سے استفادہ کر رہا ہے اور اس طرح فطرت پر قابو یافتہ ہوتا جا رہا ہے۔ مگر یہ طاقت اور کنٹرول حضرت انسان کو اپنی طاقت اور نشے کے گھمنڈ میں فرعونیت کی طرف راغب کر دیتی ہے اور وہ اپنے خالق و مالک اور پالنہار سے غافل ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت سے یہ بات بعید تھی کہ وہ انسان کو دنیا میں مادی اقتدار کی صلاحیت تو عطا کرے مگر اس کی روحانی تربیت کا انتظام نہ کرے اور اس طرح حضرت انسان کے رویہ کو تمدن و اقتدار کے ہر مرحلے پر بیلنس نہ رکھے۔ چنانچہ ایک طرف حضرت انسان کو فطرت الٰہیہ پر پیدا کیا پھر اس کی جبلت میں بنیادی اخلاقی اقدار کا شعور رکھ دیا۔ ذرا دیکھیں قرآن کیا کہتا ہے:

(۱) فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ؕ (سورۃ الروم: آیت ۳۰)

''اللہ کا دین فطرت ہے جس پر پیدا فرمایا ہے اس نے انسانوں کو۔''

(۲)

وَ نَفۡسٍ وَّ مَا سَوّٰىهَا ۙ﴿۷﴾ فَاَلۡهَمَهَا فُجُوۡرَهَا وَ تَقۡوٰىهَا ۙ﴿۸﴾
قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰىهَا ۙ﴿۹﴾ وَ قَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰىهَا ؕ﴿۱۰﴾

(سورۃ الشمس، آیت ۷-۱۰)

ترجمہ: ''قسم ہے نفس انسانی کی اور جیسا کہ اس نے اسے ہموار کیا۔ پھر الہام کر دی اس پر بدی اس کی اور پرہیز گاری اس کی یقینا وہ مراد کو پہنچا جس نے اس (جان) کو پاک کر لیا اور نامراد ہوا جس نے اس (کو فجور میں) دبا دیا۔''

اچھائی اور برائی کی پہچان، نیکی کی طرف رغبت اور بدی وفسق و فجور سے نفرت انسانی فطرت میں موجود ہے۔

مگر دوسری طرف ان جذبات کو نکھار کر عمل صالح میں ڈھالنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص چنے ہوئے انبیاء اور رسل انسانوں میں مبعوث کیے اور یہ تعداد ایک لاکھ چوراسی ہزار کے لگ بھگ ہے۔ ان برگزیدہ بندوں نے خود بھی عمل صالح اور پسندیدہ انسانی رویوں کے بلند ترین نمونے دنیا کے سامنے پیش کیے بلکہ ظلم وستم اور فسق و فجور میں بھٹکتی انسانیت کو صراطِ مستقیم پر چلایا اور اللہ کے بندوں کو بندگی کی بلند ترین منزلوں تک پہنچا کر تخلیق کائنات کے مقصد اولیٰ کو پورا کیا۔

چنانچہ حضرت میراں جی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انبیاء رسل کے اس طویل سلسلے کے پیچھے جو غرض و غایت اور مشیت الٰہی موجود ہے اس کو مد نظر رکھو اور اس سے منہ نہ پھیرو۔ دعوت انبیاء علیہم السلام انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے ہے اس کو نظروں سے اوجھل نہ ہونے دو اور عمل صالح کے ذریعے اس کے ثمرات سمیٹو۔

اس گلشن تخلیق کی رنگا رنگی میں گل و گلزار، پھل پھول یہ سب ایک حقیقت کے روپ میں نظر آتے ہیں۔ مگر اپنے ظہور اور وجود کے لیے یہ سب اللہ تعالیٰ کی صفاتی تجلیات کے محتاج ہیں۔ اس کائنات کا گوناگوں حسن اللہ تعالیٰ یعنی واجب الوجود کے سبب سے ہے۔

واجب الوجود نہ ہوتو یہ باغِ عالم بھی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس باغ کو گویا وجود بھی خود ہی بخشا اور اپنی صفات اور شانوں کے ذریعے اس میں ظاہر بھی خود ہی ہو رہا ہے۔

جب اس عالم موجودات میں یہ سب ظہور بھی ذاتِ خداوندی ہی کی صفات و تجلیات کا ہے تو گویا اس عالم کا باغ بھی وہ خود ہی ہے اور اس کا باغبان یعنی رکھوالا اور پالنے والا بھی خود ہی ہے۔ اس کارگہِ شیشہ گری کا منصوبہ ساز بھی وہ خود ہے اور یہ تخلیق کا کھیل بھی اسی کا برپا کردہ ہے۔ باغِ عالم میں مالی نے جو بیلیں لگائی ہیں ان پر پھوٹنے والی ہر کلی اور ہر غنچے سے اسی مالی یعنی مالک و خالق کی قدرت و صفات کی خوشبو کے بھبکے آ رہے ہیں، ہر پتے اور ہر کلی سے اس ذاتِ اقدس کا ظہور ہو رہا ہے۔

یہ کیسا باغبان ہے اور کیسا احسن الخالقین ہے جو اپنی ذات میں سب سے الگ، یکتا و واحد، نہ کوئی اس کا ہمسر نہ کفو مگر اپنی تخلیق کے پتے پتے سے اپنا ظہور بھی فرما رہا ہے۔ اس کائنات کی ہر ہر شے کی صورت گری کرتا ہے اور اُسے اپنا نشان (آیت) بنا دیتا ہے۔

بند نمبر ۲

بھیکھ دھار مالی ہو آیا — اس مالی کا بھید نہ پایا
اوس مالی کو لکھے نہ کوئی — لکھے سوئی جو سگھڑا ہوئی
مالی گت کچھ کہی نہ جاوے — کہت سُرت کی سدھ بورا وے
اوس مالی کو کو پچھانے — اینک بھیکھ من ہی من مانے
یہ گت بھیکھ کہاں پچھانے — سو جانے جو آپ نہ جانے

مالی بھیدا پا رہے، پہونچی سُرت نہ تاہ
بہتے سُرتا پچ رہے، لیہونہ کاہو راہ

فرہنگ

بھیکھ دھار: بھیس اپنا کر۔ لکھے : سمجھے، سگھڑا: ہنرمند، خوش سلیقہ (مرشد سے راہنمائی پانے والا) گت: شان، حقیقت حال۔ کہت سُرت: کہنے سننے میں۔ سدھ: ہوش، بوراوے: بھلا دیتی ہے۔ اینک: بہت سارے، اپار: ناقابل عبور، بے کنار، بے حدوحساب، سُرت: عقل، ہوش، تھاہ: پتہ، سُرتا: عقل مند، تھک رہے: کوشش کرکے ہار گئے، لیہونہ: نہ پاسکے۔ کاہو: کچھ، آہ: آہٹ، راہ، راستہ۔

ترجمہ: ''(باغ عالم کو تخلیق کرنے کی غرض سے حق تعالیٰ) مالی کا روپ دھار کر ظاہر ہوا ہے۔اس مالی کے بھید کو (شان تنزیہہ) کو کوئی نہ سمجھ سکا۔

اس مالی کی (ذات کو) کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ اگر کوئی (کچھ سمجھے) تو وہی جو (راہ معرفت میں) ہنرمند ہو (مرشدِ کامل سے راہنمائی لے رہا ہو)

اس مالی کی حقیقت کے متعلق کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ (اس کی حقیقت تو) کہنے سننے کا ہوش ہی بھلا دیتی ہے۔

اس مالی کی معرفت تامہ کون حاصل کرسکتا ہے جس نے آپ ہی آپ بے شمار روپ اپنا رکھے ہیں۔ (لاتعداد شانوں کے بے شمار رنگ ہائے ظہور ہیں)

وحدت سے کثرت میں ظہور کرنے کی حقیقت بھیکھ کہاں سمجھ سکتے ہیں۔ اس حقیقت کو تو وہی جان سکتا ہے جو (فنافی الحق ہوکر) اپنی خودی کھودے۔

اس مالی کے راز بے پایاں اور بے کنار ہیں۔ عقل ان کی تہہ تک نہیں پہنچ سکتی، بے شمار عقل والے اس مالی کی حقیقت پانے کی سرتوڑ کوشش کر کے تھک ہار گئے مگر اس کی حقیقت کی راہ نہ مل سکی۔''

شرح:

ذات حق ایسی حقیقت ہے جس سے تمام آثار وموجودات کا اصدار ہوا ہے۔ آثار وموجودات کا سبب ہی یہی اسماء صفاتِ ذات حق ہیں۔ گویا ذات حق نے مالی بن کر، اپنی صفات واسماء کی جلوہ گری سے موجودات کو ظاہر کیا۔

ایسی ذات جن کے اسماء صفات اور شانیں بیکراں ہوں، لامحدود ہوں اس کی حقیقت یا اس کی کنہ تک کون پہنچے۔ اللہ تعالیٰ کے ظہور کی شانیں لا انتہا ہیں۔ تجلیات بھی متعدد اور حدود حصر سے خارج ہیں اور پھر تجلیات الٰہیہ میں تکرار نہیں۔ یعنی جو تجلی ایک فرد پر ایک مرتبہ ہوتی ہے وہ پھر دوبارہ اس پر یا کسی اور پر نہیں ہوتی۔ (۱)

(۱) كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ ﴿٢٩﴾ (سورۃ الرحمٰن: آیت ۲۹)

انسان جو اپنے ادراکات و محسوسات کے لیے حواس خمسہ اور خارجی مادی موجودات کا پابند ہے اپنی محدود صلاحیتوں سے اپنے تجرباتی ادراکات سے محسوسات کی صورت متخیلہ قائم کرتا ہے۔ انفرادی ادراکات سے کلیات قائم کرتا ہے یعنی جزئیات سے کلیات قائم کرتا ہے مگر اس عمل سے اس کے ادراکات حواس خمسہ کے پابند رہتے ہیں یا بعض حالات میں کلیات کی صورِ متخیلہ پر کسی حد تک اثر انداز رہتے ہیں۔ دوسری مشکل یہ ہے کہ جزئیات تبدیل ہوتی رہتی ہیں جبکہ کلیات میں تبدل و تغیر نہیں ہے۔

انسان اپنی ان محدود صلاحیتوں سے ایسی ذات حق کی حقیقت تک کیسے رسائی کر سکتا ہے جو:

(۱) اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ﴿٥٤﴾ (سورۃ حم السجدۃ: آیت ۵۴)

ترجمہ: ''بے شک اللہ تعالیٰ ہر شے کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔''

(۲) هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ (سورۃ الحدید: آیت ۴)

ترجمہ: ''وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں بھی تم ہو۔''

(۳) وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴿١٦﴾

(سورۃ ق: آیت ۱۶)

ترجمہ: ''ہم (اللہ تعالیٰ) بندہ کی رگِ جاں سے زیادہ قریب ہیں۔''

(۴) هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ ۚ وَ هُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝ (سورۃ الحدید آیت ۳)

ترجمہ: ''اللہ ہی اول ہے اللہ ہی آخر اور وہی ظاہر ہو رہا ہے وہی باطن ہے اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔''

یعنی ذاتِ حق ایک ایسی بسیط حقیقت ہے جس نے دوسرے حقائق کا ہر طرف سے احاطہ کیا ہوا ہے۔ انسان ایک ایسی حقیقت ہے جو اپنے وجود، اپنی صلاحیتوں حتیٰ کہ قوتِ فکر کے لیے اللہ تعالیٰ کی صفات، تجلیات کا محتاج ہے۔ وہ حقیقت الحقائق کے متعلق کیا جان سکتا ہے سوائے اس کے کہ اپنا ہوش ہی گم کر بیٹھے۔

ہماری عقل اور ہمارا علم آثار و موجودات کی صفات کے علم تک محدود ہے اور تمام موجودات و آثار حق تعالیٰ کے اسماء و صفات کی تجلیات کے سبب وجود پذیر ہیں۔ چنانچہ تجلی ذات کا تقاضا یہ ہے کہ تمام موجودات (تعینات) اس میں گم ہو جائیں اس لیے عقل و علم انسانی معرفتِ الٰہی کا وسیلہ نہیں ہو سکتے کیونکہ نورِ ذات مظاہر میں سما نہیں سکتا۔ پس دلائل کے وسیلہ سے معرفتِ حق حاصل نہیں ہو سکتی۔ (۲)

عقل کی آنکھ مشاہدہ وحدتِ حقیقی سے عاجز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مشاہدہ کی بنیاد پر وجود میں آنے والے سائنسی نظریات اللہ تعالیٰ کے وجود کی معرفت تک رسائی نہیں پاتے۔

معرفت خداوندی کے لیے معرفت نفس انسانی ضرورت ہے اور یہ کام اصحاب باطن کا ہے کہ وہ اپنے کشف و مجاہدات سے مقام فنا تک رسائی حاصل کریں اور واصل باللہ ہو کر تکمیل معرفت کریں۔ بہت سارے صاحبان عقل و دانش اس مالی (ذات حق تعالیٰ) کی حقیقت پانے کی سر توڑ کوشش کر کے تھک ہار گئے مگر اس کی حقیقت کی راہ نہ مل سکی۔

بند نمبر ۳

کون برن اس مالی کہیئے | دیکھے بن نت لہے جیو دیہے
جن مالی کا روپ تہارو | دیکھ آپ کو آپ بسارو
سبھے برن پے برن نہ کائی | برن بنا موہے سبھ بھائی
اس مالی کو کیسو باسا | باس بسن کا کہا بہاسا

جہاں مالی کا باس ہے میں توں تہاں نکو
سکھ من سانت انند ہے سدا ایکتا ہو

فرہنگ

کون: کیا۔ برن: قوم، ذات۔ نت: روز، ہر دم۔ لہے: پالے، محسوس کر لے۔ جیو: روح، قلب۔ دیہے: وجود۔ تہارو: سمجھ لیا۔ بسارو: بھول گئے۔ نکائی: نہ کوئی۔ باسا: ٹھکانہ۔ سبھ: ادا۔ بھائی: پسند آئی۔ کیسو: ہر جگہ۔ باسا: ٹھکانہ۔ باس: ٹھکانہ۔ بہاسا: (ظہور کی) چمک۔ شانت: حد درجہ مطمئن۔ پُر سکون، انند خوشی۔ ایکتا: وحدت، اکائی۔

ترجمہ

''اس مالی کی قوم اور ذات کیا بتا سکتے ہیں؟ (وہ ذات تو ایسی ہے) جس کو بنا دیکھے روح اس کے وجود کو محسوس کر لیتی ہے۔

اس مالی کی شانِ ظہور کو جس کسی نے بھی سمجھ لیا وہ اپنے وجود کو بھول گیا۔

اپنی شانوں کے ظہور سے وہ ہر روپ، ہر موجود میں ظاہر ہے مگر اس کی اپنی ذات کا کیا روپ ہے؟ کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ بنا رنگ و روپ کے اس کی شانِ تنزیہہ بہت بھلی لگی۔

(مقام تشبیہ میں، ہر موجود میں) اس کا ٹھکانہ (تجلی) ہے۔ موجودات میں اس کے ظہور کی چمک ہی اس کا ٹھکانہ ہے۔

اس مالی کا جہاں ٹھکانہ ہے (مقام احدیت میں) وہاں میں تو اس کا کوئی ذکر نہیں۔اس مقام پر (اسماء وصفات گم ہیں) سکھ ہے چین ہے سکون ہے اور احدیت ہی احدیت ہے۔''

تشریح

ایسی ذات جو خود واجب الوجود ہو اور اسی کے وجود سے سب موجودات کا اصدار ہو۔ایسی وحدت جس کے اسماء وصفات کی تجلیات سے کثرت وجود میں آئے۔بھلا کوئی ممکن الوجود جو اپنے وجود کے لیے وجود واجب کا محتاج ہے وہ اس ذاتِ واجب کی حقیقت کو کیا سمجھ سکتا ہے کہ وہ کون ہے کیا ہے کوئی وجودِ حادث، وجود لامحدود کی حقیقت کیا جان سکتا ہے۔ذاتِ حق جس نے انسان کو قبیلوں اور ذاتوں میں تقسیم کیا تا کہ ان کی پہچان ہو۔مگر خود وہ ذاتِ قدیم جس کی کنہ نہیں۔اس کی ذات وقوم کا کیا تصور ہو سکتا ہے۔ذات وقوم تو کثرت کا نتیجہ ہے۔احدیت میں تو سب موجودات مخفی ہیں، گم ہیں وہاں ذات اور قوم کا کیا سوال؟

وہ ذاتِ بلند و برتر جو حدودِ حواس خمسہ سے وراء ہو جو عقل وفکر کی اُڑان سے باہر ہو اور قرآن کے مطابق:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَ هُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَ هُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۰۳﴾ (سورۃ الانعام: آیت ۱۰۳)

ترجمہ:''اس کو (اللہ تعالیٰ کو) کسی کی نگاہ محیط نہیں ہو سکتی اور وہ سب نگاہوں کو محیط ہو جاتا ہے اور وہی بڑا باریک بیں اور باخبر ہے۔''

اب ایسی ذات کو کیسے دیکھا جا سکتا ہے مگر سعید روحیں جو مادیات کی حدود سے ماوراء ہیں وہ اس کے وجود کو بنا دیکھے ہر وقت محسوس کر لیتی ہیں۔

جن مالی کا روپ تہارو
دیکھ آپ کو آپ بسارو

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے عالم موجودات کوتخلیق کیا حضرت انسان کے لیےاور حضرت انسان کو تخلیق کیا اپنے لیے۔جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے: اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ (سورۃ البقرۃ: آیت ۱۵۶) (بے شک ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور اللہ ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں) موجوداتِ عالم میں اسماء وصفاتِ الٰہیہ کا ظہور مختلف اطوار پر ہوا ہے۔ ہر موجود کسی نہ کسی تجلی کا مظہر ہے۔مگر حضرت انسان جو کہ خلاصۂ موجودات ہے احسن تقویم ہے اور مظہر تام ہے اسماء وصفات الٰہیہ کا اور جامع اسرار ہے اسرارِ الٰہیہ کا۔عالم موجودات عالم کبیر ہے تو حضرت انسان عالم صغیر ہے چونکہ تمام آثار وموجودات اللہ تعالیٰ کے اعیان ثابتہ اور حقائق وصورِ علمیہ کے عکوس ہیں۔اس لیے عالم میں جو کچھ بھی ہے بشمول حضرت انسان، اس کی ابتداء یا اس کا اصدار بھی حق تعالیٰ سے ہے اور اس کی انتہا بھی حق تعالیٰ پر ہے۔حق تعالیٰ جس طرح سب کا مبداء ہے اسی طرح سب کا مرجع بھی ہے۔قرآن کریم فرماتا ہے:

(۱) وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ

وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۹﴾ (سورۃ آل عمران: آیت ۱۰۹)

ترجمہ: ''اور اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ ہی کی طرف سب معاملات رجوع کیے جائیں گے۔''

(۲) يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ ؕ

وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۷۶﴾ (سورۃ الحج: آیت ۷۶)

ترجمہ: ''یعنی اللہ تعالیٰ سب جانتے ہیں جو کچھ ان (فرشتوں اور انسانوں) کی آئندہ اور گزشتہ حالتوں میں ہے اور تمام امور اللہ ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔''

(۳) وَّ هُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۱﴾

(سورۃ حٰم السجدہ: آیت ۲۱)

ترجمہ: ''اور اسی نے تم کو پہلی بار پیدا کیا اور اسی کی طرف تم لوٹ کر

جانیوالے ہو۔''

قرآن کریم کی درج بالا آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ موجودات کا مقدر ''رجوع الی اللہ'' ہے چونکہ انسان خلاصہ عالم ہے۔ جامع اسماء وصفات الٰہیہ ہے یعنی اسمائے حق کا مظہر تام ہے اس لیے حضرت انسان بدرجۂ اولیٰ رجوع الی اللہ پر جبلی اور خلقی طور پر مجبور ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے کے لیے انسان کی تمام تگ ودو کی بنیاد یہی حقیقت ہے۔ اب معرفت حق کے لیے بھی حق نے انسان کو اپنی آفاقی اور انفسی آیات عطا کی ہیں۔

سَنُرِیۡهِمۡ اٰیٰتِنَا فِی الۡاٰفَاقِ وَ فِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ

(سورۃ حٰم السجدہ: آیت ۵۳)

ترجمہ: ''ہم لازماً انہیں اپنی نشانیاں دکھائیں گے آفاق عالم میں بھی اور ان کے اپنے نفسوں میں۔''

چنانچہ اسی اصول کی بنیاد پر کہا گیا ہے:

''مَنۡ عَرَفَ نَفۡسَهٗ فَقَدۡ عَرَفَ رَبَّهٗ''

ترجمہ: ''جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا تحقیق اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔''

چنانچہ سالک کا سیر الی اللہ کا سارا سفر اور تمام سعی وجہد اسی حقیقت کا مظہر ہے۔ انسان جو کہ اسماء وصفات حق کا مظہر تام ہے جب اپنے نفس پر غور کرتا ہے تو اسماء وصفات حق کی تجلیات اس پر منکشف ہو جاتی ہیں اور چونکہ حضرت انسان جامع اسرار الٰہیہ بھی ہے۔ ''اَلۡاِنۡسَانُ سِرِّیۡ وَاَنَا سِرُّهٗ'' (حدیث قدسی) جوں جوں یہ سیر الی اللہ میں عروج حاصل کرتا ہے اسرار ورموز تجلیات الٰہیہ اس پر کھلتے چلے جاتے ہیں۔ پھر سالک نہ صرف اپنے نفس کے اندر تجلیات حق کو محسوس کرتا ہے بلکہ موجودات کی ہر شے میں ان تجلیات کے ظہور کا مشاہدہ کرتا ہے۔ پھر کائنات کی ہر شے حتیٰ کہ سالک کی اپنی ذات ان تجلیات میں گم ہوتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ یہی مقام ہے جس پر حضرت میراں سید بھیکھ فرماتے ہیں:

جن مالی کا روپ تہارو
دیکھ آپ کو آپ بسارو

موجودات کا ہر ذرہ آیات اور علاماتِ الٰہی سے ایک آیت اور علامت ہے جو وجودِ حق پر دال ہے۔ تمام موجودات اسی تجلی سے منور ہیں۔ اسی سے نمودار ہیں۔ تجلی ذات بحیثیت اسماء وصفات ظہور اشیا کا باعث ہے۔ تجلی ذات کا تقاضا ہے کہ تمام تعینات اس میں محو اور گم ہو جائیں۔

چنانچہ جب سالک اسماء وصفات حق سے اپنے آپ کو مکمل طور پر ہم آہنگ کر لیتا ہے تو اس کی اپنی ذات بھی تجلیاتِ حق میں محو اور گم ہو جاتی ہے۔ پھر وہ اپنے نفس اپنی ذات کو بھول جاتا ہے اُسے ہر طرف ذاتِ حق ہی کا ظہور نظر آتا ہے یہی وہ مقام ہے جہاں سالک کے ہیکل عبدی میں صفات عبدی گم ہو جاتی ہیں اور اُن میں حق قائم ہو جاتا ہے اسی کو فنافی اللہ کہا جاتا ہے۔

برن بنا موہے سبھ بھائی • سبھے برن پے برن نہ کائی
باس بسن کا کہا بہاسا اس مالی کو کسیو باسا
جہاں مالی کا باس ہے میں توں تہاں نکو
سکھ من سانت انند ہے سدا ایکتا ہو

تمام آثار و موجودات اپنے روپ اور تعین کے لیے اس کارگہ ابداء و تخلیق کے پالنہار (مالی) کی اسماء وصفات کی تجلیات کی محتاج ہیں۔ مگر وہ خود کسی تعین اور روپ سے پاک اور مبرا ہے۔ لیکن اس کارخانہ حیات میں اس کے مظاہر اور تجلیات اس قدر دلکش اور مسحور کن ہیں کہ وہ اپنی ذات کا اظہار کیے بغیر اپنی شانوں (جن میں اس کی ذات پوشیدہ ہے) سے دلوں اور روحوں کو اپنی محبت میں گرفتار کر لیتا ہے بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ ظہور موجودات کی بنیاد ہی اس بے روپ ولامکان کی انتہائی اور شدید محبت و کشش ہے جو موجودات کی ہر شے محسوس کرتی ہے۔ وہ خلاق عظیم ہے اپنی ان گنت شانوں کے ساتھ ہر موجود میں ظہور پذیر

ہے۔ گویا وہ ہر جگہ ہے ہر ساعت ہے۔ **هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ** ؕ (سورۃ الحدید آیت ۴)
تم جہاں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور **اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ** (سورۃ حم السجدۃ
آیت ۵۴) بے شک اللہ تعالیٰ ہر شے کا احاطہ کیے ہوئے ہے اس کا ٹھکانہ ہر جگہ ہے۔ اس کے
ظہور کی چمک ہر طرف ہے اور اس کے وجود کی خوشبو موجودات کے ذرے ذرے میں رچی
بسی ہے مگر ذات حق کا یہ مقام تشبیہ ہے۔ مقام تنزیہہ (احدیت) میں اسماء وصفات یعنی ہر
تعین سے پہلے "كَانَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهُ شَيْءٌ" اللہ ہی اللہ تھا اور اس کے ساتھ اور کوئی
شے نہ تھی۔ یہ مقام ذاتی ہے حق تعالیٰ کا۔ اس مقام پر ذات باری اسماء وصفات سے مبرا ہے
پاک ہے، بلا تعین، ہر شرط سے پاک، ہر تقید اور تعین سے بالا۔

اس مقام پر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بدور بازغہ میں وجود حقیقی کے متعلق بیان
کرتے ہیں:

> "حقیقت کبریٰ یا حقیقۃ الحقائق کو منطقی اصطلاح میں کسی حکم کا
> موضوع قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس میں "یہ ہے" اور "یہ نہیں ہے"
> تک کی گنجائش نہیں۔ کسی کا علم اور کوئی علم اس کے دامنِ ادراک تک
> نہیں پہنچ سکتا کیونکہ علم درحقیقت تعین کا دوسرا نام ہے جو مقام
> "اطلاق" کے منافی ہے۔" (۳)

چنانچہ یہاں تو بس سکون ہی سکون ہے۔ احدیت ہی احدیت ہے اور سالکین
کے لیے بس حیرت ہی حیرت۔

بند نمبر ۴

ترک ہند و کو گوت کہاوے　　　کون گوت اس موہ بتاوے
تہمد کسے نہ باندھے دھوتی　　　اپنے آپ کا آپے گوتی
کون باپ کو مائی تاکے　　　کوناری ست ناتے واکے
مات پتا سے رہے نیارا　　　آپ سے آپ اُپاون ہارا
مالی ایکا ایک ہے مات پتا نہیں کو
ناری نر نہیں تاہ کے سوتا کیسے ہو

فرہنگ

ترک: ترکی یعنی مسلمان۔ گوت: ذات۔ موہ: مجھے۔ کو: کونسی۔ تاکے: دیکھے۔ ناری: عورت، بیوی۔ ست ناتے: رشتے دار۔ واکے: اس کے۔ نیارا: مبرا۔ اُپاوان ہارا: تدبیر کنندہ۔ نر: خاوند۔ تاہ کے: اس کے سوتا: سوکن، سوت۔

ترجمہ

''وہ مسلمان ہے یا ہندو ہے۔ اس کی ذات کیا ہے۔ (اگر کوئی ذات ہے) تو کوئی مجھے بتائے۔ (ذات حق) تو تہبند باندھے نہ دھوتی باندھے (یعنی اس کا لباس کیا ہے؟) وہ اپنی ذات میں آپ ہی سمایا ہوا ہے۔

اس کا باپ کون ہے؟ اس کی والدہ کو کس نے دیکھا ہے؟ اس کی زوجہ اور دوسرے اعزا و اقارب کون ہیں؟ وہ تو باپ اور ماں سے مبرا ہے۔

اپنی ذات میں آپ ہی ہے اور آپ ہی تدبیر کنندہ ہے (تمام عالم کا) (اس باغ عالم کا) مالی واحد و یکتا ہے اس کا نہ باپ ہے نہ ماں۔ اس کی نہ زوجہ ہے نہ خاوند ہے تو سوتن کہاں سے آئی؟''

شرح

مقام لاتعین وھویت میں ذاتِ حق کا بیان جاری ہے۔ ذاتِ حق کا وجود، وجودِ مطلق ہے جو ہر طرح کی کثرت اور ترکیب سے بالاتر ہے۔ ہر قسم کی تعریف، توصیف تعلق، حکم اور نسبت سے قطعی طور پر بری ہے۔ تمام قیود حتیٰ کہ قید اطلاق سے بھی بالاتر ہے۔ ذاتِ حق قائم بالذات ہے۔ تمام ممکنات اور مخلوقات سے پاک ہے (۴)۔ چنانچہ ذات پات، قوم، مذہب، رشتے داریاں، برادریاں، تعلق داریاں، یہ سب مخلوق سے وابستہ ہیں۔ ماں، باپ، اولاد اور سب رشتے مخلوق ہیں، خالق، ذاتِ حق ان سب سے پاک ہے اور منزہ ہے۔

قرآن کریم میں سورۂ اخلاص میں ذاتِ حق کی شانیں کیسے بیان ہوئی ہیں۔ ذرا ملاحظہ کیجئے:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ لَمْ يَلِدْ ۙ وَ لَمْ يُوْلَدْ ۙ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۚ

(سورۃ الاخلاص: آیت ۱-۴)

ترجمہ: ''کہہ دیجئے اللہ (اپنے کمالِ ذات وصفات میں) ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے (ایسا کہ کسی کا محتاج نہیں اور اسی کے سب محتاج ہیں) اس نے نہ کسی کو جنا اور نہ ہی وہ جنا گیا (یعنی وہ اولاد اور ماں باپ کے تعلق سے پاک ہے) اور نہ ہی کوئی اس کا ہم پلہ ہے۔ (کفو اور ہم پلہ تو شریکہ اور برادریوں میں ہوتا۔ اللہ پاک تو ان تمام رشتوں سے پاک ہے، مبرا ہے۔)''

مولانا نور الدین عبدالرحمٰن جامی اپنے لائحہ نمبر ۲۴ میں فرماتے ہیں۔ مراتب وجود میں مرتبہ لاتعین ہر قید اور ہر اعتبار سے بالاتر ہے۔ الفاظ، اسماء وصفات اشارہ وسمت وغیرہ سے پاک اور منزہ ہے نہ نقل (کتب سماوی) اس کے جلال کو بیان کرسکتی ہے نہ عقل (منطقی

دلائل) کو اس کی کنہ ذات تک رسائی حاصل ہے جس طرح ارباب کشف اس کی حقیقت کے ادراک سے عاجز ہیں اسی طرح ارباب علم اس کی معرفت کے حصول میں بے بس۔ (۵)

بند نمبر ۵

حقیقتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم

کارن پیت میت ہو آیا　　احمد اپنا نام دھرایا
تہکوں میں ٹھکرائی دینی　　تج ٹھکرائی داسی کینی
سُبھ سوبھا سے توہ بنایا　　تجہ کارن میں آپ جتایا
بھید اپنا میں تجھ کو دینا　　جو کینا میں تجھ کو کینا
تجھ کارن مالی ہو آیا　　تجھ کارن جگ باگ لگایا
تو مالی تو باگ ہیں توہیں پات پھل پھول
میں تو مالی سبھ توہیں توہیں سبھ کا مول

فرہنگ

کارن: کی خاطر۔ پیت: محبت۔ میت: عاشق۔ تہکوں: تجھے۔ ٹھکرائی: سرداری (ٹھاکر سے)۔ تج: چھوڑ دی۔ داسی: باندی۔ سبھ شوبھا: اسماء الحسنٰی۔ بہترین صفات۔ آپ جتایا: اپنا ذکر عام کیا۔ مول: جڑ، بنیاد۔

ترجمہ

''محبت کی خاطر عاشق بن گیا۔ (ظاہر ہوا) اپنا نام (احد سے) احمد رکھ لیا۔ تجھے میں نے (تمام عالموں کی) سرداری دی۔ (خود) سرداری چھوڑ کر باندی بننا (قبول کر لیا) یعنی تنزلات کے ذریعہ آثار و موجودات کو ظہور بخشا۔ بہترین اسماء و صفات سے تجھے بنایا۔ (احسن تقویم بنایا) تیرے نام کی خاطر اپنا ذکر عام کیا۔ اپنا سرّ تجھے دیا، یعنی تجھے اسماء و

صفات الٰہیہ کا جامع اور مظہر تام بنایا۔ تجھے (تیری شان عظیم کے مطابق) صاحبِ اختیار بنایا۔ تیری خاطر میں (عالم کے باغ کو تخلیق کر کے) اس کا مالی (پالنہار) بن گیا اور تیرے ہی لیے یہ باغ عالم لگایا۔

(اپنے فیض عام اور رحمت عالم ہونے کے سبب) تو ہی اس باغ عالم کا مالی تو ہی خود باغ ہے اور اس باغ کا ہر پھل پھول اور برگ و بار تو خود ہے۔ میں (میری ذات) بھی تو ہے۔ اس باغ عالم کو (فیض دینے والا) مالی بھی تو ہے اور سب مظاہر و موجودات کی بنیاد بھی تو ہے۔ (تیرے فیض سے یہ سارا عالم قائم ہے)''

شرح

پہلے چار بند ذاتِ حق کے مرتبہ لاتعین کے بیان پر مشتمل ہیں۔ اب سرکارِ دو عالم حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر شروع ہوتا ہے۔ اسے حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شروع کیا ہے۔

اہل حق اور صاحبان معرفت کے نزدیک یہ ہنگامہ آثار و موجودات اور قصہ عہد الست ایک ایسی حسین داستانِ حسن و عشق ہے جس میں کامل و اکمل مرقع حسن و جمال ذاتِ خداوندی کا تقاضا ہوا کہ اس کے حسن کامل کو دیکھنے اور چاہنے والے موجود ہوں۔ حسن ازلی کا ظہور ہو اور اس حسن کو پہچاننے والے اور اس سے عشق کرنے والے بھی اسی شان و مرتبہ کے ہوں جو اس حسن کامل و اکمل کے شایانِ شان ہو۔

''اَللّٰهُ جَمِيْلٌ وَيُحِبُّ الْجَمَالَ'' (اللہ تعالیٰ خود حسنِ کامل ہیں اور حسن سے محبت رکھتے ہیں۔) قرآن میں فرمایا ہے:

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا (سورۃ الاعراف آیت ۱۸۰)

ترجمہ: ''اور اللہ ہی کے لیے ہیں حسین ترین نام (اسماء و صفات) پس تم اسے انہی ناموں سے پکارو۔''

حسن تمام نے بتقاضائے حسن یہ چاہا:

"کُنتُ کَنزًا مَخفِیًّا فَاَحبَبتُ اَن اُعرَفَ فَخَلَقتُ الخَلقَ"

"(میں حسین ترین اسماء صفات کا) چھپا ہوا خزانہ تھا۔ (میرے حسن تمام کا تقاضا ہوا) اور میں نے چاہا کہ جانا جاؤں (میری معرفت عام ہو، میرے حسن کا چرچا ہو) پس نے مخلوق کو پیدا کیا۔"

چنانچہ ابتدائے عالم روحانی اور تخلیق عالم جسمانی کا باعث احسن الخالقین کا شدید ترین تقاضائے محبت تھا۔ ایک ایسے حسین وجود کا جو اُس حسن تمام کی تمام اداؤں، تمام خوبیوں کا مظہر تام ہو۔ جامع اسماء وصفات الٰہیہ اور حامل اسرارِ خداوندی ہو۔ چنانچہ احسن الخالقین نے احسن تقویم کو تخلیق کیا جو اس کے حسن تمام کی معرفت تامہ اور محبوبِ ازلی وحقیقی کی محبت وعشق کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر اپنے سینے میں ایسے سمیٹے ہوئے تھا کہ حسن تمام خود پکار اُٹھا:

وَالَّذِینَ اٰمَنُوۡۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ (سورۃ البقرہ: آیت ۱۶۵)

چنانچہ مرتبہ ظہور میں ذات حق نے مرتبہ احدیت سے نزول فرمایا اور نورِ محمدیہ یعنی حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور ہوا۔ وہ نور ذات حق جو تخلیق میں سب سے اوّل اور مقام احدیت اور واحدیت اسماء وصفات کے درمیان برزخِ کبریٰ ہے۔ اسی نور سے ابدائے عالم روحانی ہوا اور تخلیق عالم جسمانی ہوا۔

سرکارِ دوعالم حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود فرمایا:

(۱) "اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُورِی."

(اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرا نور پیدا کیا)

(۲) "اَنَا مِن نُورِ اللّٰهِ وَکُلُّهُم مِن نُورِی."

(میں اللہ کے نور سے ہوں اور وہ سب (جمیع کائنات) میرے نور سے ہیں)

(۳) "اَللّٰهُ المُعطِی وَاَنَا القَاسِمُ."

(اللہ عطا کنندہ ہے اور میں تقسیم کرنے والا ہوں)

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نبی تھا جبکہ آدم علیہ السلام ابھی پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کل موجودات سے اسبق اور کل مخلوقات سے اکمل ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کا وہ نور ہیں جو سب سے پہلے چمکا اور جس سے تمام کائنات کی تخلیق ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اجمال ہیں ان تمام اسماء وصفات الٰہیہ کا جن کا ظہور کائنات میں ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کا وہ نور ہیں جو اسماء و صفات الٰہیہ کے ظہور سے پہلے چمکا (تعین اوّل)۔ زمان ومکان کے پیدا ہونے سے پہلے درخشاں ہوا۔

ابداءِ عالم روحانی اور تخلیق عالم جسمانی میں فیضِ حقیقت محمد یہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جاری وساری ہے۔

ربِ رحیم کی شانِ محبت رحمانیت کبریٰ کا ظہور تمام رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کی رحمتِ دائمی سے کون ومکان فیضیاب ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اسماء وصفات الٰہیہ کے تخلیقی دائرہ کا انتہائی اور آخری نقطہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اطہر میں مکمل ہوگیا۔ محبوب ازلی کی محبت کا کامل اور اکمل ظہور ذاتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں رونپذیر ہوگیا۔

اب اظہار محبت کے حسین پیرائے کہ روح محبت مچل جائے۔

(۱) وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ﴿۵﴾ (سورۃ الضحیٰ آیت ۵)

ترجمہ: ''تیرا رب تجھے اتنا دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔''

فرما کر رضا جوئی کی جارہی ہے۔

(۲) کہیں یٰسین، طٰہٰ، مدثر، مزمل کے خطابات عطا ہو رہے ہیں۔

(۳) إِنَّآ أَعْطَيْنَٰكَ ٱلْكَوْثَرَ ﴿۱﴾ (سورۃ الکوثر آیت ۱) کے اعلان سے حوضِ کوثر کا تحفہ محبت عطا ہو رہا ہے۔

(۴) جن کا نام نامی محمد صلی اللہ علیہ وسلم محبوب ازل نے اپنی حمد سے مشتق کیا جسے شاعر دربارِ رسالت حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ایسے بیان کیا:

فَشَقَّ لَهٗ مِنِ اسْمِهٖ لِیُجِلَّهٗ

فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَّهٰذَا مُحَمَّدٌ (ﷺ)

یعنی حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اپنے نام سے نکالا تا کہ آپ کو بزرگی دے۔ پس صاحب عرش محمود ہے اور آپ محمد ہیں۔ ”علیه افضل الصَّلٰوۃِ وَاَکْمَلُ التَّحِیَّاتِ“ کہیں بارگاہِ حسن سے، فرشتوں کے ساتھ مل کر محفل ذکر محبوب سجائی جارہی ہے اور دُرودوں کے گجرے بھیجے جارہے ہیں اور مسلمانوں کو بھی حکم دیا جارہا ہے کہ تخلیق کی اس غایت اولیٰ (ﷺ) پر وہ بھی اپنی عقیدتوں اور محبتوں کے پھول نچھاور کریں اور ان پر دُرود وسلام بھیجیں۔

سب کچھ تمہارے واسطے پیدا کیا گیا
سب غایتوں کی غایت اولیٰ تمہی تو ہو

ڈاکٹر علامہ اقبال نے جاوید نامہ میں حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بصیرت افروز اور نہایت دلچسپ نکتہ بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں دنیا میں جہاں کہیں بھی رنگ و بو کا ظہور ہے اور جہاں کہیں بھی آرزو پروان چڑھتی نظر آتی ہے سمجھ لو کہ یا تو اسے نورِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیض حاصل ہے یا وہ ابھی نورِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں سرگرم ہے اور منزل کی تلاش میں سرگرداں ہے۔

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو
آں کہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نورِ مصطفیٰ اورا بہا است
یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ است (۶)

علامہ اقبال کے نزدیک آرزو ہی زندگی کی بنیاد ہے۔ آنکھ، کان، عقل سب آرزو سے تیز ہوتے ہیں۔ آرزو ہی کی بدولت مٹی سے گل ولالہ اُگتے ہیں جس کے دل میں آرزو جنم نہیں لیتی وہ سنگ وخشت کی طرح دوسروں کی ٹھوکروں سے پامال ہو جاتا ہے۔

آرزو سلطان اور امید سب کا سرمایہ ہے۔ آرزو ہی فقر کا وہ جام جو اُسے جہاں بینی کی صفت بخشتی ہے اور یہی آرزو ہر جگہ ہر مقام پر اپنے فروغ کے لیے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیض کی محتاج ہے۔ (۷)

مرقع حسن ازل نے اپنے جذبہ محبت کو جو اس کی جمالیاتی تخلیقی فعلیت کا محرک سرمدی ہے۔ کچھ ایسے روبہ عمل کیا کہ کائنات کے ذرے ذرے میں اپنی ذات کے لیے انتہائی کشش اور محبت رکھ دی۔

اب عالم یہ ہے کہ:

(۱) کائنات کی ہر شے اس خلاق عظیم کی تسبیح بیان کر رہی ہے۔

يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (سورۃ النور آیت ۴۱)

(اسی کی تسبیح بیان کر رہے ہیں جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے۔)

(۲) حضرت انسان، احسن الخالقین کی تخلیق کا ذروۂ سنام اپنی زندگی میں حرکت اسی محبوب ازلی کے جذبۂ عشق سے حاصل کرتا ہے، کبھی کہتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (سورۃ الفاتحہ آیت ۱) کبھی کہتا ہے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ (سورۃ الفاتحہ آیت ۴) اور وہ اس حقیقت کا گہرا شعور رکھتا ہے کہ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (سورۃ البقرۃ آیت ۱۵۶) اس دنیا میں انسانی زندگی کا محور ہی اللہ کی شدید محبت ہے۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (سورۃ البقرہ آیت ۱۶۵) اور یہی محبت اُسے رجوع الی اللہ کی طرف کھینچے لئے جاتی ہے۔

(۳) اپنے خالق ومحبوب حقیقی کی محبت اور اس کی احسان مندی کا جذبہ عروج پر آتا ہے تو اس کا بندہ اپنے الٰہ ومعبود کی عبادت کے جذبہ سے سرشار ہو کر اس کی بارگاہ میں جھک جاتا ہے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کے اپنے رب سے ملاقات کے جبلی ذوق کو درجہ احسان کی نہایت خوبصورت تعریف میں ڈھال دیا ہے۔ یعنی احسان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت ایسے کرے جیسے تو اُسے دیکھ رہا ہے۔ گویا اپنے محبوب رب کی عبادت جس کا بہترین مظہر نماز ہے ایسے کر جیسے تو اس سے ملاقات کر رہا ہے۔

(۴) سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جو رب کریم کی حمد وثناء بیان کرنے والوں کے رہبرو راہنما اور قافلہ سالار ہیں وہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن لوائے حمد رب جلیل میرے ہاتھ میں ہوگا اور میں جو حمد وثناء اس دن بیان کروں گا وہ آج نہیں کر سکتا۔

اب آتے ہیں بند نمبر ۵ کے مطالب وشرح کی جانب:

کارن پیت میت ہو آیا

اللہ تعالیٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مخاطب ہو کر وجہ تخلیق کائنات بتا رہے ہیں کہ میرے حسن تمام کا تقاضا تھا کہ تمہیں اپنا محبوب بناؤں اور تمہارے ظہور کے لیے کائنات کی تخلیق کروں۔ یہ محفل تخلیق تمہاری محبت کے لیے سجائی ہے۔

احمد اپنا نام دھرایا

یعنی کائنات کو تخلیق کرنے کے لیے نور محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تخلیق کیا اور اُسی نور سے آثار وموجودات میں اسماء وصفات الٰہیہ کا ظہور بذریعہ حقیقت محمدیہ ہوا۔ اس کائنات میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات اور اس کے اسرار کا مظہر تام ہیں۔ اس لیے عالم موجودات میں اللہ تعالیٰ کا ظہور حقیقتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شکل میں ہوا۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے قول:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۭ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ (سورۃ الفتح: آیت ۱۰)

کی تشریح کرتے ہوئے شیخ الاکبر محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنا اللہ تعالیٰ سے بیعت کرنا ہے کیونکہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وجود سے فانی اور اپنی ذات وصفات اور افعال میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ متحقق اور باقی ہیں۔ پس جو کچھ آپ سے صادر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

طرف منسوب ہے وہ اللہ تعالیٰ سے صادر اور اسی کی طرف منسوب ہے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنا عین اللہ تعالیٰ سے بیعت کرنا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

مَنْ رَآنِیْ فَقَدْ رَایٔ الْحَق.

''جس نے مجھے دیکھا اس نے حق کو دیکھ لیا۔''

تہکوں میں ٹھکرائی دینی

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تجھے میں نے دونوں عالم کی سرداری عطا کی۔ تخلیق عالم جسمانی اور ابدائے عالم روحانی تیرے ہی نور سے ہوئی اور تیری ہی خاطر محفل کون و مکاں سجائی۔

تج ٹھکرائی داسی کینی

تمہاری خاطر تنزلات کے ذریعے عالموں کو وجود بخشا۔ آثار و موجودات میں اسماء وصفات کی تجلیات کا ظہور ہوا۔

(نوٹ): ذات حق نے مرتبہ وراء الوراء سے جن مراتب سے علی الترتیب نزول فرما کر عالم امر و عالم خلق کا صدور کیا انہیں تنزلات کہتے ہیں۔ تصوف میں یہ اصطلاح اپنے لغوی معنی سے ہٹی ہوئی ہے جس کا مطلب ذاتِ حق سے عالم کا صدور ہے۔ وجود حقیقی جیسا تھا ویسا ہی ہے۔ ''الآن کما کانَ'' (جیسا اب ہے ویسا ہی پہلے تھا) اس میں کوئی تغیر و تبدل رونما نہیں ہوا(۸)۔ نہ ہی مظاہر موجود سے اس کا اتحاد و حلول ہوا ہے۔ نظریہ حلول، کفر، الحاد اور زندقہ ہے۔ تنزلات تو ابداء و تخلیق کے فعل میں امر کن اور تجلیات اسماء وصفات ہیں۔

سبھ سو بھا سے توہ بنایا

بہترین اسماء وصفات سے تجھے مزین کیا۔ تجھے اپنے نور سے بنایا۔ اسے ظہور اوّل اور تعین اوّل کا مقام بخشا۔ تجھے احسن تقویم کا درجہ دیا۔ تمام عالموں کی فیض رسانی کے لیے تجھے رحمۃ للعالمین بنایا، تجھے اپنے تمام اسماء وصفات کا کامل مظہر بنا کر تا قیامت اللہ کی راہ پر چلنے والوں کے لیے کامل واکمل نمونہ بنا دیا۔

تجھ کارن میں آپ جتایا

تیری خاطر میں نے اپنا ذکر عام کیا۔ میں تو چھپا خزانہ تھا مگر اے محبوب! تیری محبت کی وجہ سے میں نے عالم کو ظہور بخشا۔ اپنا ذکر ہر مخلوق کی زبان پر رکھ دیا اور میرے ذکر کے ساتھ تیرا ذکر بھی لازم کر دیا کیونکہ عالم موجودات کا نکتہ تکمیل تم ہو۔ میری محبت کا تقاضا تھا کہ تیرا ذکر، تیری خوشنودی کی خاطر عام کردوں۔
وَ رَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ ؕ (سورۃ الانشراح: آیت ۴)

بھید اپنا میں تجھ کو دینا

میں نے تجھے حامل اسرارِ خداوندی بنایا۔ تجھے خاتم الرسل اور سردار انبیاء بنایا۔ اپنا غیب تجھ پر ظاہر کیا تو دنیا میں میرے اسماء وصفات کا مکمل ظہور ہے۔

جو کینا میں تجھ کو کینا

اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں نے تیری شان عظیم کے مطابق جو بھی اختیار دینا تھا وہ تجھ کو دیدیا۔ تیرا نور ظہور عالم کی اصل ہے۔ تیری روح عظیم، تمام عوالم میں تصرف کناں ہے، تمام عالموں پر تیری رحمت سایہ کناں ہے۔

تجھ کارن مالی ہو آیا
تجھ کارن جگ باگ لگایا

اے محبوب! ابداء وتخلیق کی غایت اولیٰ تم ہی ہو۔ تمہارے ہی لیے میں نے باغ عالم سجایا اور اس کا مالی بن کر اس کی ربوبیت اختیار کی تاکہ تیری ذات کریم میرے اسماء و صفات کا مظہر تامہ بن کر اس گلشن کے حسن کو دوبالا کر دے۔

تو مالی تو باگ ہیں تو ہیں پات پھل پھول
میں تو مالی سبھ تو ہیں، تو ہیں سبھ کا مول

اے محبوبؐ! یہ محفل کون ومکاں تیرے ہی لیے میں نے سجائی ہے۔ تیرا نور عظیم

عالم روحانی و عالم جسمانی کی بنیاد ہے۔ سب مظاہر تیرے ہی نور سے منور ہیں اور تو میری ذات وصفات کا مظہر تامہ ہے۔ تیری ذات وصفات میری ذات میں فنا ہو کر میرے اسماء و صفات کے ساتھ ظہور پذیر ہے۔ اس لیے تیرا عمل میرا عمل ہے۔ بدر کے میدان میں کنکریاں تو نہیں مارتا میں مارتا ہوں۔ شجرۂ بیعت کے تلے اپنے اصحاب سے بیعت تو نہیں لیتا بلکہ میں لیتا ہوں۔ ان کے ہاتھ پر تیرا ہاتھ نہیں تھا، میرا ہاتھ تھا۔ تو اپنی خواہش نفس سے بولتا نہیں، تیری زبان ہے اور کلام میرا ہے۔ اسی لیے تیری اطاعت میری اطاعت ہے۔ جس نے تجھے دیکھا اُس نے گویا مجھے دیکھا۔ یعنی "مَنْ رَآنِیْ فَقَدْ رَاٰی الْحَقَّ"

"جس نے تجھ سے محبت کی وہ میرا محبوب ٹھہرا۔"

اے محبوب! جو کچھ تجھ سے صادر ہوا اور تیری طرف منسوب ہے وہی کچھ مجھ سے صادر ہوا اور میری طرف منسوب ہے۔ اس باغ عالم کا مالی ظاہر میں تو ہے باطن میں ہوں۔ آثار وموجودات کا خالق میں ہوں، مگر اس کی بنیاد اور غایت تخلیق تیری ہی ذات ہے۔

"صل اللہ علیک و بارک وسلّم"

اس لیے اس جہان کے باغ کا مالی بھی تو ہے تو ہی اس باغ کے پھول پتے اور پھل ہے۔ حتیٰ کہ میری ذات کا مظہر فی الاسماء والصفات بھی تو ہے اور سب موجودات کی اصل بھی تیرا ہی نور ہے یعنی تو ہے۔

بند نمبر ٦

احد برن احمد کو دہارا — احمدؐ مول بیل سنسارا
بھیا بسیٹھ بھیا اک راکھا — بھید اپنوں ہیں جن جن بھاکھا
بھاکا بھید نہ کاہو لیہا — لیہا کنہوں جن کلمہ کیہا
کہہ کلمہ بدھ ایک سمانا — ایک جان سبھ آپ بھلانا
تجھکو احمدؐ احد پٹھاوے — صفت صلوٰۃ جو کہوں نپاوے
کچھو اک بھید چہاروں بوجھا — تب سے سادھو جگ میں سوجھا
مول محمدؐ باگ تو سوگت اپرم پار
چار چمن چھوں میت ہیں او بیلی سب سنسار

فرہنگ

برن: روپ، بھیس۔ مول: جڑ۔ سنسارا: کائنات۔ بسیٹھ: دولت مند۔ راکھا: چوکیدار۔ بھاکا: بولی، زبان۔ لیہا: سمجھا، پایا۔ پٹھاوے: تعریف کرے، پکارے۔ کچھو اک: تھوڑا سا۔ سوجھا: ظاہر ہوا۔ باگ: باغ۔ سوگت: شانیں، صفات۔ اپرم پار: بے شمار، بے حساب۔

ترجمہ

''اللہ نے احمد کا روپ دھار لیا۔ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا مظہر تام ہوئے)۔ احمد صلی اللہ علیہ وسلم جڑ ہیں اور تمام کائنات بیل ہے۔
(آثار وموجودات میں۔ اللہ تعالیٰ کی مختلف اور بے شمار شانوں کا اظہار ہو رہا ہے) کوئی دولت مند ہے کوئی (اس کا) رکھوالا ہے۔
(موجودات میں سے ہر شے کا اظہار اللہ تعالیٰ کی مختلف شانوں سے ہو رہا ہے) ہر شے کا اپنا بھید ہے اپنی اپنی زبان سے۔

(وجود کے اظہار کی) زبان کا بھید کسی نے نہ پایا۔ بس انہی لوگوں نے اس بھید کو سمجھا ہے جنہوں نے کلمہ (شہادت) پڑھا ہے۔

کلمہ (توحید) پڑھ کر ایک دستور سمجھ میں آ گیا۔ خدائے واحد و یکتا کو ہی ایک ماننا ہے اور اپنی ذات کو بھول جانا ہے۔

احد (اللہ تعالیٰ) تجھ ہی کو احمد کہہ کر تعریف کرتا ہے (کیونکہ) دُرود و صلوٰۃ کے لائق (محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ) وہ کسی کو نہیں پاتا۔

موجودات کی حقیقت کو کسی حد تک چار ہستیوں نے سمجھا ہے۔ چنانچہ اسی وقت سے (یعنی انہی چاروں سے) دنیا میں ہدایت کے سلسلے جاری ہوئے۔ گویا سادھو ظاہر ہوا۔

موجودات کے باغ کی جڑ بنیاد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کی شانیں اور صفات بے شمار ہیں۔ یہ چاروں دوست یعنی (حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم) (ہدایت کے) چمن ہیں اور یہ دنیا ایک بیل ہے۔

شرح

احد برن احمد کو دہارا　　　　احمدؐ مول بیل سنسارا

حدیث: "اَنَا مِنْ نُورِ اللّٰهِ وَالْخَلْقُ كُلُّهُمْ مِنْ نُوْرِیْ"

کائنات اور تمام عالموں کی تخلیق نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی۔ اسماء و صفات کے تعین وظہور سے بھی پہلے حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم وجود میں آئی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کے تمام اسماء وصفات کا مکمل ظہور تھے۔ گویا اللہ نے احمد صلی اللہ علیہ وسلم کا روپ دھار لیا۔

شیخ الاکبر ابن عربی "فصِ حکمةِ نفثیه فی کلمة شیشیه" میں فرماتے ہیں:

"ہم ذاتِ الٰہی کے دو رُخ تجویز کرتے ہیں۔ ایک رُخ غیب کی طرف، دوسرا رُخ شہادت کی طرف۔ قبل تخلیق عالم صفات الٰہیہ عالم غیب میں تھیں اور تخلیق عالم کے بعد

وہ مائل الی الظہور ہوگئیں۔ عالم شہادت میں جلوہ گر ہوگئیں۔'' (فصوص الحکم ص۷۹، تنبیہات وتشریحات از حضرت بابا ذہین شاہ تاجی) (۹)

اس حقیقت کی روشنی میں حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم درحقیقت وجودِ باری تعالیٰ (جو حقیقت مطلقہ ہے) کے اس رُخ کا نام ہے جو مرتبہ تفصیل میں روشن ہے۔ اس کی توضیح یوں ہے کہ وجود باری کے دو رُخ ہیں۔ ایک اجمال جو وجودِ مطلق ہے اور وہ ہے ''ھُوَ وَحدَہٗ لَا شَرِیکَ لَہٗ فِی الوُجُود'' دوسرا رُخ اس اجمال کی تفصیل ہے جو مظاہر و تعینات کے جلووں میں روشن ہے۔ ان تمام مظاہر ومجالی یا تعینات کا مرکز اعلیٰ اور مظہر اتم و اعظم روح محمدی ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) جو درحقیت حضرت واحدی اُحدی کی ایسی صورت ہے جو تمام کمالات الٰہیہ و کیانیہ کو جامع ہے اور یہی روح پُرفتوح محمد صلی اللہ علیہ وسلم اعتدالات کے سارے مراتب کی میزان کا واضع ہے۔ اعتدالات خواہ ملکی ہوں یا انسانی یا حیوانی۔ فی الحقیقت عالم و عالمیان اسی روح پُرفتوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اجزاء وتفاصیل ہیں۔ آدم وآدمیان سب کے سب آپ ہی کے مستحق تکمیل ہیں اور یہی وہ نکتہ ہے جس کی جانب سرکارِ دوعالم حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ فرمایا:

''اَنَا سَیِّدُ وُلدُ آدَمَ وَمَنْ دُوْنَہٗ تَحتَ لِوائی''

(یعنی میں آقاء و سردار ہوں اور آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ سب عالم انسانیت بھی میرے ہی جھنڈے تلے ہیں۔)

اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں بے نیاز ہیں، مستغنی ہیں تمام عالم و عالمیان سے مگر اس کے لاتمنا ہی اسماء وصفات سے ہر اسم وصفت ظہور کی متقاضی ہے کیونکہ مظاہر کے بغیر اسماء وصفات کا ظہور ممکن نہیں۔ الرزاق کا ظہور مرزوق کے بغیر، الراحم کا ظہور مرحوم کے بغیر اور الغفار کا ظہور مغفور کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ چنانچہ اسماء وصفات الٰہیہ کی طلب اور تقاضا نے جزئیات ومظاہر کو وجود بخشا۔

اب تمام اسماء وصفات اسم ذات اللہ تعالیٰ کے حیطہ کے اندر ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تمام آثار وموجودات سے پہلے حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وجود بخشا تاکہ وہ

خارج میں جامع اسماء وصفات الٰہیہ ہواور ان کا مظہر اتم ہو۔ وہ اپنی جامعیت اسم ذات کے ساتھ کُلّی مناسبت رکھے تا کہ تمام آ ثار وموجودات کے لیے کمالات بخشی اور فیض رسانی میں "**خلیفة اللّٰہ الاعظم**" ہواور ملکوت ارض، سماوات کا شہنشاہِ معظم ہو۔ (۱۰)

یہ ہے شرحِ حقیقتِ محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

(عید میلاد النبی کا بنیادی مقدمہ از شیخ الحدیث ابوالفتح نصر اللہ خان)

بھیا بسیٹھ بھیا اِک راکھا
بھید اپنوں ہیں جن جن بھاکھا

ہر آن تمام آ ثار وموجودات اور بے شمار تجلیات کا اظہار ہو رہا ہے۔ **كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ** ﴿۲۹﴾ (سورۃ الرحمٰن: آیت ۲۹) کے مصداق ہر موجود پر اس کی استعداد کے مطابق اسماء وصفاتِ الٰہیہ متجلی ہیں۔ ہر تجلی کا رنگ جدا ہے۔ اسی وجہ سے موجودات میں بوقلمونی ہے۔ انسان اگر چہ اسماء و صفات کا مظہر تام ہے مگر استعداد وصلاحیت میں اختلاف کی وجہ سے رنگ ظہور مختلف ہے۔ کوئی سیٹھ ہے، دولت مند ہے، کوئی اس کی دولت کا رکھوالا ہے، کوئی بادشاہ ہے، کوئی غلام ہے، کوئی رعیت ہے، کوئی حاکم ہے، کوئی محکوم ہے، ظہور کی ہر شان الگ ہے، ہر شانِ ظہور کا اپنا اپنا بھید ہے، اپنی اپنی زبان ہے جس سے وہ حمد وثنائے خالق میں مشغول ہے۔

بھاکا بھید نہ کاہو لیہا
لیہا کنہوں جن کلمہ کیہا

وجود کے اظہار کی بے شمار شانیں ہیں۔ ہر تجلی کا اپنا رنگ ہے اور ہر رنگ کا اپنا بھید اور اپنی زبان تسبیح ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے:

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۚ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۭ (سورۃ بنی اسرائیل: آیت ۴۴)

ترجمہ: ''اسی کی تسبیح بیان کر رہے ہیں ساتوں آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ کی حمد اور پاکی بیان نہ کرتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے۔''

چنانچہ موجودات میں اللہ تعالیٰ کی ان گنت شانوں کے ظہور کا راز کسی نے نہ پایا۔ بس وہی لوگ اس راز کو سمجھ سکے جنہوں نے کلمہ طیبہ پڑھا اور رازِ توحید کو سمجھا۔

کہہ　کلمہ　بدھ　ایک　سمانا

ایک　جان　سب　آپ　بھلانا

کلمہ توحید پڑھ کر راز توحید سمجھ میں آ جاتا ہے۔ دستورِ حیات اور غایت تخلیق کائنات سمجھ میں آ جاتی ہے کہ آثار و موجودات کائنات سب اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کی تجلیات کا ظہور ہیں۔ پتے پتے اور ذرے ذرے سے اللہ وحدہٗ لاشریک کی شانوں کا ظہور ہو رہا ہے۔ انسان اس کائنات کا ذروۂ سنام ہے تجلیات الٰہیہ کا جامع اور اظہار تام ہے۔ اسے ان موجودات سے اللہ تعالیٰ کی معرفت اس طرح حاصل کرنا ہے کہ اُسے یقین ہو جائے اور مشاہدہ کاملہ نصیب ہو جائے کہ تمام آثار و موجودات ذات الٰہیہ میں گم ہو جاتے ہیں۔ تمام کائنات میں وجود حقیقی صرف واجب الوجود ہی ہے حتیٰ کہ انسان خود بھی اسماء و صفات کی تجلیات کا مظہر ہے اور حقیقت میں یہ سب کارگہ خلق اللہ ہی کا ظہور ہے۔ معرفت تامہ یہی ہے کہ انسان اپنی ذات کی نفی کر کے وجود حقیقی ہی کو ہر طرف دیکھے۔

تجھ　کو　احمدؐ　احد　پٹھاوے

صفت　صلوٰۃ　جو　کہوں　پناوے

اللہ تعالیٰ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو احمد کہہ کر ان کی توصیف بیان کرتے ہیں۔ احمد (مبنی للمفعول) یعنی بہت زیادہ تعریف کیا گیا۔ ایسی ہستی جس کی خاطر اللہ تعالیٰ تمام جہانوں کو تخلیق کریں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور پاک ہی سے سب

موجودات تخلیق پائیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے ذکر کے ساتھ جس کا ذکر بلند کریں بلکہ ذات کریم و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا اور خوشی کی خاطر ان کا ذکر تمام عالموں میں بلند کر دیں۔

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ؕ (سورۃ الانشراح: آیت ۴) (ہم نے تیری خاطر تیرا ذکر بلند کیا)

ان سے بڑھ کر توصیف و تعریف کے لائق اور کون ہوگا۔ ظاہر ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر دُرود و رحمت بھیجتے ہیں۔ یقیناً ان (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے علاوہ کوئی ایسی مدحت و ثناء کے لائق ہے ہی نہیں۔

پھواک بھید چہاروں بوجھا
تب سے سادھو جگ میں سوجھا

موجودات کی حقیقت اور غایت تخلیق کائنات کو کسی حد تک چاروں اصحابِ کبار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سمجھا ہے۔

یہ حقیقت ہے اُمت مسلمہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان دین اسلام کو اپنی پوری شان اور آب و تاب کے ساتھ پہنچانے کا سچا اور ٹھوس یعنی مکمل واسطہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں۔ یہ وہ ہستیاں ہیں جنہوں نے جو کچھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا اس کو عملاً اور قولاً اُمت تک پہنچایا اور اس میں کچھ کمی بیشی نہ کی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی لیے فرمایا ہے کہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔ اسی لیے محدّثین نے ایک اُصول وضع کیا ہے: "الصحابۃُ کُلُّھُم عُدولٌ" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دین لے کر اُمت تک پہنچانے میں سب صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین عادل ہیں یعنی سچے ہیں۔ انہوں نے بغیر کسی کمی بیشی کے دین اُمت تک پہنچایا اور خلفائے راشدین کا زمانہ تو ویسے بھی خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کہلاتا ہے۔ لہٰذا یہ چاروں اصحاب بدرجہ اولیٰ سرچشمہ ہدایت ہیں۔

تمام سلسلہ ہائے تصوف اپنا تعلق حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جوڑتے ہیں اور تصوف اسلامی چودہ سو برس سے پوری دنیا میں انسانیت کے لیے تطہیر قلوب وعمل کا ذریعہ ہے۔

مول محمدؐ باگ کو سوگت اپرم پار
چار چمن چھوں میت ہیں اوبیلی سنسار

تمام جہانوں کے باغ یعنی سب موجودات کی جڑ اور بنیادی حقیقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں جو باعث تخلیق کائنات ہیں اور بقول قافلہ سالارِ عشاق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم حضرت نور محمد عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ کے۔

وَصَلَّ اللّٰهُ عَلٰی نُورٍ: کز وشد نور ہا پیدا

یعنی اس نورِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام ہوں جن کے نور سے جہانوں کے انوار پیدا ہوئے۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ موجودات میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے تمام اسماء وصفات کے مظہر کامل ہیں ان کی شانوں اور ان کی صفات عالیہ کا کیا شمار کیا جاسکتا ہے یہ تو احاطہ حصر وقیاس سے بہت بلند ہیں۔ پھر چاروں اصحاب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کائنات کے باغ کی چار کیاریاں ہیں۔ چاروں ہی دوست ہیں اور باغ عالم کی بیل پر کھلنے والے خوشنما پھول ہیں جن کی مہک سے سارا عالم سرشار ہے جن سے ظاہر ہونے والا نورِ ہدایت اور جن کی سیرتوں کے عملی نمونے تا قیامت انسانوں کے لیے راہنمائی اور ہدایت کے روشن مینار ہیں۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

بند نمبر ۷

چار چمن کی کتھا بکھانوں تو کچھ کہوں جو کہہ کچھ جانوں
جنہہ بہا سوبھا سوبھا ہوئی تنہہ سوبھا دیوے کیا کوئی
ایک مول سے چاروں باہو چھوں ایک دوسر نہیں کاہو
چھوں سودہے اکسے ہیں چاروں انتر ایک پے بھیکھ نیارو
ایکو چار اکسے ہیں چارو ایک ایک ویسے چھوں یارو
سوبھا ونت مہادی چارا جن سوبھا سبھ جگ نِستارا

کہوں بھیاباگ محمدیؐ کہوں چمن چھوں میت
کیوں تو جگ بیلی بھیا سیت سیام کہوں بیت

فرہنگ

کتھا: کہانی۔ بکھانوں: بیان کروں۔ بہا: چمک، خوبصورتی۔ سوبھا: تعریف، جلوہ، آرائش۔ باہو: بازو، شاخ، سود ہے سچے۔ انتر: باطن۔ وَنت: مالک۔ مہا: بزرگ برتر۔ دی: دَین، عطا۔ نستارا: نجات دی۔ سیت: سفید۔ سیام: کالا، کشن جی کا لقب۔

ترجمہ

"(باغ عالم کی) چار کیاریوں کی کہانی بیان کروں۔ مگر بیان تو تب کروں جب ان (پھولوں کی) کیاریوں کے متعلق کچھ میں خود جانوں۔

(یہ وہ چار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں) جن کے روشن کردار کی واہ واہ ہر طرف ہوئی۔ ایسے (مثالی کردار جن کی تعریف تمام جہان والے کریں) ان کی تعریف مجھ جیسا کوئی کیا کرسکتا ہے۔

(یہ چاروں اصحاب) گویا ایک ہی جڑ بنیاد کے دست و بازو ہیں۔ (اگر ان کی بنیاد دیکھو) تو یہ چاروں ایک ہی ہیں ان میں دوسرا پن ہے ہی نہیں۔

چاروں اصحاب بہت سچے (عمل کے کھرے) ایک ہی مرکز کی شاخیں ہیں ان چاروں کا باطن ایک ہے مگر ظاہری بھیس الگ الگ ہے۔

یہ چاروں اصحاب ایک ہی ہیں (کردار و عمل سب کا بہت خالص) اور ایک ہی نور کی کرنیں ہیں۔ یعنی چاروں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے فیضیاب ہیں۔ دیکھنے میں جدا جدا مگر ان کا مرکز ہدایت ایک ہی ہے۔

مالک (اللہ تعالیٰ) نے ان چاروں کو بہت بڑی شان اور اعلیٰ صفات دی ہیں۔ ایسی شان و کردار جس کے نورِ ہدایت سے سب جہان نجات پا گیا۔

(اللہ تعالیٰ کے ظہور کی شانیں) کہیں تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو باغ عالم بنا دیا (عالم کے ظہور کا سبب بنا دیا) اور کہیں (اللہ تعالیٰ نے) باغ عالم میں ان چاروں اصحاب (کو اس باغ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم) میں پھولوں بھری کیاریوں کا روپ بخشا اور یہ چاروں ہی (توحید و رسالت کے) عاشقوں کے قافلہ سالار ہیں، کہیں خدائے عز و جل نے باغ عالم کی بیل میں ظہور کیا، کہیں سیاہ اور سفید محبوب کا روپ دھارا ہے اور کہیں خود مجسم عشق ہے۔"

شرح

یہ اشعار خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی تعریف اور توصیف میں ہیں۔ دنیا ایک باغ ہے۔ جس کے روحِ رواں سرکارِ دو عالم حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چاروں اصحاب اس باغ عالم میں پھولوں کی چار کیاریاں ہیں۔ حضرت میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان اصحاب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام و مرتبہ اتنا بلند ہے کہ عام آدمی کے لیے اسے سمجھنا ہی مشکل ہے۔ چہ جائیکہ ان عظمت کے پہاڑوں کا مقام و مرتبہ اور ان کی تعریف و توصیف بیان کی جائے۔

یہ ہستیاں تو وہ مقبولان دربارِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہوں نے دربار رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے براہِ راست فیض پایا۔

عظمت و بلندی کردار کے کوہِ گراں کہ کلام ربی ان کی توصیف بیان کر رہا ہے۔

ان ذواتِ مقدسہ نے عالم انسانیت کے لیے کردار و عمل کے وہ نمونے چھوڑے کہ تمام عالم ان کی شان میں رطب اللسان ہے۔ ان کے نور سے تمام عالم منور ہو رہا ہے۔ چنانچہ ان پاک ہستیوں کی تعریف کما حقہ کیسے بیان ہو سکتی ہے۔ یہ چاروں اصحاب مکرم ایک ہی جڑ اور بنیاد کی شاخیں ہیں۔ یہ چاروں اپنے کردار و عمل میں ایک ہی ہیں ان میں کوئی دوسرا پن اور غیریت نہیں، ایک ہی نورِ رسالت کی کرنیں ہیں یہ چاروں۔

یہ چاروں اصحاب اپنی سیرت میں بہت سچے اور کردار کے پکے ہیں۔ نورِ ہدایت کے ایک سے ہی چاروں چشمے ہیں۔ جیسا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں تم ان میں سے جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔ یہ چاروں ہستیاں اگر چہ ظاہر میں اپنا الگ الگ وجود اور روپ رکھتے ہیں مگر ان کا باطن ایک ہی ہے اور ایک ہی نور سے منور ہے۔ اصل میں یہ چاروں ایک ہی بارگاہِ نبوت سے فیضیاب ہیں اور آپس میں بھی متحد و یکجا ہیں۔ یہ چاروں لوگ ایک سے ایک بڑھ کر ہیں اپنے سیرت و کردار میں۔

اللہ تعالیٰ نے ان چاروں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ورضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو اس قدر بلند مراتب اور اعلیٰ سیرت سے نوازا ہے کہ ایک عالم ان کے نور سے منور ہے۔

یہ ہدایت کے ایسے سرچشمے ہیں کہ ان کی وجہ سے ایک عالم ہدایت پا گیا اور نجات یافتہ ہو گیا۔

یہ تمام عالم موجودات اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کی تجلیات سے منور اور اس کی ہر آن مختلف شانوں کی آماجگاہ ہے۔

اس عالم موجودات اور عالم ارواح کے لیے وجہ ظہور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کو بنایا۔ یہ باغ عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیض سے بہرہ مند ہے اور اس باغ میں آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چاروں صحابہ کبار اس باغ عالم کی پھولوں بھری چار کیاریاں ہیں اور چاروں حسن توحید و رسالت کے پروانے اور عشق کے نغمہ سرمدی سے سرشار ہیں۔ اس کارگہِ ابداو خلق میں حسن معبود حقیقی کہیں باغ عالم کی بیل اور جڑ ہے کہیں یہ حسن تمام سیاہ و سفید شانِ محبوبی سے ظاہر ہے اور کہیں مجسم عشق بن کر اپنے ہی اوپر فدا ہے۔

بند نمبر ۸

چھوں کیاری کا ایکو مالی بہہ رنگے اِت چتر کھیالی
کہوں مالی کا بھیکھ بن آوے جگت باگ بہہ بھانت لگاوے
کہوں راجا کہوں داس کہاوے اپنے کاج کو آپے دہاوے
کہوں اَگم کہوں نکھ پچھانے کہوں تو جان بوجھ نہیں جانے
کیوں اوہوت کہوں گھر باری یہ گت اَچرج سنو بھکاری

یہ گت اچرج کٹھن ہے لکھن ہار گئے ہار
روپ ریکھ بن بھیکھ دھر تا کی کیا بچار

فرہنگ

بہہ رنگی: انواع و اقسام کے رنگ و روپ۔ چتر کھیالی: ہوش مندی پر مبنی خیال۔ داس: غلام۔ کاج: کام۔ آپے دھاوے: خود ہی چلاوے۔ اگم: پوشیدہ۔ نکھ: ظاہر۔ اوہوت: بے گھر۔ گھر باری: گھر بار والا۔ گت: شان۔ اچرج: عجیب۔ بھکاری: فقیر، درویش۔ کٹھن: مشکل، نہ سمجھ میں آنے والا۔ ریکھ: نشان، علامت۔ تا کی: اس کی۔ بچار: سوچ، پہچان۔

ترجمہ

''چاروں صحابہ کبار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جو (کائنات کے باغ میں) (پھولوں کی) کیاریاں ہیں۔ ان کا مالی (باغبان) ایک ہی ہے۔ (اس مالی نے عالم کے باغ کو) بہت سے رنگوں سے (سجایا ہے) (اس باغ عالم کی تخلیق اور اس کی دیکھ بھال) مالی کی انتہائی اعلیٰ حکمت گری ہے۔

(اللہ تعالیٰ اپنی اَن گنت شانوں سے موجودات میں ظہور فرماتا ہے) کہیں (باغ عالم کے) مالی کا روپ دھار کر ظاہر ہو رہا ہے اور اس عالم موجودات کے باغ کو ان گنت

طریقوں سے وجود بخشتا ہے۔ یہاں ساری انواع واقسام، موجودات ہیں، مظاہر فطرت کی بوقلمونی ہے۔

کہیں راجا اور حکمران کا روپ ہے، کہیں غلام کے بھیس میں ظاہر ہے۔ اپنے کام (اپنی ربوبیت کے کارخانے کو) خود ہی چلا رہا ہے۔

کہیں ذات واجب الوجود پوشیدہ ہے اور کہیں آثار وموجودات کے ظواہر میں جلوہ افروز ہے، کہیں جان بوجھ کر انجان بنا ہوا ہے۔

کہیں خانہ بدوشوں کی شکل میں ظہور ہے اور کہیں گھر بار والوں میں نظر آتا ہے۔

(موجودات عالم میں اسماء وصفات الٰہیہ کی تجلیات کی جلوہ گری کا راز) اس کی یہ شان بہت عجیب ہے (غور کرنے والے) درویشوں کے لیے۔

(ذات وصفات حق کے ظہور کی شانوں) کا احوال سمجھنا بہت مشکل ہے۔ اس موضوع پر لکھنے والے لکھ لکھ کر ہار گئے (مگر حق ادا نہ ہوا) جس ذاتِ واجب الوجود کا کوئی روپ اور نشان نہ ہو (حتیٰ کہ اطلاق سے مبرا ہو) اس کے متعلق کیا سوچ بچار کی جا سکتی ہے۔ اگر لکھن ہار پڑھا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ معرفت ذات حاصل کرنے کیلئے کوشش کرنے والے اپنی سی کر کے تھک ہار گئے مگر اس میں کامیاب نہ ہوئے۔

شرح

چاروں اصحابہ کبار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین باغ عالم کی چار پھولوں کی کیاریاں ہیں جن کا مالک اور رکھوالا وہی رب یکتا ہے جو خود اس باغ کا مالی ہے جس نے اس کائنات کو تخلیق کیا ہے۔ یہاں جمادات، نباتات اور حیوانات کی طرح طرح کی انواع واقسام سے اسے سجایا ہے۔ اس کائنات کی ربوبیت اس حسن انتظام سے کر رہا ہے کہ دیکھنے والے کی آنکھ اس کارخانہ حیات کی ہم آہنگی پر حیران رہ جاتی ہے۔ قرآن کریم کائنات کے اختلاف رنگ و بو اور عالم خلق کے افراد کے درمیان ہمہ گیر ہم آہنگی اور ان پر مشتمل موجودات عالم کے ایک بڑے بلانقص نظام کو یوں بیان کرتا ہے:

الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ۝۳ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّ هُوَ حَسِیْرٌ ۝۴

(سورۃ الملک: آیت ۳-۴)

ترجمہ: ''وہ ذات جس نے سات آسمان اوپر تلے پیدا کیے تو خدا کی اس صنعت میں کوئی خلل نہ دیکھے گا۔ سو تو ایک بار پھر نگاہ ڈال کر دیکھ لے کہیں تجھ کو کوئی خلل نظر آتا ہے؟ پھر بار بار نگاہ ڈال کر دیکھ، آخر کار تری نگاہ ذلیل اور درماندہ ہو کر تیری طرف لوٹ آئے گی۔''

یہ کارگہِ خلق و موجودات اللہ کی صنعت و کاریگری کی بے مثال علامت ہے جس کے ایک ایک ذرے میں اس خلاق عظیم کے اسماء و صفات کی تجلیات جلوہ ریز ہیں۔ وہ اپنی شانوں کا اظہار اس قدر مختلف اور بے شمار پیرایوں میں کرتا ہے کہ انسانی ذہن و فکر کو اپنی شکست تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں رہتا۔ موجودات عالم میں اس کی تجلیات کہیں ربوبیت عالم کا رنگ لیے ہوئے ہیں یعنی وہ اس باغ عالم کے مالی کا روپ دھارے ہے اور اس باغ میں اختلاف رنگ و بو اور موجودات میں انواع و اقسام سے ایک ہمہ گیر حسن کا اظہار ہو رہا ہے۔

اس کارگہِ حیات کو چلانے کے لیے ایک راجا ہے تو دوسرا غلام ہے، ایک حاکم ہے دوسرا محکوم ہے۔ انسانی درجات و مقامات میں فرق نظم دنیا کے لیے ضروری ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کا حصہ ہے۔ ایسی حکمت جس کے تحت وہ خود ہی اس کائنات کا نظام چلا رہا ہے۔

آثار و موجودات کے تمام عالموں میں اسماء و صفات حق کی تجلیات کے ظہور کی شدت کا یہ عالم ہے کہ ذات حق پردۂ ظہور کی شدت میں گم ہوگئی ہے جیسے سورج کی کرنوں کی

شدت سورج کو چھپالیتی ہے۔ افعال ذات حق کی گہرائی اور گیرائی فکر انسانی کی حدود سے ماورا ہے۔ کہیں شدت اظہار میں ذات گم ہے اور کہیں مقام ذات واحدیت میں تمام آثار و موجودات اور اسماء وصفات گم ہیں یہ سب اُسی مالک کی شانیں ہیں۔ ذات میں گم ہو تو حد اطلاق سے پرے اور مقام واحدیت سے اظہار تفصیل مطلوب ہو تو کائنات کے پتے پتے اور ذرے ذرے پر نظر اور ایسا لطیف وخبیر کہ عالم و مافیھا سب اس کے سامنے عیاں ہیں۔ دیکھو قرآن کیا کہتا ہے:

یٰبُنَیَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِیْ صَخْرَةٍ اَوْ فِی السَّمٰوٰتِ اَوْ فِی الْاَرْضِ یَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِیْفٌ خَبِیْرٌ ﴿۱۶﴾

(سورۃ لقمان: آیت ۱۶)

ترجمہ: ''اے بیٹے! اگر کوئی عمل رائی کے دانہ کے برابر ہو پھر وہ کسی پتھر کی چٹان کے اندر ہو یا وہ آسمان کے اندر ہو یا وہ زمین کے اندر ہو تب بھی اس کو اللہ تعالیٰ حاضر کر دے گا، بے شک اللہ تعالیٰ باریک بین وخبردار ہے۔''

اس کی شان بے نیازی ایک یہ بھی ہے کہ وہ سب کچھ جان بوجھ کر بھی کسی وقت انجان بن جاتا ہے۔ یعنی وہ انسان کو اپنے اصول مشیت کے تحت ڈھیل دیتا ہے۔ مہلت دیتا ہے کہ اس کا بندہ کسی وقت بھی برائی چھوڑ کر راہِ راست پر آجائے۔ یہ دنیا ایک امتحان گاہ ہے اور حیات انسانی مہلت ہے اور مالک حقیقی نے اپنے بندے پر فسق و فجور اور تقویٰ سب کی حقیقت واضح کر کے اسے اختیار دیدیا ہے کہ جو راستہ اختیار کرنا چاہے کر لے مگر آخرت میں اسے اپنے ہر ہر عمل کی جوابدہی کرنا ہوگی۔

عالم موجودات میں اس کی شانوں کا ظہور کہیں خانہ بدوشوں کے رنگ میں ہو رہا ہے کہیں گھر بار والوں کی شکل میں۔ ذاتِ خداوندی کی مختلف شانوں کے موجودات میں ظہور کے راز کو سمجھنا درویشوں اور اہل حق کے لیے بھی بہت مشکل ہے۔

ذات وصفات حق تعالٰی کے اظہار اور ان کے اسرار تو ایسا معاملہ ہیں جس پر لکھنے والے لکھ لکھ کر تھک ہار گئے۔ ایسی ذات جس کے شئون ہر لمحہ نئے ہوں۔ ''کُلَّ یَوۡمٍ ھُوَ فِیۡ شَانٍ'' جو اسماء وصفات کے پردوں میں چھپ کر حد ادراک و اطلاق سے وراء ہے جو واجب الوجود ہے مگر اس کا چہرہ کیسا ہے وہ خود کیسا ہے اس کی معرفت تامہ کیونکر حاصل ہو۔ یہ ایسی منازل ہیں جنہیں بہت سارے لوگ سر کرتے کرتے خود ختم ہو گئے مگر اس بے نشان و بے حد کی کنہ نہ پا سکے۔ ایسی ذات جس کی شانیں حد قطار و شمار سے پرے ہوں جس کے اسماء وصفات کے احاطہ سے فکر انسانی عاجز ہو۔ اس کے متعلق کیا بیان کیا جا سکتا ہے۔

تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا
بس جان گیا میں، تری پہچان یہی ہے

لامحدود ذات کو ادراکات و محسوسات کی پابند ذات کیسے سمجھے۔ وجودِ بسیط کو وجود کثیف کیسے احاطہ فکر میں لائے۔ قرآن خود فرماتا ہے:

قُلْ لَّوْ کَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّکَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ کَلِمٰتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾

(سورۃ الکہف: آیت ۱۰۹)

ترجمہ: ''آپ ان سے کہہ دیجئے اگر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لیے سمندر کا پانی روشنائی کی جگہ ہو تو میرے رب کی باتیں ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائے گا۔ (اور باتیں احاطہ میں نہ آئیں گی) اگرچہ اس سمندر کی مثل اور سمندر اس کی مدد کے لیے ہم لے آئیں۔''

بند نمبر ۹

گیان لہر جیوں جیوں جی آوے   بھرم بیل ڈھونڈے نہیں پاوے
گیان لہر نے بھرم مٹایا   گیان لہر یہ نام جو پایا
گیان لہر جاکے جیو آوے   سو جگ باگ کا بھید بتاوے
گیان مول ہے لہریں ساکھا   گیان لہر یہ نام جو راکھا
گیان لہر رس جو کو پیوے   سکھ من رہے سدا اوہ جیوے
گیان لہر کو جے کوئی جانے   ایک انکار کو سو پچھانے
گیان لہر یہ نام ہے جو پانچے چت لائے
من میں اپجے ایکتا نکس دوسری جائے

فرہنگ

جاکے: جس کے۔ سو: وہی۔ گیان لہر: نورِ معرفت۔ بھرم بیل: وہم کی بیل۔ گیان لہر یہ: جسے نور معرفت مل جائے۔ جاکے: جس کے۔ سو: وہ۔ ساکھا: شاخیں۔ رس: شربت۔ سکھ من: سکون قلب۔ انکار: علامت وحدت۔ اپجے: پیدا ہو۔ نکس جائے: نکل جائے۔ بانچھا: (وانچھا) آرزو، خواہش، شوق۔ پانچے چت: (انتہائی توجہ، مراقبہ)۔ بانچنا: نہایت توجہ لگا کر معلوم کر لینا۔

ترجمہ

''نورِ معرفتِ حق جیسے جیسے باطن میں سماتا چلا جاتا ہے (موجودات جس میں کھو کر انسان اپنے رب سے غافل ہو جاتا ہے اس کے حقیقی ہونے کا) انسانی فکری دھوکہ ختم ہو جاتا ہے اور پھر یہ وہم ڈھونڈے سے نہیں ملتا۔

معرفت حق تعالیٰ (جب حاصل ہوگئی) تو دنیا کے متعلق غیر حقیقی نظریہ ختم ہوگیا۔
(اور یہ نعمت اس وقت حاصل ہوئی) جب (معرفت حق کے رنگ میں رنگے جانے کے بعد) نام ہی گیان لہریہ ہوگیا۔

جس کے من میں نور معرفت جاگ اُٹھتا ہے وہ اس عالم کے باغ کی حقیقت سمجھ جاتا ہے اور اس کا راز بیان کرنے لگتا ہے۔

نورِ معرفت حق تعالیٰ (نور کا ایک درخت ہے جس کی جڑ) جو ہر موجود کی بنیاد ہے اور موجودات خود گویا اس نور کے درخت کی شاخیں ہیں۔ (یہ حقیقت اس وقت واضح ہوتی ہے) جب نام ہی ''گیان لہریہ'' رکھ دیا جائے۔

شراب معرفت حق جو کوئی پی لیتا ہے وہ قلب مطمئنہ کا مالک ہو جاتا ہے اور (اپنی ذات سے فانی ہوکر) معیتِ حق سے سدا زندہ رہتا ہے۔

نورِ معرفت جس کے باطن میں چمک اُٹھا، وہی خدائے واحد و یکتا کو پہچانتا ہے۔
گیان لہریہ اُسے کہا جاتا ہے جو نہایت گہری توجہ یعنی اپنے حواس کے کامل ارتکاز کے ساتھ (معرفت حق) میں متوجہ ہو۔ جب نورِ وحدت من میں پیدا ہو جاتا ہے تو غیریت (کی جہالت) دور ہو جاتی ہے۔

شرح

حضرت میراں سید بھیکھ سرکار رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعری مجموعے کا مرکزی مضمون ہی معرفت حق تعالیٰ ہے۔ کارگہِ تخلیق کا مرکزی نقطہ حضرت انسان ہے جس کے لیے کائنات کی محفل اللہ تعالیٰ نے سجائی ہے۔ یہ جاننا چاہیے کہ آثار و موجودات جن کا ذروۂ سنام حضرت انسان ہے اللہ جل شانہ سے صادر ہوئے ہیں اور بالآخر اسی کی طرف لوٹ جائیں گے۔ گویا یہ ایک دائرے کا سفر ہے اس کا جو نکتہ ابتداء ہے وہی نقطہ اختتام ہے۔ اس کائنات میں حضرت انسان کا مقام و مرتبہ کیا ہے اس کے لیے قرآن کریم کی درج ذیل آیات پر غور کرنا ہوگا۔

(۱) هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا

(سورۃ البقرہ: آیت ۲۹)

ترجمہ: ''وہی تو ہے جس نے پیدا کیا تمہاری خاطر وہ سب کچھ جو زمین میں ہے۔''

(۲) اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَیْکُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً (سورۃ لقمان: آیت ۲۰)

ترجمہ: ''کیا تم نہیں دیکھتے کہ یقیناً اللہ نے مسخر کر دیا ہے تمہارے لیے ان سب چیزوں کو جو آسمانوں میں اور جو زمین میں ہیں اور پوری کر رکھی ہیں اس نے تمہارے اوپر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں۔''

درج بالا آیات قرآنیہ واضح طور پر بیان کر رہی ہیں کہ سب آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے اندر ہے وہ سب کچھ حضرت انسان کی خدمت کے لیے مسخر کر دیا گیا ہے یعنی انسان اس کائنات پر غلبہ حاصل کر سکتا ہے۔ قوائے فطرت کو اپنے کنٹرول میں لا سکتا ہے۔

یعنی تمام کائنات انسان کی خدمت کے لیے وجود میں آئی مگر حضرت انسان جو اس کائنات کی روح رواں ہے اس کا اپنا وجود کس لیے ہے۔ اس کا مقصد حیات کیا ہے۔ آیئے دیکھیں اس بارے میں قرآن کیا کہتا ہے:

(۱) اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِکْرِیْ (سورۃ طٰہٰ: آیت ۱۴)

ترجمہ: ''بے شک میں ہی میں خود اللہ ہوں۔ نہیں کوئی معبود مگر میں خود، پس میری ہی عبادت کرو اور قائم کرو نماز میری یاد کے لیے۔''

(۲) وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝۵۶

(سورۃ الذاریات: آیت ۵۶)

ترجمہ: ''اور نہیں پیدا کیا میں نے جن وانس کو مگر محض اس غرض سے کہ وہ میری عبادت کریں۔''

(۳) اِلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (سورۃ الملک: آیت ۲)

ترجمہ: ''وہی ذات ہے جس نے پیدا کیا موت اور حیات کو تا کہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں سے عمل کے لحاظ سے کون زیادہ اچھا ہے۔''

(۴) اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ۝۱۵۶ (سورۃ البقرۃ: آیت ۱۵۶)

ترجمہ: ''بے شک ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور اللہ ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔''

اگرچہ تمام کائنات حضرت انسان کے لیے بنائی گئی ہے مگر انسان کی زندگی کا مقصد اللہ کی عبادت ہے۔ موت اور حیات اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے اسی خاطر پیدا کی کہ وہ آزمائے کہ کون سا انسان اپنے اعمال کے لحاظ سے بہتر ہے۔

نماز اللہ کی عبادت کی بہترین شکل ہے اور اسی لیے فرمایا گیا کہ میں انانیت کبریٰ کا مالک ہوں، میں ہی ہوں اکیلا مستحق عبادت۔ لہٰذا میری یاد کے لیے نماز قائم کرو اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے درجہ احسان کی تعریف ہی یہ فرمادی کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم اُسے دیکھ رہے ہو۔ انسان اللہ کا بندہ ہے اس کا غلام اور عبد ہے۔ لہٰذا وہ اپنے مقام عبودیت سے کسی وقت بھی خارج نہیں ہوتا۔ چنانچہ اس کے قلب میں استحضارِ ذات خداوندی ہر لحہ رہنا چاہیے۔

هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ (سورۃ الحدید: آیت ۴) وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو۔ معیت ربی کا احساس اسی وقت گہرا ہوگا جب معرفت رب حاصل ہوگی۔ لہٰذا درج بالا کلام سے بخوبی واضح ہوگیا کہ انسان اس دنیا میں معرفت رب حاصل کرنے کے لیے آیا ہے۔

معرفت رب کیا ہے؟

کسی اہل اللہ سے دریافت کیا گیا معرفت کیا ہے؟ فرمایا:

''دل کا اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو مع اس کی تمام صفات واسماء کے صحیح طور پر معلوم کر لینا معرفت ہے۔ اس لیے کہ غلبہ، قدرت، دبدبہ اور عظمت محض ذاتِ باری کے لیے ہیں۔ وہ زندہ ہے، دائمی ہے اس جیسی کوئی چیز نہیں ہے اور وہ سمیع وبصیر ہے اور یہ سب کچھ بلا کیف بغیر مشابہت اور بغیر مثل کے ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ دل میں یہ عقیدہ بھی رکھا جائے اس کا کوئی مد مقابل نہیں، کوئی مثل نہیں اور کوئی سبب نہیں۔''

یوں بھی کہا گیا ہے کہ معرفت دراصل اللہ کی دین ہے۔ معرفت نار ہے اور ایمان نور، معرفت وجد ہے اور ایمان عطیہ۔

مومن اور عارف کے درمیان فرق یہ ہے کہ مؤمن اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ ''اِتَّقِ فَرَاسَةَ الْمُؤمِنِ هُوَ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰه'' (مؤمن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے) اور عارف خود اللہ کے ذریعے سے دیکھتا ہے۔ یعنی مومن تو اسماء وصفات تک ہی رہتا ہے اور عارف ذات حق کے ساتھ مشغول ہوتا ہے۔ مؤمن کا دل ہوتا ہے۔ عارف کا دل نہیں ہوتا۔ مؤمن کا دل اللہ کے ذکر سے مطمئن ہو جاتا ہے مگر عارف اللہ کے سوا کسی سے مطمئن نہیں ہوتا۔ (کتاب اللمع ص ۹۷، ادارہ تحقیقات اسلامی) (۱۱)

معرفت حق یہ ہے کہ بندہ اس کی وحدانیت کو اس طرح معلوم کرلے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس وحدانیت کو مخلوق کے سامنے پیش کیا ہے۔ یعنی موجودات پر تجلیات اسماء و صفات الٰہیہ کے ذریعے۔(۱۲)

عارف موجودات کے ہر فرد پر تجلیات الٰہیہ کا نظارہ کرتا ہے۔ ہر موجود میں اسماء وصفات کا اظہار دیکھتا ہے۔ حتیٰ کہ اسے اپنی ذات میں تجلیات حق کا ظہور ملتا ہے۔ بموجب قول الٰہی۔

سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَ فِيٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ (سورۃ حٰم السجدہ: آیت ۵۳)

ترجمہ: ''ہم انہیں اپنی نشانیاں دکھائیں گے آفاق میں اور خود ان کے لیے اپنے نفسوں میں حتیٰ کہ انہیں یقین حاصل ہو جائے گا کہ یہ (قرآن) حق ہے۔''

عارف جب کائنات کے ذرے ذرے میں تجلیات الٰہیہ کا نور دیکھتا ہے جب اپنی ذات میں بھی اُسی نور کو جلوہ گر دیکھتا ہے تو وہ پکار اُٹھتا ہے:

جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تو ہے

عارف موجودایت کی حقیقت کو سمجھ لیتا ہے کہ یہ سب اسماء وصفات الٰہیہ کی جلوہ گری ہے۔ موجودات کی اپنی حقیقت کچھ بھی نہیں یہ سب تجلیات الٰہیہ کے مظہر ہیں۔ غرضیکہ اعیان کی تجلیات سے وجود پا کر حضرت انسان اپنی زندگی میں رجوع الی اللہ کا مسافر ہوتا ہے۔ وہ سیر عروجی اور سیر الی اللہ کرتا ہوا اللہ ہی کی صفات کے رنگ و نور میں رنگا جاتا ہے۔ حقیقت انسانی بس یہی ہے کہ وہ اللہ ہی کی طرف سے آیا ہے اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانے والا ہے۔

شرح کلام

گیان لہر جیوں جیوں جی آوے　　بھرم بیل ڈھونڈے نہیں پاوے
گیان لہر نے بھرم مٹایا　　گیان لہریہ نام جو پایا

موجودات عالم اپنے وجود کے لیے اعیان ثابتہ کی تجلیات کے محتاج ہیں۔ یہ موجودات اپنا وجود ذاتی نہیں رکھتے بلکہ مظہر تجلیات اسماء وصفات الٰہیہ ہیں۔ عارف ذات حق جب تجلیات الٰہیہ کا ظہور کائنات کے پتے پتے میں مشاہدہ کرتا ہے حتیٰ کہ اپنی ذات میں بھی اسی نور کو جلوہ گر دیکھتا ہے تو پھر اسے موجودات عالم ایک سایے سے زیادہ کچھ نہیں لگتے۔ چنانچہ عارف کا باطن نورِ معرفت حق سے جیسے جیسے منور ہوتا جاتا ہے اس پر موجودات عالم کی حقیقت اور اس کا عارضی ہونا اسی قدر واضح ہوتا جاتا ہے۔ چنانچہ اس عارضی وجود والی دنیا کی دلچسپیوں سے عارف کا تعلق ختم ہو جاتا ہے اور عارضی وجود کا دھوکہ اُسے اپنے مالک حقیقی سے غافل نہیں کرسکتا۔ انسان اپنے غلبہ نفس کی وجہ سے اس کائنات کی دلچسپیوں میں کھو کر محبوب حقیقی کی معرفت اور یاد جو اس کی حیات کا مقصد اصلی ہے اس سے غافل ہو جاتا ہے۔ جب عارف کا باطن نورِ معرفت سے منور ہو جاتا ہے تو وہ ''گیان لہریہ'' بن جاتا ہے۔ پھر عارضی موجودات کو حقیقت دکھلانے والے نفس کا دھوکہ ختم ہو جاتا ہے اور معرفت حق کی منزل مل جاتی ہے۔

گیان لہر جاکے جیو آوے　　سو جگ باگ کا بھید بتاوے
گیان مول ہے لہریں ساکھا　　''گیان لہریہ'' نام جو راکھا

جب عارف کی روح نورِ معرفت حق سے منور ہو جاتی ہے تو وہ اپنے مشاہدہ سے ہر شے میں اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کی تجلیات دیکھتا ہے، اُسے نظر آ جاتا ہے کہ واحدانیت کے بحر بیکراں سے ہی موجودات عالم ظاہر ہیں اور اسی میں گم ہیں۔ چنانچہ عارف باللہ یہ حقیقت خوب سمجھ لیتا ہے کہ یہ سب کارگہِ خلق حق تعالیٰ کی تجلیات ہی کا مظہر ہے اور ہر موجود حق نما ہے حتیٰ کہ اس کی اپنی ذات بھی۔ چنانچہ حقیقت ہے تو نورِ حق کی ہے، صفات و

اسماء کی تجلیات کی حقیقت ہے ظہور کا سبب اور بنیاد تو تجلیات ہیں۔ یہ موجودات گویا اس جڑ کی شاخیں ہیں اور اس نور کی کرنیں ہیں۔ یہ مشاہدہ اسی عارف کو نصیب ہوتا ہے جو نورِ معرفت میں رنگا جائے اور ''گیان لہریہ'' کہلانے لگے۔

گیان لہر رس کو جو پیوے ۔۔۔ سکھ من رہے سدا اوہ جیوے
گیان لہر کو جے کوئی جانے ۔۔۔ ایک انکار کو سو پچھانے

حیاتِ دنیوی میں انسان کے لیے سب سے بڑی دولت اطمینان قلب ہے۔ مال و دولت اور جاہ و اقتدار انسان کے لیے سکینت قلب کا باعث نہیں بنتے بلکہ اُلٹا بسا اوقات اپنے ساتھ مصیبتوں اور پریشانیوں کا ہجوم لے آتے ہیں۔ اسی لیے قرآن فرماتا ہے: اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (سورۃ الرعد: آیت ۲۸) خبردار! اطمینان قلب صرف اللہ کے ذکر سے ہی ملتا ہے۔ چنانچہ سیدنا میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس کے نصیب میں نورِ معرفت کا جام ہو جائے وہ تو قلب مطمئنہ کا مالک ہو جاتا ہے۔

ایسے شخص کے باطن میں جب سکینت آ جاتی ہے تو اس کے اعمال سے امن پھیلتا ہے اس کی فکر داعیٔ امن ہو جاتی ہے اور عالم انسانیت کے لیے وہ شخص سراپا خیر اور رحمت بن جاتا ہے اور پھر بقول قرآن کریم:

یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ

(سورۃ الفجر: آیت ۲۷-۳۰)

ترجمہ: ''یعنی اے نفس مطمئنہ تو واپس لوٹ اپنے رب کی طرف (اس حالت میں) کہ تو اپنے رب سے راضی اور تیرا رب تجھ سے راضی۔ پس میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں آ جا۔''

معرفت کا انعام قلبُ مطمئن، نفس مطمئنہ پھر اللہ پاک کی طرف سے اپنی بندگی میں قبول کر کے اپنی جنت میں داخلے کا اذن، مزید انعامات وخوشخبریوں کا ذکر سورہ حم السجدہ میں دیکھیے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ
عَلَیۡہِمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَ لَا تَحۡزَنُوۡا وَ اَبۡشِرُوۡا
بِالۡجَنَّۃِ الَّتِیۡ کُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ ﴿۳۰﴾ نَحۡنُ اَوۡلِیٰٓؤُکُمۡ فِی
الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ فِی الۡاٰخِرَۃِ ۚ وَ لَکُمۡ فِیۡہَا مَا تَشۡتَہِیۡۤ
اَنۡفُسُکُمۡ وَ لَکُمۡ فِیۡہَا مَا تَدَّعُوۡنَ ﴿ؕ۳۱﴾
نُزُلًا مِّنۡ غَفُوۡرٍ رَّحِیۡمٍ ﴿٪۳۲﴾

(سورۃ حم السجدہ: آیت ۳۰-۳۲)

ترجمہ: ''بے شک وہ لوگ جنہوں نے اپنے رب کا دل سے اقرار کیا اور اس پر جم گئے (درجات ایمان میں قلبی تصدیق معرفت کے نتیجے میں حاصل ہوتی ہے) ان پر فرشتوں کا نزول ہوتا ہے (سکینت اور اطمینان کے تحفے لے کر) (وہ کہتے ہیں) تم کوئی خوف نہ کھاؤ اور کوئی غم نہ کرو، تمہارے لئے خوشخبری ہے اس جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ہم تمہارے ساتھی اور مددگار ہیں اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور تمہارے لیے آخرت میں (جنت میں) وہ سب کچھ ہوگا جو تمہارے نفس خواہش کریں گے اور تمہارے لیے وہاں وہ سب کچھ ہوگا جس کا تم مطالبہ کرو گے۔ یہ سب انعام واکرام تمہارے رب غفور ورحیم کی طرف سے مہمان نوازی کے طور پر ہوگا۔''

اطمینان قلب اور سکینت کی انتہائی حدود کو انسان پا رہا ہوگا اس دنیا میں بھی فرشتوں کی مدد سے اور آخرت میں بھی۔

نورِ معرفت حق ہی خدائے واحد و یکتا کی پہچان کا ذریعہ ہے۔ اپنے مشاہدہ کو تجلیات حق سے منور کرنے والے ہی اللہ کی وحدانیت کا حقیقی ادراک رکھتے ہیں۔

گیان لہر یہ نام ہے جو بانچے چت لائے
من میں اپجے ایکتا نکس دوسری جائے

انسان کے حواس خمسہ اس کی معلومات کے دروازے ہیں جن سے وہ معلومات حاصل کرتا ہے اور عقل کے ذریعے ان معلومات کو قضیوں میں بدلتا ہے۔ حواس خمسہ سے حاصل شدہ انفرادی معلومات کو قضیوں میں بدل کر کلیات کی طرف فکری سفر طے کرتا ہے۔

اس کائنات کا اصدار ذات حق سے ہوا ہے اور ذات حق ہی کی طرف اس کائنات کا لوٹنا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات سے محبت اور اپنی بے پناہ کشش اس کائنات کے ذرے ذرے میں رکھی ہوئی ہے۔ اس کائنات کا اظہار صفات و اسماء الٰہیہ کی تجلیات کا نتیجہ ہے۔ اسی لیے اس پورے موجودات کے دائرے کا مرکزی نکتہ ذات خداوندی ہے۔ اپنی تجلیات سے موجودات کو اظہار عطا کر کے خود ذات نے موجودات کا پردہ پہن لیا ہے اور حضرت انسان کو اپنی اتھاہ محبت دے کر اس پر "یومنون بالغیب" کی شرط لگا دی ہے۔ اب یوم الست سے ہی روح انسانی مرقع حسن و جمال کی شیدائی بن چکی ہے۔ ذات اقدس کے لحن سرمدی نے اس کے تحت الشعور کے کانوں میں اپنا رس گھول رکھا ہے۔

اب اس دنیا کی رنگینیوں نے اگرچہ بھرم اور نفسانی دھوکے کے حسین جال بن رکھے ہیں مگر انسانی روح اور اس کا تحت الشعور اسی مرقع حسن و جمال کو دوبارہ دیکھنے کو بے تاب ہے اور اسی نغمہ سرمدی کی لے کو دوبارہ سننے کے لیے بے چین ہے۔ چنانچہ حضرت انسان کی کوشش یہی ہے کہ وہ اس کائنات کو جو کہ اُسی محبوب حقیقی کی شانوں اور تجلیات کی آماجگاہ ہے اس ظہور کے پردے کو ہٹا کر اپنے محبوب سے واصل ہو جائے۔ اس کائنات میں ہونے والی ہر حرکت اس محرک حقیقی کی پیدا کردہ ہے۔ ہر حرکت کرنے والی شے اُسی محرک حقیقی کی طرف رواں دواں ہے۔ ذرا دیکھو یہاں پر قرآن کیا کہتا ہے:

يَاأَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلَاقِيهِ ۞

(سورۃ الانشقاق: آیت ٦)

ترجمہ: ''اے انسان! تو زندگی کی بھاگ دوڑ میں مصروف اپنے رب کی طرف جارہا ہے اور (آخرکار) اس سے ملاقات کر کے رہے گا۔''

چنانچہ انسان دنیا میں ظہور کے پردوں میں چھپے ہوئے اپنے محبوب کی تلاش میں جب اپنی توجہ پوری طرح مرتکز کر کے مراقب ہوتا ہے تو اس کے مشاہدے میں موجودات کے پردے ہٹ جاتے ہیں اور وہ ذات حق کے مشاہدہ عظیم سے سرشار ہو جاتا ہے۔ پھر وہ شخص گیان لہریہ۔ یعنی نورِ معرفت سے منور ہو جاتا ہے اور جب معرفت کی حقیقت من میں جاگزیں ہو جائے تو ہر طرف ذات حق کا نور ہی نظر آتا ہے اور غیریت حق کا دھوکہ اور جہالت جو کہ نفس کی پیداوار ہے وہ قلب سے جاتا رہتا ہے۔

بند نمبر ۱۰

اب گیان لہر کے لہر سناؤں بہہ رنگی کے بھید سناؤں
کہوں جوگی ہوسرت لگاوے سن دیس میں رہا سمائے
ڈنڈ مندران تہاں نہ جھولے کھپر کنٹھا ناہ امولے
پن پاپ تہاں روپ نہ ریکھا میں توں تہاں نہ دوجا لیکھا
گگن دہرت دن تہاں نہ راتا چند سور نہ گوت نہ گاتا
تہاں تو ایک نہ کوئی دوجا اپنے آپ کرت ہے پوجا
لائی سرت اگادھ میں ہو جوگی کے بھیکھ
ایکا ایک ہے ایک ہے تہاں نہ جوگی سیکھ

فرہنگ

بہہ رنگی: ظہور کائنات کے مختلف رنگ۔ ڈنڈ مندراں: کانوں کا زیور، بالے ربالیاں۔ تہاں: وہاں۔ جھولے: بیگ، تھیلا۔ کھپر: جوگیوں کا کاسہ۔ کنٹھا: فقیر کا کڑا۔

ناہ: نہیں۔ امولے: قیمت لگائے۔ سرت لگائے: مراقب ہو جائے۔ سن دیس: ذات کا وطن، مقام ذات۔ پن: نیکی۔ پاپ: گناہ۔ روپ: چہرہ۔ ریکھا: لکیر، نشان۔ دوجا لیکھا: دوسرا حساب کتاب۔ گگن: آسمان۔ دھرت: زمین۔ راتا: رات۔ چند: چاند۔ سور: سورج۔ گوت: ذات، قوم۔ گاتا: بدن، جسم۔ کرت ہے: کرتا ہے۔ اگادھ: بے پایاں، بے کنار۔ سیکھ: شیخ۔

ترجمہ

''اب میں نور معرفت کی لہروں کی حقیقت بیان کرتا ہوں اور اس کائنات میں اظہار حق کے جو مختلف رنگ و روپ ہیں (اسماء وصفات کی بیکراں تجلیات اور شانوں) ان کا بھید سناتا ہوں۔

صفات الٰہیہ کے ظہور کی شانیں بے شمار اور بیکراں ہیں۔ کہیں جوگی بن کر گیان دھیان میں لگا ہوا ہے اور کہیں مراقبۂ ذات میں گم سم ہے۔

مقام احدیت میں (جہاں صرف ذات ہے اور کچھ نہیں، نہ اسماء نہ صفات نہ ان کی تجلیات، وہاں موجودات کا نام ونشان نہیں، اس مقام پر) جوگی ہے نہ اس کے کانوں کے مندرے اور بالے جھولتے ہیں نہ ہی جوگیوں کے کاسے اور کڑے کی کوئی قیمت (اہمیت) ہے۔

اس مقام احدیت میں نہ نیکی ہے نہ بدی ہے نہ کوئی روپ ہے نہ کوئی نشان، وہاں تو نہ میں نہ تو یعنی کوئی ذی نفس نہیں اور نہ ہی کوئی دوسرا حساب کتاب ہے۔

اس مقام پر نہ زمین نہ آسمان نہ دن، نہ رات، نہ ہی چاند، نہ سورج، نہ کوئی ذات اور قوم اور نہ ہی کوئی ذات اور قوم کا رکھنے والا۔

وہاں تو بس (احدیت ہی احدیت ہے) ذات ہی ذات ہے اور کوئی دوسرا نہیں۔ وہ اپنی ذات میں خود ہی موجود ہے۔ گویا آپ ہی معبود ہے اور آپ ہی عابد۔

(جب دنیا کی دلچسپیوں کو تیاگ کر) درویش نے احدیت کے بحر بیکراں میں غور کیا (تو مشاہدہ ہوا) کہ وہاں تو ایک ہی ایک ہے، وہاں نہ کوئی جوگی ہے نہ کوئی شیخ ہے۔''

شرح

اب گیان لہر کے لہر سناؤں بہہ رنگی کے بھید سناؤں
کہوں جوگی ہو سرت لگائے سن دیس میں رہا سمائے

اہل تصوف کے ہاں مراتب وجود، تنزلات وتعینات وغیرہ تخلیق کائنات کے ضمن میں بہت اہمیت کے حامل موضوعات ہیں اور فلسفہ وحدت الوجود جو اہل تصوف کی علمی، روحانی اور عملی کاوشوں کا میدان ہے ان کے کلام اوران کے ملفوظات اس ذکر کے بغیر مکمل نہیں ہوتے۔ یہ تمام مراتب ومقامات بالکل اعتباری اور علمی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے درجہ احدیت وھویت سے تعین اوّل یعنی درجہ وحدت میں اپنے آپ پر تجلی فرمائی۔ یہ علم ہے اپنے آپ پر نظر ڈالی، یہ نور ہے، اپنے آپ کو پایا یہ وجود ہے، اپنے ساتھ ظاہر ہوا یہ مشہود ہے۔ چنانچہ یہ علم ونور، وجود وشہود، مراتب ازلیہ ہیں، نہ کہ کونیہ حادثیہ۔ حق سبحانہ وتعالیٰ حدوث سے منزہ ہے جو کچھ تعین ثانی میں ہے وہ سب تعین اوّل میں ہے اور جو کچھ تعین اوّل میں ہے وہ سب ذات مطلق میں ہے۔ تعین اوّل وجود کا یہ سب سے پہلا ظہور ہے۔

حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس لحاظ سے ہے کہ یہ مقام حامل تجلی اوّل ہے۔ تخلیق کائنات، ارواح، نفوس، ملائکہ وغیرہ سے قبل ذات حق موجود تھی تو اس حالت کو مرتبہ احدیت یا لاتعین سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ مقام تنزیہہ ہے جو ہر قسم کے تقیدات و تعینات سے منزہ اور مبرا ہے۔ اس لیے مراتب وجود میں پہلا مرتبہ ذات لاتعین اور احدیت ہے جسے ذاتِ بحت ازل الازلال اور مرتبہ ھویت سے موسوم کیا جاتا ہے۔ دوسرا مرتبہ وجود تجلی اوّل ہے جسے تعین اوّل کہا جاتا ہے جو کہ حقیقت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ظہور ہے۔

ذات کا پہلا تعین خلاق عالم کی اوّلین تخلیق موجود ومبدع کی سب سے پہلی ایجاد، خالق اکبر کا خلیفہ اکبر، انسان کامل، مظہر ذات اللہ، جوہر نورانی بلحاظ جوہریت نفس واحدہ، بلحاظ نورانیت عقل اوّل، روح اعظم، بحر ذخار کا دُرِ شاہوار، صناع عالم کی صفت کا بہترین شاہکار، اوّل الرسل، خاتم الانبیاء، سرور کائنات وموجودات، سبب تخلیق عالم ہے۔

(الٰہیات، تصوف اور علم الکلام، صفحہ ۵۰،۴۹)(۱۳)

اعیان ثابتہ کیا ہیں؟

موجودات کی حقیقت جو کہ علم الٰہی میں ثابت ہے اسے اعیان ثابتہ کہا جاتا ہے۔
اعیان ثابتہ مخلوقات اور حقائق کونیہ پر اسماء وصفات الٰہیہ کی تجلی ہے۔ (جس سے موجودات ظہور پذیر ہوتے ہیں)

تمام موجودات عالم یا عالم مشاہدہ کے تمام ظواہر کے بواطن یا ان کی حقیقت علم الٰہی میں ابدی ہے۔ تمام موجودات خارجی اپنی ہستیوں کے ساتھ ذات حق کے تعینات اور اسمائے حسنیٰ کا پرتو ہیں۔

اعیان ثابتہ اور تجلیات سب کی سب اللہ تعالیٰ کی طرف مستند اور اُسی کی ذاتِ مقدسہ سے منزح اور مفہوم ہوئی ہیں۔ موجود بالذات صرف اور صرف ذاتِ حق تعالیٰ ہے۔

اسم اللہ تمام مخلوقات واعیان ثابتہ پر مؤثر ہے اور تمام اعیان ثابتہ اس سے متاثر و منفصل ہیں۔ اس کے مظاہر ہیں۔ اسم اللہ بمعنی ''شان الوہیت'' کا مظہر عین الاعیان یا عین کلی عین محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ یہ عین الاعیان جب خارج میں موجود ہوگا تو انسان کامل ہوگا۔ عین الاعیان یعنی عین محمدی پر جس کی تفصیل تمام اعیان ہیں اسم اللہ کی تجلی ہوتی ہے جو جامع ہے۔ (اسی لیے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام اسماء وصفاتِ الٰہیہ کا مظہر اتم کہا گیا) ہر ایک عین ثابتہ پر اسماء کی خاص تجلی ہوتی ہے جس طرح ایک عین ثابتہ دوسرے عین ثابتہ سے ممتاز ہے اسی طرح ایک تجلی دوسری تجلی سے ممتاز ہے۔ صوفیاء کے محاورے میں تجلی الٰہی کو رَب اور عین ثابتہ کو مربوب کہتے ہیں۔ عین ثابتہ اور اس کو جو تجلی

نمایاں کرتی ہے ان میں توافق اور تطابق ہے، ہر ایک عین اپنے رب سے متاثر اور منفصل ہے۔.........

تمام عوالم اعیان ثابتہ کے مظاہر و تمثلات ہیں۔ عالم کو حق تعالیٰ سے وہی نسبت ہے جو سائے کو شخص سے ہے۔ پس عالم ظل اللہ ہے اور یہی نسبت عالم کو وجود سے ہے۔

شیخ اکبر ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عالم حواس میں جو کچھ ظاہر ہے وہ اعیان ثابتہ کے احکام و آثار ہیں نہ کہ خود اعیان ثابتہ جو علم الٰہی میں جوں کے توں موجود ہیں اور موجود رہیں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ اعیان ثابتہ پر تجلی نہ فرماتا تو اعیان ثابتہ تو ظاہر نہ ہوتے اور نتیجتاً عالم وجود سے محروم رہ جاتا۔ پس تجلی الٰہی میں اعیان ثابتہ کے ظہور اور خارج میں ان کے احکام و آثار کے ظہور (عالم موجودات) کا باعث ہے۔ (۱۴)

(ماخوذ و منقول از الٰہیات، تصوف اور علم الکلام، مؤلفہ یونس خان ایڈووکیٹ، صفحہ ۶۵، ۶۶، ۶۷)

وحدت حقیقی سے کائنات کے صدور کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کیا فرماتے ہیں: ملاحظہ فرمائیں:

اس کائنات کا صدور ''وحدت حقیقی''، یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہوا ہے وہی اس کی ''صادرِ اوّل'' ہے۔ اس کائنات میں موجودات یا ممکنات ظہور پانے کے لیے اپنی تمام احتیاجات میں ''صادرِ اوّل'' کی محتاج ہیں۔ ہاں اس احتیاج کا تعلق وجود اقصیٰ کے ان شئون عالیہ میں سے جن کا تصرف تمام کائنات میں جاری و ساری ہے کسی ایک شان خاص سے ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر اس ''صادرِ اوّل'' اور ان تمام ظہوروں کو جو اس کے طرز پر وجود پذیر ہوں اسے اصطلاح صوفیہ میں تجلی سے موسوم کر دیں یا اُسے اسمائے حسنیٰ میں سے کسی اسم پاک کا نام دیدیں تو یہ یقیناً درست ہوگا۔

بعد ازیں اس صادرِ اوّل یعنی وجود میں درجہ بدرجہ تنزل واقع ہوتا ہے اور مراتب وجود میں جو ترتیب ہوتی ہے اگرچہ اس کی کنہ دریافت کرنا بے حد مشکل ہے لیکن اتنا یقینی طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ''تجلیات مطلقہ'' کی آخری تجلی تمام کائنات اور موجودات عالم کے ظہور میں آنے کا مبدأ اوّل اور سرچشمہ ہے۔

جملہ حقائق کائنات شخص واحد کی طرح ایک ہی نظام میں منسلک ہیں اور سب اقوام عالم تدبیر وحدانی کی معترف ہیں۔(۱۵)(ماخوذ از بدور بازغہ، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، صفحات ۳۲ تا ۳۶)

اب آتے ہیں شرح کلام کی طرف:

شرح کلام

عارفِ حق جب نور معرفت حق کی موجوں پر سوار ہو کر کائنات میں غور کرتا ہے تو تجلیات اسماء وصفات کا اثر موجودات میں ظاہر ہوتا ہوا مشاہدہ کرتا ہے۔آ ثار وموجودات کی بے شمار انواع واقسام، رنگارنگ مظاہر فطرت میں ایک ہی نور کی تجلی دیکھتا ہے۔

ظہور حق کی مختلف شانیں اس عارف حق کے مشاہدے میں آتی ہیں۔انسان ہی کو دیکھو تو اس کے کئی روپ ہیں۔ یہ سب ظہور کی شانیں ہیں۔کہیں وہ جوگی کے روپ میں مراقب ہے۔گیان دھیان میں لگا ہوا ہے۔کہیں مراقبہ ذات میں ایسا گم ہے کہ دنیا و مافیھا سے بے خبر ہے۔

ڈنڈ منداں تہاں نہ جھولے کھپر کنتھا ناہ امولے
پن پاپ تہاں روپ نہ ریکھا میں تو تہاں نہ دوجا لیکھا
گگن دھرت دن تہاں نہ راتا چند سور نہ گوت نہ گاتا
تہاں تو ایک نہ کوئی دوجا اپنے آپ کرت ہے پوجا
لائی سرت اگادھ میں ہو جوگی کے بھیکھ
ایکا ایک ہے ایک ہے تہاں نہ جوگی سیکھ

عارفِ حق راہِ سلوک میں جب سیر عروجی (سیر الی اللہ) کرتا ہوا مقام احدیت کا مشاہدہ کرتا ہے تو وہ خود سراپا حیرت بن جاتا ہے۔وہ ذات میں اسماء وصفاتِ تجلیات، آثار و موجودات، اعیان وممکنات سب کچھ ذات حق میں گم پاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ موجودات کا ہر ذرہ آیات اور علامات الٰہی سے ایک آیت اور علامت ہے جو وجودِ حق پر دال ہے۔تمام موجودات اسی کی تجلی کے نور سے منور ہیں۔

اُسی سے نمودار ہیں۔ تجلی ذات بحثیت اسماء وصفات ظہور اشیاء کا باعث ہے۔ تجلی ذاتی کا تقاضا یہی ہے تمام تعینات اس میں محو اور گم ہو جائیں جیسے تجلی حق بحثیت اسماء اور صفات سبب ظہور تعینات ہے ایسے ہی نور تجلی ذاتی رفع تعینات کا سبب ہے۔ عقل، علم، معرفت الٰہی کا وسیلہ نہیں ہو سکتے کیونکہ نورِ ذات مظاہر میں سما نہیں سکتا۔ پس دلائل کے وسیلہ سے معرفت حاصل نہیں ہو سکتی۔ عقل کی آنکھ مشاہدہ وحدتِ حقیقی سے عاجز ہے۔ بغیر ہدایت الٰہی مشاہدہ جمال ذوالجلال محال ہے۔ (۱۶) (الٰہیات وتصوف ص ۳۹)

سیدی ومرشدی الکریم حضرت میراں بھیکھ ہی اس مقام پر فرماتے ہیں:

ایہہ گت بھیکھ کہاں پچھانے
سو جانے جو آپ نہ جانے

(گیان لہر)

مقام احدیت میں تو اسماء وصفات، آثار وموجودات سب گم ہیں وہاں جوگی کا وجود اور اس کے بالے اور مندروں کا کیا ذکر۔ پھر اس کے کاسہ اور اس کے کنٹھے کی کیا قیمت ہو سکتی ہے۔ یہ سب عالم موجودات کی صفات ہیں۔ جس مقام پر موصوف نہیں تو صفات کہاں سے آئیں گی۔ جب انسان خود ہی موجود نہیں تو نیکی اور بدی کا ظہور کہاں سے ہوگا۔ روپ اور ریکھا۔ علامات کہاں ہوں گی نیکی اور بدی تو نتیجہ عمل ہیں۔ عامل ہی غائب ہے تو عمل کہاں اور نتیجہ عمل کہاں۔ نہ موجودات نہ اسماء وصفات یہ تو مقام احدیت ہے، مقام ھویت ہے، لاتعین ہے۔ یہ مقام تنزیہہ ہے جو ہر قسم کے تقیدات وتعینات سے منزہ ومبرا ہے۔

جب کائنات ہی گم ہے اس مقام پر تو آسمان اور زمین، دن رات کا کیا ذکر، نہ چاند ہے نہ سورج، نہ انسان کا وجود نہ اس کی ذاتیں اس مقام پر صرف اور صرف ایک ہی ذات ہے بلا شریک، بلا صفات کے۔ نہ یہاں کوئی عابد ہے تو معبود کہاں سے آئے گا۔ معبود کا وجود متقاضی ہے کہ اس کا عابد ہو۔ اس مقام پر ذات حق اپنی ہی ذات میں سب کچھ ہے۔ جب صفات کا اظہار نہیں تو صفات کے احکام وآثار کا اظہار کہاں سے ہوگا۔ عارفِ حق جب اپنی ذات وصفات کی نفی کرتا ہوا مقام احدیت میں غور کرتا ہے تو بس اُسے احدیت ویکتائی ہی کا مشاہدہ ہوتا ہے وہاں نہ جوگی ہے اور نہ ہی شیخ۔ بس ایک ہی ایک ہے۔

بند نمبر ۱۱

کہوں سنیاسی بھیا براری　　　کہوں ناگا کہوں بستر دھاری
کہوں تو کرت پڑھت سکھہ ساکہا　　　کہوں بدہاوت ہے نک ناکھا
کہوں تو بھسم بھبھوت چڑھاوے　　　ایک انکار سوں دھیان لگاوے
کہوں باکھتر پٹورا راکھے　　　کہوں بولے کہوں شبد نہ بھاکے
ہر مورت ہر دی نت راکھے　　　ہر چیت ہر ہر ہون ات بھاکے
ہر بن کہوں پڑے نہیں چنیاں　　　سرت چیت ہر ہر مکھ بَینا
لاوے بھسم بھبھوت کو انگا　　　نہاوے کوپ تال کہوں گنگا

سنیاسی اور کُر پرے دونوں دیے بہائے
سن دیسی میں بس رہے سوہنکار لگائے

فرہنگ

سنیاسی: تارک الدنیا، زاہد عابد، جوگی۔ براری: رسے پر کرتب دکھانے والا۔ ناگا: ننگا، بے لباس۔ بستر دھاری: لباس پہنے ہوئے۔ کرت: تصنیف کیا ہوا، لکھا ہوا۔ پڑھت: پڑھنے والا۔ سکھہ ساکھا: (امن، چین کی شاخ، امن کا اعلان کرر ہا ہے) بہت لکھا۔ بدہاوت: بتا تا ہے۔ نک ناکھا: بہت دکھ، تکلیف۔ بھسم: راکھ۔ بھبھوت: گوبر کی راکھ جسے جوگی جسم پر ملتے ہیں۔ ایک انکار: خدائے واحد و یکتا۔ باکھتر پٹورا: زبانوں کا پنڈورا۔ شبد: بھجن۔ نہ بھاکے: نہ بولے۔ ہر مورت: اللہ کا تصور۔ ہر دی: دل میں۔ ہر ہر ہون: اللہ اللہ کا ذکر۔ بھاکے: بولے۔ انگا: انگرکھا، قبا۔ کوپ: کنواں۔ تال: تالاب۔ ہنکار: ہانکا لگانا، چلانا، شور۔ کُر پالو: رحم کرنے والا۔ کُر پرے: سخی، دیالو۔ دیَا: محبت، عنایت۔ بہائے: پسند آئے۔ سو: اپنا۔ سوہنکار: اپنا ذکر، اپنے نام اور یاد کا شور۔

ترجمہ

''عالم شہادہ میں ظہورِ حق کی شانوں کا اظہار۔ انسانوں کے مختلف
روپ ان کے انداز، ذکر اور مراسم عبودیت کی مختلف اشکال میں۔''

کہیں تارک الدنیا سنیاسی بنا ہے کہیں بازیگر بن کر رَسّے پر کرتب دکھا رہا ہے، کہیں مست ملنگ بن کر ننگا ہی گھوم رہا ہے اور کہیں لباس کے اندر ہے۔

کہیں لکھے ہوئے شبد، صحیفے پڑھ کر امن چین کی بات سنا رہا ہے اور کہیں دُکھ بھری داستانیں سنا رہا ہے۔

کہیں جوگی کے روپ میں بدن پر راکھ مل کر بیٹھا ہے اور ایک ذات خداوندی میں گیان دھیان لگا رہا ہے۔

کہیں مختلف زبانوں کے ماہر کے روپ میں گویا اپنی زبانوں کی پٹاری رکھے ہوئے ہے۔ کہیں گفتگو کر رہا ہے اور کہیں کوئی بات ہی نہیں کرتا۔ (گم سم ہے)

کہیں (عارف ذات) کے روپ میں ہر وقت ذات حق کا تصور (ہر مورت) دل میں (ہر دی) بسائے رکھتا ہے اور ہر دم ہر سانس کے ساتھ اللہ کا ذکر کر رہا ہے۔

(کہیں فراق کے صدمے سے بے چین ہے) اور اُسے ذاتِ حق سے وصل کے بغیر آرام و سکون نہیں مل رہا۔ اس کی عقل، اس کا خیال غرض ہر ہر سانس سے آہ و فغاں بلند ہو رہی ہے۔

کہیں جوگی بن کر جسم پر راکھ مل رکھی ہے۔ کہیں قبا پہنے ہوئے ہے، کہیں کنویں اور تالاب پر نہاتا ہے اور کہیں گنگا اشنان کر رہا ہے۔

کہیں تارک الدنیا جوگی بن کر (اپنے گیان اور جوت کے رنگ میں) موجود ہے اور کہیں مہربان اور سخی، دیالو بن کر سخاوت کر رہا ہے۔ غرض دونوں کے اعمال کو جلا بخش رہا ہے۔ (کیا عجیب معاملہ ہے؟) خود تو لامکان میں اپنا ٹھکانا بنا رکھا ہے اور جگ میں خود ہی اپنے نام اور اپنے ذکر کا شور مچایا ہوا ہے۔''

شرح کلام

درج بالا اشعار بھی انسانوں کے مختلف عقائد و مراسم عبودیت اور مختلف انداز ذکر پر مشتمل ہیں۔ حق تعالیٰ کی لاتعداد شانوں کے ظہور کا سلسلہ ہی ہیں۔ عالم محسوس اور عالم مشاہدات میں اسماء و صفات الٰہیہ کا ظہور ہے بلکہ عالم محسوس حق تعالیٰ کے اسماء و صفات کا آئینہ اور مظہر ہے۔ موجودات کے ذرے ذرے سے یہ تجلیات ظہور پذیر ہیں اور یہ تجلیات بقدر استعداد موجود ہوتی ہیں۔ چنانچہ موجودات عالم محسوس میں جو بھی صفات ہیں وہ صفات الٰہیہ کا آئینہ مگر ان کا ظہور متجلی کی حسب استعداد ہے۔ یہ بات یاد رہے کہ صفات میں اشتراک بقدر استعداد تو موجود ہے مگر موجودات میں حق تعالیٰ کی ذات عُلیا کے لیے کوئی آئینہ موجود نہیں۔ یہاں اس کی کوئی مناسبت نہیں ہے۔ چنانچہ ذات مقدسہ کے لیے کوئی اشتراک نہیں۔ اسماء و صفات کی تجلیات کے نتیجے میں ظہور کے اس قدر مختلف اور متنوع روپ ہیں جس قدر تجلیات الٰہیہ خود۔ ''ہر وہ چیز جو وجود رکھتی ہے اس میں اسی ذات حق کے اسماء و صفات متجلی ہیں۔ کوئی موجود اس کے فیض سے اور ظہور سے مبرا نہیں۔ ذات حق ممکنات اور مخلوقات سے پاک اور ماوراء ہے، اپنی ذات میں قائم ہے اور جو کچھ ماسوا اللہ ہے وہ اُسی کے شیون و اعتبارات اور نسبت و تجلیات ہیں۔'' (۱۷) (الٰہیات، تصوف، صفحہ ۴۱، ۴۴)

مراسم عبودیت میں ظہور کی مختلف شانیں دیکھیں کہیں سنیاسی اور تارک الدنیا بنا ہوا اپنی خواہشات نفسانی کو ختم کر کے ذاتِ حق میں گیان دھیان لگا رہا ہے اور اپنے من کو اُجلا کر کے ذات حق کی تجلیات سے بہرہ مند ہو رہا ہے، کہیں ذوق عبادت سے اپنے معبود کا تقرب حاصل کر رہا ہے، کہیں عقل و خرد کو شدت جذبات میں گم کر بیٹھا ہے اور معاشرے کے آداب، رکھ کھاؤ حتیٰ کہ اپنے لباس کا بھی ہوش نہیں۔ کہیں دنیا میں اپنے گھر بار میں مصروفِ کار ہے، لباس بھی پہنتا ہے اور لوازماتِ دنیا بھی اس کے پیشِ نظر رہتے ہیں۔

کہیں مقام شکر پر۔ مالک کے احسانات و انعامات کے گن گاتا ہے۔ لکھے ہوئے صحیفے اور ملفوظات پڑھ کر امن چین کا درس دیتا ہے اور کہیں دکھ تکلیف کے مرثیے پڑھتا ہوا ملتا ہے، داستان غم سناتا پھرتا ہے اور غم واندوہ میں گرفتار ہوتا ہے۔

ایک شان یہ بھی ہے کہ سادھو اور جوگی بن کر اپنے بدن پر راکھ مل رکھی ہے۔ دنیا سے بے رغبتی اور لاتعلقی کا اظہار ہو رہا ہے اور تارک الدنیا بن کر خدائے واحد و یکتا کی ذات میں گیان دھیان لگا رکھا ہے۔

دنیا میں انسان نے اپنے جذبات کے اظہار کے لیے زبان وکلیات کا استعمال سیکھا ہے۔ یہ اللہ واحد و یکتا کی تجلی ہے کہ اس نے انسان کو بولنا سکھایا عَلَّمَهُ الْبَيَانَ (سورۃ الرحمٰن: آیت ۴) اس حیثیت سے ذات حق کے ظہور اور روپ اتنے متنوع ہیں کہ سبحان اللہ کہیں عالم ومقرر زباندان حتیٰ کہ کئی کئی زبانوں کے ماہر یعنی اپنے پاس مختلف زبانوں کے پٹارے رکھنے والے، کہیں اپنی توجہ اور دھیان میں ایسے گم کہ نہ بیان نہ پند و نصیحت نہ کلام۔ بس ایک محویت اور حیرت کا عالم طاری نظر آتا ہے۔

ایک انداز اس مرقعہ حسن تمام کا یہ بھی ہے کہ کوئی انسان ہر وقت اپنے قلب میں مالک ومحبوب کا تصور جمائے اسی کی معیت کا احساس پالتا رہتا ہے۔ وہ اپنی ہر ہر سانس کے ساتھ ذکر حق کرتا ہے۔ اثبات و نفی کے مراقبے کرتا ہے۔ ذکر جلی و خفی کرتا ہے۔ معیت حق کے تصور سے اپنی زندگی کو سنوار کر طمانیت قلبی کی بیش بہا دولت سمیٹ لیتا ہے اور اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (سورۃ الرعد آیت ۲۸) (آگاہ ہو جاؤ، اطمینان قلب صرف اللہ ہی کے ذکر سے ملتا ہے) کی عملی تصویر بن جاتا ہے۔

ایک رنگ فراق محبوب میں تڑپنے کا بھی ہے۔ ذات حق کے ذکر کے بغیر اُسے چین نہیں ملتا اور اس کی محبت میں، آرزوئے وصال محبوب میں مرغ بسمل کی طرح تڑپتا ہے۔ اس کے ہوش و خرد سب دردِ فراق و آرزوئے محبوب کی نذر ہو جاتے ہیں۔ اس کا ہر ہر بن

مو یادِ محبوب میں آہ وفغاں کرتا ہے۔ لذت فراق محبوب ہی عاشق کی زندگی ہے اور یاد محبوب میں جلتا ہوا سینہ اور ماہی بے آب جیسی تڑپ ہی اس کا سرمایہ حیات بن جاتی ہے اور اس مقام پر وہ خواہش وصل پر بھی غالب آ جاتی ہے کیونکہ حیات عاشق تو اس کے تڑپنے میں ہے۔ وصل ہو گیا تو عاشق کہاں رہ گیا، وہ تو ذات محبوب میں فنا ہو گیا۔

کہیں جوگی بن کر جسم پر راکھ مل رکھی ہے اور کہیں لباس فاخرہ پہن کر قبا بھی زیب تن کر رکھی ہے، بھبھوت مل کر رام رام جپ رہا ہے اور قبا پہن کر عالم دین بنا ہوا ہے اور اللہ اللہ کا ذکر کر رہا ہے، کہیں کنویں اور تالاب میں غسل کرتا ہوا ملتا ہے اور کہیں گنگا اشنان کر کے پن کما رہا ہے۔ یہ سب شانیں ہیں ایک مرکز ظہور کی۔

کہیں تارک الدنیا جوگی اپنے دھیان گیان میں گم ہے۔ اپنی توجہ اور دُعاء سے لوگوں کی بھلائی کے کام کرتا ہے۔ کہیں سخاوت و خیرات سے لوگوں کو فائدہ پہنچا رہا ہے، محبت و شفقت اور مہربانیوں کے یہ دونوں انداز بہت ہی بھلے لگتے ہیں، اپنے اپنے رنگ میں اپنے اپنے انداز میں مگر خیر مطلوب ہے دوسروں کی۔ اللہ تعالیٰ دونوں کو ہی جلا بخش رہے ہیں۔ کیا عجیب انداز ہے کہ ذاتِ حق نے اپنا ٹھکانہ تو لامکاں اور احدیت میں بنا رکھا ہے جہاں پر نہ آثار نہ موجودات، نہ اسماء نہ صفات، صرف ذات یکتا ہے بغیر کسی اطلاق کے بغیر کسی شرط سے، مگر دنیا میں اپنے ذکر اپنی عبادت، اپنی یاد سے شور بپا کر رکھا ہے۔

بند نمبر ۱۲

کہوں جنگم لینہو اوتارا ‏ ‏ ‏ ‏ ہر سمرن کینو آہارا
ہر سمرت سب جگ بسرایا ‏ ‏ ‏ ‏ ہر رٹ میں تج آپ بھلایا
سانس ماس سب سمرن پینہا ‏ ‏ ‏ ‏ جنگم تج سکم ہر چھینا
سمر سمر کہوں یہ گت ہوئے ‏ ‏ ‏ ‏ ہر کے بولے ہون میں کھوئے
کہوں میں مٹے تو یہ گت پائی ‏ ‏ ‏ ‏ دُکھ سکھ بھرم نہ لاگی کائی

کہوں جنگم ہو چت دھرے ہر مورت کو دھیان
دُکھ سکھ سوں رہے باہرا، ہر سدھ میں گلتان

فرہنگ

جنگم: جوگی بھجن گانے والا۔ لینہو اوتارا: جلوہ گر ہوا، نزول کیا۔ ہر سمرن: اللہ کا ذکر۔ آہارا: کھانا، خوراک (ظاہر ہوا)۔ ہر سمرت: اللہ کا ذکر کرتے کرتے۔ ہر رٹ: اللہ کے ذکر کی تکرار۔ پین: پینا، تیز کاٹنا۔ سانس ماس: سانس اور بدن کا گوشت۔ سکم: خوشی۔ تج: چھوڑ دینا۔ ہون: ذات۔ گت: حال۔ گلتان: مصروف۔ ہر سُدھ: معرفت حق۔

ترجمہ

''کہیں بھجن گانے والے جوگی کے روپ میں جلوہ گر ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کو (اپنی روح کی) خوراک بنا رکھا ہے۔

اللہ کا ذکر کرتے کرتے اس میں (ایسی محویت ہوئی) کہ باقی تمام دنیا کو بھول گئے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی تکرار نے اپنی ذات کو بھی بھلا دیا۔

اس ذکر نے عارف کے جسم و جان کو کاٹ ڈالا۔ (فنا کے مقام پر) ذکر بھی چھوٹ گیا اور چین و آرام بھی سب چھن گیا۔ (مقام حیرت)

ذکر کرتے کرتے یہ حالت ہوگئی کہ (باقی سب کچھ فنا ہوگیا) خود ہی ذاتِ حق میں فنا ہو گئے۔

جب ذاتِ حق میں فنا ہو کر اپنی ذات مٹا دی تو دُکھ سکھ کا احساس جاتا رہا۔

کہیں بھجن گانے والے سادھو کے روپ میں دھیان لگائے ہوئے ہے اور اللہ پاک کا تصور جمایا ہوا ہے۔ ایسی حالت میں دُکھ اور سکھ کی کیفیت سے باہر نکل جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کا نور پانے میں ہر دم مشغول رہتا ہے۔"

شرح

ظہور کی مختلف شانوں کو بیان کرتے ہوئے حضرت میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ ذکر کے احوال اور مقامات کے بارے میں تفصیل بتاتے ہیں۔ پچھلے بند نمبر ۱۱ کے آخری شعر میں ذکر کو بہت خوبصورت پیرائے میں بیان فرمایا تھا کہ ذات اقدس خود تو لامکاں اور احدیت وھویت کے مقام پر ہے مگر اپنی شانوں کے ظہور سے کائنات میں اپنے ذکر اور اپنی یاد سے ایک ہنگامہ بپا کیا ہوا ہے۔ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ بھی ہے وہ سب اس کی تسبیح بیان کر رہے ہیں۔

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ (سورۃ التغابن: آیت ۱)

ترجمہ: "اسی کی تسبیح بیان کر رہے ہیں جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں۔"

اس کائنات کی صادرِ اوّل حق تعالیٰ کی ذات ہے اور یہ صدور حق تعالیٰ کی تجلیات کے واسطہ سے ہوتا ہے۔ لغت میں تجلی ظاہر کرنے یا ظاہر ہونے کو کہتے ہیں۔ ذات مطلق کا اظہار لباس تعین میں ہی ممکن ہے۔

لطافت بے کثافت جلوہ آرا ہو نہیں سکتی

لہٰذا تصوف کی زبان میں لباس تعین کا نام تجلی ہے۔ ہر وہ شان وہ کیفیت اور وہ حالت جس میں باری تعالیٰ کا یا اس کی کسی صفت یا اس کے کسی فعل کا اظہار ہو تجلی ہے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ کے ظہور کی شانیں لا انتہا ہیں۔تجلیات بھی متعدد اور خارج از حدود حصر ہیں۔ ہر فرد پر اس کی استعداد کے مطابق جداگانہ تجلیات ہوتی ہیں جو تجلی ایک فرد پر ایک مرتبہ ہوتی ہے وہ پھر دوبارہ اس پر یا کسی اور پر کبھی نہیں ہوتی۔تجلیات میں تکرار نہیں ، ہر دم ، ہر لحظہ اور ہر آن وہ نئی شان میں متجلی ہوتا رہتا ہے۔

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ﴿۲۹﴾ (سورۃ الرحمٰن: آیت ۲۹) جیسے اس کی ذات لامتناہی ہے ویسے ہی اس کی تجلیات کا بھی نئی نئی شان میں وارد ہونا کوئی انتہا نہیں رکھتا۔(۱۸)

(الٰہیات ،تصوف اور علم الکلام ص ۸۵)

فنا اور بقا کیا ہے؟

حق تعالیٰ جب کسی بندہ پر اسم اللہ کے اعتبار سے تجلی فرماتا ہے تو عبد بالذات فنا اور حق اس کا قائم مقام ہو جاتا ہے۔صفات الٰہیہ جب بندہ پر متجلی ہوتی ہیں تو بندہ صفات الٰہیہ سے متصف ہو جاتا ہے۔ "تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ" (اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متصف ہو جاؤ) غرض تجلیات صفات حق کے نتیجہ میں بندہ صفات حق کا مظہر ہو جاتا ہے۔ پھر سیر الی اللہ میں وہ قرب نوافل اور قرب فرائض کی منازل میں پہنچتا ہے جہاں حق تعالیٰ اپنے بندہ کی سمع و بصر بن جاتا ہے۔جہاں پر نورِ عبد گم ہو جاتا ہے اور روح خلقی فنا ہو جاتی ہے اور ہیکل عبدی میں حق سبحانہ وتعالیٰ قائم ہو جاتا ہے۔

سالک پر جو تجلیات راہِ فنا میں وارد ہوتی ہیں وہ تجلی آثاری ، تجلی فعلی ، تجلی صفاتی اور تجلی ذاتی ہے۔جب ذات کی تجلی سالک پر ہوتی ہے تو سالک فانی مطلق ہو کر اپنے شعور ادراک سے بے تعلق ہو جاتا ہے۔عبد گم ہو جاتا ہے اور حق باقی رہ جاتا ہے۔تجلی ذاتی میں اس فنائیت عبد کے بعد بقائے حق سے باقی ہونے کو بقا باللہ کہتے ہیں۔اس میں سالک اپنے آپ کو بلاتعین جسمانی اور روحانی کے اطلاق کے رنگ میں پاتا ہے۔اس وقت اس کا علم جملہ ذرات کا مشاہدہ کرتا ہے اور وہ خود جمیع صفات الٰہیہ سے متصف ہو جاتا ہے اور کسی شے کو غیر خود یا اپنے سے خارج نہیں پاتا۔''کمال توحید عیانی یہی ہے۔'' (۱۹)

(ماخوذ و منقول ، الٰہیات ،تصوف اور علم الکلام ص ۸۶، ۸۵)

جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا اس کائنات کی ہر شے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کر رہی ہے۔ حضرت انسان کی حیات دنیوی کی غرض و غایت ہی بندگی اور عبادت حق ہے اور عبادت کا مقصد اور غایت اولیٰ ذکرِ خداوندی ہے۔

جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے:

(۱) اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ۙ وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ ﴿۱۴﴾ (سورۃ طٰہٰ: آیت ۱۴)

ترجمہ: ''بے شک میں خود اللہ ہوں نہیں کوئی معبود مگر میں خود۔ پس میری عبادت کرو اور نماز قائم کرو میری یاددہانی کے لیے۔'' (گویا عبادت کی غایت اللہ کی یاد، اس کا ذکر ہے)

(۲) قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی ﴿۱۴﴾ وَ ذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی ﴿۱۵﴾......

(سورۃ الاعلیٰ: آیت ۱۴-۱۵)

ترجمہ: ''پس وہ شخص کامیاب ہو گیا جس نے اپنے نفس کو پاک کر لیا اور اپنے رب کو یاد کرتا رہا اور نماز پڑھی۔''

(۳) اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِھِمْ ....

(سورۃ آل عمران: آیت ۱۹۱)

ترجمہ: ''وہ لوگ جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں حالت قیام میں (کھڑے ہوئے) رکوع میں (جھکے ہوئے) اور اپنے پہلوؤں کے بل لیٹے ہوئے......'' (گویا ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں)

(۴) وَ اذْکُرْ رَّبَّکَ کَثِیْرًا وَّ سَبِّحْ بِالْعَشِیِّ وَ الْاِبْکَارِ ﴿۴۱﴾......

(سورۃ آل عمران: آیت ۴۱)

ترجمہ: ''اپنے رب کا بہت زیادہ ذکر کیا کرو اور اس کی تقدیس بیان کیا کرو (ذکر) رات کو بھی اور دن میں بھی۔''

(۵) وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً ......

(سورۃ الاعراف آیت ۲۰۵)

ترجمہ: ''اپنے باطن (نفس) میں اپنے رب کو یاد کرتا رہ۔ تضرع اور زاری کے ساتھ اور چپکے چپکے......''

(۶) فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ ......(سورۃ بقرہ آیت ۱۵۲)

ترجمہ: ''تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔''

اس کائنات کے ذرے ذرے پر اللہ تعالیٰ کی تجلیات آ رہی ہیں اور جو کچھ اس کائنات میں ہے وہ سب اللہ کی تسبیح بیان کر رہا ہے یعنی اس کا ذکر کر رہا ہے۔ قرآن خود ذکر ہے اس میں اللہ کے ذکر کی تاکید ہے۔ کائنات ہمہ تن ذکرِ خداوندی میں مشغول ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ اس کائنات میں جہاں جہاں متجلی ہیں وہیں وہیں ذکرِ خداوندی کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔ تجلیات خداوندی فاعل ہیں محرک ہیں اور موثر ہیں اور کائنات کے ذرے ذرے سے ذکر خداوندی ہر فعل، ہر حرکت اور ہر نتیجہ واثر سے ظاہر ہے۔

ذکر سے متعلق قرآن کی درج بالا آیات محض مشت نمونہ از خروارے کی بات ہے۔ ان آیات کریمہ سے درج ذیل نکات مترشح ہوتے ہیں۔

(۱) انسانی حیات کی غایت اولیٰ اللہ کا ذکر ہے۔

(۲) اس زندگی میں انسانی فلاح منحصر ہے یاد خداوندی پر جس سے فلاح اور صلوٰۃ کے چشمے پھوٹتے ہیں کیونکہ صلوٰۃ فحاشی اور منکر کو روکتی ہے۔

(۳) اللہ کے بندے دن رات اور ہر حال میں ہر کیفیت میں یادِ خداوندی سے غافل نہیں رہتے۔

(۴) ذکر خداوندی کثیر تعداد میں ہونا چاہیے خاص کر صبح اور رات کے اوقات میں۔

(۵) اپنے باطن کی صفائی اور تنویر کے لیے ذکر خداوندی کی تاکید ہے اس طرح کہ تضرع اور گریہ کے ساتھ بھی اور چپکے چپکے اپنے دل میں بھی۔

(۶) ذکر دوطرفہ عمل ہے۔ اگر بندہ اللہ کو یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنے بندے کو یاد کرتا ہے۔ وہ اپنے بندے سے غافل نہیں۔

گویا تمام عالموں میں آثار و موجودات میں ہر ہر ذرے میں جہاں جہاں حق تعالیٰ متجلی ہیں وہیں وہیں، صدائے ذکرِ حق بلند ہو رہی ہے۔ جب تک تجلیات کا سلسلہ جاری رہے گا موجودات بارگاہ حق میں سربسجود اور ذکر الٰہی میں مشغول رہیں گے۔

ذکر کیا ہے؟ اس سے کیا مراد ہے؟

ذکر: اللہ تعالیٰ کی یاد، یادِ الٰہی میں تمام غیر اللہ کو دل سے فراموش کر کے حضور قلب کے ساتھ قرب و معیت حق تعالیٰ کا انکشاف حاصل کرنے کی کوشش کو ذکر کہتے ہیں۔ چنانچہ ہر وہ چیز جس کے توسل سے یادِ حق ہو خواہ وہ اسم ہو یا رسم فعل ہو یا جسم۔ کلمہ ہو یا نماز۔ تلاوت قرآن پاک، دُرود شریف، ادعیہ یا کیفیات یا کوئی چیز جس سے مطلوب کی یاد ہو اور طالب و مطلوب میں ربط بڑھے۔ اصطلاح تصوف میں اُسے ذکر کہتے ہیں۔ (۲۰)

شیخ ابو نصر سراج طوسی فرماتے ہیں کسی نے ابن سالمؒ سے ذکر کے متعلق پوچھا تو میں نے انہیں یوں فرماتے سُنا ''ذکر کی تین قسمیں ہیں:

(۱) ذکر باللسان: اس سے نیکی کی دس گنا جزا ملتی ہے۔

(۲) ذکر بالقلب: اس سے نیکی کی جزا سو گنا ملتی ہے اور تیسرا ذکر ایسا ہے کہ نہ تو اس کے ثواب کا وزن کیا جا سکتا ہے اور نہ شمار ہو سکتا ہے کسی نے ابن عطاء سے سوال کیا ذکر سے باطن پر کیا اثر ہوتا ہے۔ فرمایا: جب ذکر اپنی چمک دمک کے ساتھ باطن پر وارد ہوتا ہے تو بشریت اپنی تمام رعونتوں کے ساتھ جاتی رہتی ہے۔'' (۲۱)

کہا جاتا ہے ''قلوب المؤمنین عرش اللہ تعالیٰ'' مومنوں کے قلوب اللہ تعالیٰ کا ٹھکانہ ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے لیے ذکر ہی ذریعہ بنتا ہے۔ اپنے قلب پر متوجہ ہو کر اللہ تعالیٰ کی یاد میں سالک جب مراقب ہوتا ہے تو اللہ اور بندے کے درمیان حجابات اُٹھنا شروع ہو جاتے ہیں۔

اشعار کی تشریح

درج بالا حقائق کی روشنی میں اب حضرت میراں سید بھیکھ کے کلام پاک کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں:

موجودات عالم، معبود و خالق حقیقی کی تجلیات کی آماجگاہ ہے اور اس کے ظہور کی شانیں بے شمار ہیں۔ مراسم عبودیت میں ذکر کے مختلف رنگوں کا ذکر ہو رہا ہے۔

کہیں جوگی بن کر (سالک) اس کی حمد کے گیت گا رہا ہے، اس ذات پاک کے ذکر میں اس کی محویت کا یہ عالم ہو گیا ہے کہ جوگی (سالک) کی روح کی خوراک ہی یادِ خداوندی بن چکی ہے۔ وہ اپنی ہر حرکت کے لیے خداوند تعالیٰ کی فاعلیت، موثریت کا محتاج ہے۔ یادِ حق گویا سالک کی روح حیات بلکہ وجہ حیات بن چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کے ذکر میں مشغولیت اس قدر گہری ہو جاتی ہے کہ دنیا و مافیہا سے سالک کی توجہ ہٹ جاتی ہے۔ دنیا کو وہ بھول جاتا ہے۔ راہِ سلوک میں سالک جوں جوں تکمیل حاصل کرتا جاتا ہے اس کا مشاہدہ زیادہ قوی ہوتا جاتا ہے۔ وہ اسماء و صفات کے انوار سمیٹتا ہوا جب تجلی ذاتی تک پہنچتا ہے تو وہ اپنی ذات سے ناطہ توڑ لیتا ہے۔ پھر ہر طرف حق ہی حق ہوتا ہے۔ نہ اپنا وجود نہ وجود کائنات سب فنا ہو جاتے ہیں۔

ذکرِ خداوندی تو خواہشات نفسانی کو محو کر دیتا ہے یہ تو ایسی تلوار ہے جو سالک کے نفس، اس کے بدن، حتیٰ کہ اس کی تارِ نفس پر بھی غلبہ پالیتا ہے۔ وہ ان کثافتوں سے پاک ہو کر جہانِ لطافت میں چلا جاتا ہے۔ اپنی صفات کو صفات الٰہیہ کے رنگ میں رنگ لیتا ہے۔ پھر اپنی ذات کو جب انوارِ ذاتی حقی میں گم کرتا ہے تو پھر نہ اس کی ذات باقی رہتی ہے نہ اس کا ذکر باقی رہتا ہے۔ یہ مقام حیرت ہے جہاں نہ ذات کا احساس نہ دکھ سکھ کا احساس، یہ تو جہان لطافت ہے۔ مادیات کی کثافت اور نفس کی چالیں یہاں سب کچھ گم ہو جاتا ہے۔

ذکر خداوندی میں مسلسل مشغولیت ایک ایسی حالت تک پہنچا دیتی ہے جہاں بس ذات حق ہی باقی رہتی ہے نہ ذکر نہ فکر باقی سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔

جب ذات حق میں فنا ہوکر اپنی ذات بھی گم کردی تو جہانِ مادیت کی تمام متعلقات ختم ہو جاتی ہیں۔ پھر دکھ سکھ کا احساس جو جہاں مادیت سے متعلق ہے بہت پیچھے رہ جاتا ہے۔

ذکرِ خداوندی کی شکل حمد وثنائے رب بھی ہے۔ سالک جب اس پر دوام اختیار کرتا ہے تو تصور معیت حق کی نعمت سے مالا مال ہو جاتا ہے۔ ہر وقت من میں صورت حق بسی رہتی ہے اور یہ احساس پختہ یقین میں بدل جاتا ہے کہ میرا رب میرے ساتھ ہے۔ احساس معیت رب کا حصار جب بندے کے گرد پختہ ہو جاتا ہے تو وہ ہر وقت ذات حق کی جلوہ گاہ کے انوار سمیٹتا رہتا ہے۔ اُسے دُکھ سکھ اور نفس کے جھمیلوں میں پھنسنے کی نہ فرصت اور نہ ہی احساس ہوتا ہے۔

بند نمبر ۱۳

کہوں سادھو ہو جتی کہاوے نس دن پارس ناتھ مناوے
پارس ناتھ کی کرے جو پوجا بن پارس مانے نہیں دوجا
پگ ناںگے کہوں منڈ منڈائیں کر منڈل گل مالا پائیں
پوجت پوجت یہ بدھ پاوے پوجے پارس ناتھ کہاوے
سبھ مانہہ ایک جیو بچارے میا راکھے چیونٹی نہیں مارے
کہوں تو میا جیو میں آوے جیو جان پھلہار نہ کھاوے

کیسے بھیک بچار ہے نیک نیک گت پیو
کہون جتی کا روپ دھر، نیگ نچھیڑے جیو

فرہنگ

جتی: نفس کو مارنے والا جوگی۔ نس دن: ہر روز۔ پارس ناتھ: پتھر کا خدا (جین مت والوں کا مشہور بت)۔ پگ ناںگے: ننگے پاؤں۔ منڈ منڈائیں: سر منڈا۔ کرمندل:

جوگی کے ہاتھ کا کڑا۔ سبھ مانہہ: سب میں۔ پھلہار: پھل۔ ایکو جیو: ایک جان۔ بچارے: سمجھتا ہے۔ میا: رحم، شفقت۔ نیک نیک بھید: خوبصورت۔ پیو: پیارا محبوب۔ پارس: وہ پتھر جسے لوہا مس کرے تو سونا بن جائے۔ نیگ: شادی بیاہ کے موقع پر دی جانے والی لاگ۔ نچھیڑے: نچھاور کردے۔

ترجمہ

کہیں سادھو کا روپ دھار کر نفس کشی کر رہا ہے (اُسے تکلیف دے کر من کو روشن کر رہا ہے) ہر روز پتھر کے خدا کو مناتا ہے (بتوں کی پوجا کرتا ہے)

پتھر کے بت کی پوجا کرنے والا پتھر کے (بت) بغیر کسی دوسرے کو خدا نہیں مانتا۔

کہیں ننگے پاؤں اور سر منڈائے پھر رہا ہے۔ ہاتھوں میں کڑے پہنے گلے میں مالائیں پہنے پھر رہا ہے۔

پوجا کرتے کرتے (پجاری) یہ مرتبہ پالیتا ہے کہ پتھر کو پوجتا پوجتا خود ہی جوگی (پارس ناتھ) کا مظہر بن جاتا ہے۔ جوگی کہلانے لگتا ہے۔

(پارس ناتھ پوجنے والا جینی) جاندار میں ایک ہی روح سمجھتا ہے۔ رحم کے جذبہ کے تحت چیونٹی کو بھی نہیں مارتا۔

وہ سمجھتا ہے ہر شے میں جان ہے اور (جیو ہتیا کے خوف سے) پھل بھی نہیں کھاتا۔

اس محبوب کی (بے شمار) بھلی سے بھلی ادائیں ہیں۔ (محبوب کی اداؤں اور شانوں کے لا متناہی سلسلے کو) بھیکھ کی فکر کیونکر احاطہ کرے۔ کہیں وہ جتی ستی سادھو کے روپ میں بھی جلوہ گر ہے اور اپنی ہی جان محبوب پر نچھاور کر دیتا ہے۔

شرح کلام

حق تعالیٰ کے ظہور کی مختلف شانوں کے ضمن میں پوری کائنات جس طرح ذکر خداوندی میں مشغول ہے اسی کی مثالیں دی جارہی ہیں کیونکہ کائنات کا ذرہ ذرہ حق تعالیٰ کی

محبت اور کشش میں گرفتار ہے اور یادِ خداوندی میں مشغول ہے۔ اپنے محبوب اللہ کی یاد اور اس کی پوجا یعنی مراسم عبودیت کے مختلف روپ ہیں جن کا ذکر ہو رہا ہے۔

کہیں تارک الدنیا ہو کر اپنے محبوب اللہ کی محبت میں نفس کشی پر تلا ہوا ہے۔ اپنی خواہشات نفس کو مار کر اپنے محبوب کی قربت تلاش کر رہا ہے۔ خواہشات نفس اور مادی چیزیں دراصل بندے اور حق کے درمیان حجاب بن جاتے ہیں۔ سالک جب مادی و نفسانی خواہشات کو ترک کرتا ہے تو حجابات اُٹھ جاتے ہیں اور وصل محبوب کی منزل نظر آنے لگتی ہے۔

کوئی پتھر کے بت بنا کر اُسے معبود کا روپ سمجھ کر اس کی پوجا میں لگا ہے۔ دراصل انسان خود لطافت (روح) اور کثافت (مادی جسم کا) مجموعہ ہے۔ لطافت مجرد کو روپ دھارنے کے لیے مادیت کی کثافت ضروری ہے۔ چنانچہ سادھو پتھر کے بت میں دراصل بھگوان کا روپ دیکھ رہا ہے۔

خوگر پیکر محسوس تھی انساں کی نظر
مان لیتا بھلا بن دیکھے خدا کو کیونکر

پارس ایک ایسا پتھر ہے جس کے ساتھ لوہا مس ہو جائے تو وہ سونا بن جاتا ہے۔ اب پجاری (ایسے معبود کی عبادت کر کے) جب معبود کی صفات کا خود مظہر ہو جاتا ہے تو بھلا وہ دوسرے معبود جو کوئی صفات اور کوئی قدرت نہ رکھتا ہو اُسے اپنا معبود کیسے مان لے گا۔ محبوب خالص ہی کس چاہنے والے کو خالص بنا سکتا ہے اور عارف جب محبوب کی صفات میں رنگا جاتا ہے تو کسی دوسرے محبوب کی طرف نظر کیسے اُٹھا سکتا ہے۔

معبود کی عبادت دراصل سچے محبوب کی انتہائی محبت اور عشق کا اظہار ہے۔ یہ کثافت سے لطافت کی منزل کی طرف ایک سفر ہے۔ چنانچہ جس قدر لوازمات مادی اور خواہشات نفسانی سے دوری ہوگی۔ لطافت اس قدر زیادہ حاصل ہوگی۔ چہرہ محبوب اس قدر واضح نظر آنا شروع ہو جائے گا۔ چنانچہ عشق و محبت کا ظہور کبھی اس رنگ میں بھی ہوتا ہے کہ پاؤں ننگے ہوں، سر منڈایا ہوا ہو، ہاتھ میں کڑا اور گلے میں مالا ڈال کر محبوب کی تلاش میں سرگرداں ہے۔

عبادت عشق و محبت کا اظہار ہے اور عشق سے بھرپور توجہ ہی خلوت گاہِ محبوب کے پردے ہٹاتی ہے۔ انسانی عقل جب اس کے علم کے تابع ہو جاتی ہے اور علم جب عشق میں بدل جاتا ہے تو محبوب کی عبادت کا ثمرہ وصل محبوب بن جاتا ہے۔ صفات محبوب، عابد و عاشق کو گھیر لیتی ہیں اور عابد بھی صفاتِ محبوب کا مظہر بن جاتا ہے اور

رانجھا رانجھا کردی نی میں آپے رانجھا ہوئی

کی کیفیت ہو جاتی ہے۔ عبادت ذکرِ محبوب ہے اور ذکر کی انتہا یہ ہے کہ ذاکر ہی مذکور و محبوب بن جائے۔

عابد و زاہد ذکر میں محویت پاتا ہے تو تمام کائنات میں محبوب کی جلوہ گری دیکھتا ہے۔ ہر طرف اسی کا ظہور نظر آتا ہے تو بسا اوقات اُسے ایک روح سب مظاہر میں جلوہ گر نظر آتی ہے، وہ سمجھتا ہے ایک ہی جان ہر جاندار میں جلوہ گر ہے۔

چونکہ وہ اپنے محبوب سے بے پناہ محبت رکھتا ہے اور محبوب کے جلوؤں کے مظہر بھی اس کی محبت بن جاتے ہیں، کبھی تو وہ اس احساس میں متشدد ہو کر جیو ہتیا سے حد درجہ احتیاط پر اُتر آتا ہے حتیٰ کہ پھل وغیرہ کو بھی اس وجہ سے نہیں کھاتا کہ ان میں جان ہے۔

یہ ذاتِ حق کے مظہر ہیں، اس کی شانیں ہیں، اس کے روپ ہیں۔ جیسے ذاتِ حق کی شانیں بلا حصر اور لامحدود ہیں ویسے اس کی شانوں کے مظہر بھی بلا حصر اور لامحدود ہیں۔ محبوب تمام کی شانیں بھی بھلی اور محبوب ہیں۔ بھلا انسان جو کہ خود محدود اور کثیف ہے ایک لامحدود اور لطیف وجود پر کیسے غور کرے، ایسا وجود جس کی مثال نہ ہو جو حد فکر سے پرے ہو، اُسے کیسے سمجھا جا سکتا ہے۔ بس اس مرقع حسن اور ان گنت شانوں کے مالک سے تو محبت ہی کی جا سکتی ہے، اس سے عشق بھی کیا جا سکتا ہے، اس کی خاطر تو سب کچھ تیاگ کر۔ حتیٰ کہ اپنا نفس اپنی جان بھی نچھاور کر کے اس کا وصل عین مطلوب و مقصود ہو جاتا ہے۔

شرح کلام: بند نمبر ۱۳

مراسم عبودیت کے ضمن میں چند تشریحی نکات

حق تعالیٰ کی شانوں کے ظہور کے ضمن میں انسان مختلف ادیان کے تحت مراسم عبودیت جیسے بجا لاتے ہیں ان کا ذکر ہے مختلف ادیان کے پیروکار اپنے اپنے دین کے مطابق اپنے بھگوان، داتا اور خدا کو پوجتے ہیں۔ یہاں ایک سوال اُبھر کر ذہن میں آتا ہے کہ جب ہر شے میں تجلی حق کا ظہور ہے تو انسانوں میں مختلف ادیان کیوں ہیں اور سب ہی انسان ایک ہی خدا، ایک ہی مالک اور خالق کے ماننے والے کیوں نہیں جبکہ وہ سب کے سب ایک واحد و مالک کی صفات کی تجلیات کے نتیجے میں موجود ہیں۔

اس سوال کے جواب کے لیے اللہ تعالیٰ کی تخلیقی فعلیت کو بڑے غور سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ حق تعالیٰ نے اس کائنات کو وجود عطا کیا تو ہر شے کو اس کے احکام سمجھا دیئے۔ حضرت انسان اور جنوں کے علاوہ موجودات کی ہر شے، نباتات، جمادات، حیوانات، ملائکہ۔ سب موجودات کے لیے نظام متعین کر دیا جس کے تحت وہ اپنا اپنا کام کر رہے ہیں۔ ان کے پاس اپنا اختیار اور ارادہ بالکل نہیں۔ پس وہ احکامات الٰہی کے پابند ہیں اور انہی قوانین کے تحت کام کر رہے ہیں۔ فرشتے اپنا اختیار نہیں رکھتے۔ لَّا يَعْصُونَ اللَّهَ مَآ أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ۞ (سورۃ التحریم: آیت ۶) انہیں جو حکم دیا جاتا ہے بس وہ اس پر عمل کرتے ہیں۔ چرند، پرند، حیوانات سب اپنی جبلتوں کے پابند ہیں۔ زمین و آسمان، چاند، سورج، ستارے سب انہی قوانین کے پابند ہیں جو ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کر دیئے گئے مگر جنوں اور حضرت انسان کا معاملہ ذرا مختلف ہے۔ یہ مخلوق اگرچہ بہت سے فزیکل قوانین میں احکامات خداوندی کی پابند ہے۔ اگر اسے محدود اختیار اور ارادہ دے کر تخلیق کیا گیا ہے اسے غلط اور صحیح راستے کی تمیز و پہچان اس کے اپنے نفس کے اندر بھی رکھ دی گئی ہے جسے ہم ضمیر کہتے ہیں۔ خارجی رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے نظام وحی بنا کر اپنے منتخب نبی اور رسول مبعوث کیے جو مختلف ادوار میں آئے اور بنی نوع انسان کو حق کے راستے کی طرف بلاتے رہے اور اپنے روشن عمل

کی مثالیں ان کے لیے قائم کرتے رہے۔اب ہر قدم پر حضرت انسان کو اپنے اختیار کے تحت یہ فیصلہ کرنا ہے کہ وہ صحیح راستے پر چلے یا غلط راستے پر چلے۔ یہی ارادہ واختیار کا صحیح یا غلط استعمال انسان اور حق تعالیٰ کے درمیان اس کے تعلق کی نوعیت کا تعین کرتا ہے۔اس کے عقائد اور اس کے نتیجے میں اس کی عبادت کے رسوم کی صورت گری کرتا ہے۔

انسان نہ صرف صاحبِ ارادہ واختیار ہے بلکہ وہ شعور ذات بھی رکھتا ہے۔ یہی شعور ذات اس کی زندگی میں حرکت اور تگ ودو کا باعث ہے۔

قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے: فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا (سورۃ الروم: آیت ۳۰) اللہ تعالیٰ کی وہ فطرت جس پر اس نے انسان کو پیدا کیا۔نظریہ وحدۃ الوجود کو جاننے والے یہ بات اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ کائنات کے لیے صادر اوّل حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ یہ تمام کائنات اسی کے اسماء وصفات کی تجلیات کا ظہور ہے اور حضرت انسان اللہ کے اسماء وصفات کا جامع کامل اور ظہور تامہ ہے۔اسی لیے روز الست سے ہی اس کی روح کو خود شعوری عطا کی گئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حسن تمام کا جلوہ دکھا کر روحوں میں آرزوئے حسن پیدا کردی۔اب ہر انسان کے لاشعور میں اس حسن ازلی کے لیے محبت اور تڑپ کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر موجود ہے جو اسے محبوب حقیقی کے وصال کی آرزو میں بے قرار رکھتا ہے۔اپنے ارادہ واختیار کے تحت وہ اپنا اپنا نصب العین یعنی محبوب متعین کرتا ہے اور اسی کے حصول میں تگ ودو کرتا ہے۔نصب العینوں کے تعین میں اپنے اختیار کا استعمال صحیح اور غلط بھی کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسانی زندگی میں تنوع، عقائد میں اختلاف اور رسوم عبادت میں فرق نظر آتا ہے۔''ہیں سب انسان ایک ہی محبوب کی تلاش میں مگر اپنے جذبہ دروں کے غلط اظہار کی وجہ سے وہ غلط تصور یا آئیڈیل اپنا کر اللہ تعالیٰ کی صفات اس کی طرف منسوب کردیتے ہیں اور اس کی عبادت اور اطاعت اسی طرح کرتے ہیں جیسے وہ حقیقی خدا ہو اور اس کی صفات حقیقی ہوں مگر سچا نصب العین تو اُسی مالک حقیقی کا تصور ہے جو اس کائنات کا خالق و مالک ہے اور اپنی تمام صفات علیا اور اسمائے حسنیٰ کا مالک ہے۔'' (۲۲)

(قرآن اور علم جدید، صفحہ ۲۵۱-۲۵۰)

اس بارے میں ایک اور اہم نقطہ پیش نظر رہنا چاہیے۔ حق اور باطل یہاں برسرِ پیکار ہیں مگر بقا حق کو ہے۔ خیر اور شر دونوں موجود ہیں مگر شر، خیر کو نمایاں کرنے کے لیے ہے، شر موجود نہ ہو تو خیر کی پہچان ختم ہو جائے، رات نہ ہو تو دن کے نور اور روشنی کی قدر اور پہچان کیسے ہو۔

قرآن کریم اس نقطہ کو بڑے عمدہ طریقے سے واضح فرماتا ہے:

وَ مَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ۝ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۭ (سورۃ الانبیاء: آیات ۱۶، ۱۷، ۱۸)

ترجمہ: ”اور نہیں تخلیق کیا ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کسی کھیل تماشے کے لیے، اگر ہمیں یہی کھیل تماشا ہی کرنا ہوتا تو ہم اپنے پاس ہی کر لیتے۔ (ہنگامہ تخلیق بپا نہ کرتے) لیکن (حق و باطل کی جنگ میں) ہم حق کا کوڑا باطل کے سر پر دے مارتے ہیں۔ (جس سے) اس کا بھیجا نکل آتا ہے اور اسے (باطل کو) بھاگتے ہی بن پڑتی ہے۔“

اس کائنات میں حرکت اور تگ و دو جو کہ حیات کا مظہر ہے اس کا محرک اللہ تعالیٰ ہے اور سب افعال و اعمال بھی اللہ ہی کی طرف راجع ہیں۔ چنانچہ مراسم ذکر و عبودیت میں اختلاف بھی یہ ثابت کرتا ہے کہ اس کائنات میں انسان و جن اور ہر شے اللہ ہی کی طرف رواں دواں ہے، کوئی غلط راستہ اپنا کر کوئی صحیح راستہ اپنا کر۔

قرآن کریم فرماتا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ۝

(سورۃ الانشقاق: آیت ۶)

ترجمہ: ”اے انسان! تو کشاں کشاں (یعنی بھاگ دوڑ کرتا ہوا) اپنے رب کی طرف جا رہا ہے اور اس سے ملاقات کر کے رہے گا۔“

بند نمبر ۱۴

کہوں جوگی ہو جنگم بولا گیان دھیان کہوں چیٹک کھولا
کہوں کر پورا بھیکھ دھر آیا بیراگی ہو آپ جتایا
مُنڈت کہوں کہوں جٹ دھاری صوفی سیکہہ کہوں برہمچاری
کہوں چیرا چانٹی ہو آوے کہوں ہو ستگور شبد سناوے
کہوں گھٹ ورشن بھیکھ ہے کہوں بروا سنسار
تاکو کون بچارہے جاکو یہ بیوہار

فرہنگ

جنگم: بھجن گانے والے فقیر، جوگی۔ چیٹک کھولا: نوکروں کے رہنے کی کھولی، کوٹھڑی۔ کر پورا: سخی، دیالو۔ بیراگی: تارک الدنیا۔ جتایا: ظاہر ہوا۔ منڈت: سرمنڈا۔ جٹ دھاری: لمبے لمبے بال رکھنے والا۔ سیکہہ: شیخ۔ برہم چاری: ہندو، راہِ سلوک کی پہلی منزل (زمانہ طالب علمی)۔ چیرا: نوکر، چیلا۔ چانٹی: ملازمہ، باندی۔ ستگور: مرشد، ہدایت دینے والا۔ شبد: بول، کلمہ نصیحت۔ گھٹ ورشن: دل میں سمانے والا روپ (غائب)۔ بروا سنسار: شجرۃ الکون۔ بیوہار: بیوپار۔

ترجمہ

کہیں جوگی بن کر بھجن گا رہا ہے۔ کہیں پرماتما کے گیان دھیان میں مصروف ہے اور کہیں اپنی کھولی میں بیٹھے ہوئے ملازم اور نوکر (کے روپ میں جلوہ گر ہے)

کہیں سخی اور ان داتا کے روپ میں (سخاوت کر رہا ہے) کہیں تارک الدنیا ہو کر ظاہر ہو رہا ہے۔

کہیں سر مُنڈا ہے کہیں بڑی بڑی لٹیں رکھے ہوئے (مست قلندر) کے روپ میں ہے۔ کہیں صوفی ہے کہیں شیخ صادق ہے اور کہیں ہندو جوگ کی منزل کی پہلی سیڑھی پر ہے۔

کہیں نوکر ہے کہیں باندی ہے کہیں راہنما مرشد بن کر درس ہدایت دے رہا ہے۔

(اس کے ظہور کے رنگ نرالے ہیں) کسی مقام پر (احدیت) ایسا چھپا ہوا ہے کہ صرف قلب میں تصور ہی کیا جا سکتا ہے اور کسی مقام پر (عالم شہادت میں) ایسا ظاہر ہے کہ شجرۃ الکون کے پتے پتے سے عیاں ہے۔

اب ایسی ہستی کا ظہور اتنی بے شمار شانوں کے ساتھ ہو رہا ہے اس کے بارے میں کوئی فکر کیسے احاطہ کر سکتی ہے۔

تشریح

انسان کے لاشعور میں یوم الست سے ہی جب اس کے کانوں میں نغمہ الست نے رس گھولا تھا اور اس کی آنکھوں نے مرقعہ حسن کا دیدار کیا تھا، اللہ تعالیٰ کی شدید محبت موجزن ہے۔ اس کا لاشعور اسے بے چین رکھتا ہے کہ وہ محبوب حقیقی کی طرف گامزن ہو۔ چنانچہ دنیا میں انسان کی ہر حرکت ہر کوشش چاہے غلط ہو یا صحیح اُسے اپنے رب ہی کی طرف کشاں کشاں لیے چلی جا رہی ہے۔ انجام کار انسانیتؑ کو اسی راستے پر آنا ہوگا جو خالق اکبر کے صفات و اسماء کے مظہر اتم سرکار محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل اور قرآن سے اس کے لیے مقرر کیا ہے۔

صوفی کا نکتہ نظر آفاقی ہوتا ہے اور وہ اسی مقام سے انسانیت پر نگاہ ڈالتا ہے۔ مختلف ادیان و مذاہب سے متعلق انسانوں کے عقائد و عبادات کو آفاقی نظر سے دیکھتا ہے تو اسے انسانوں کی رسومات و عبادات وغیرہ کا مطلوب و مقصود ایک ہی خداوند خالق و مالک نظر آتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ کائنات کی ہر شے بشمول حضرت انسان اللہ ہی کی طرف سے موجود ہے اور اسی کی طرف راجع ہے۔ جیسا کہ حضرت علامہ اقبال نے جاوید نامہ میں کہا ہے کہ دنیا میں جہاں کہیں بھی رنگ و بو کا ظہور ہے اور جہاں کہیں بھی آرزو پروان چڑھتی نظر آتی ہے سمجھ لو کہ یا تو اُسے نورِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض حاصل ہے یا ابھی وہ تلاش مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں سرگرم اور منزل کی تلاش میں سرگرداں ہے۔

ہر کجا بینی جہان رنگ و بو
آں کہ از خاکش بروید آبرزو
یا زنور مصطفیؐ اور ابہا است
یا ہنوز اندر تلاش مصطفیؐ است

شرح کلام

موجودات تجلیات رحمانی سے فیض پا کر ظہور پاتے ہیں اور اسی کی حمد و ثناء میں مصروف ہیں۔

انسان کہیں جوگی کے روپ میں اظہار تشکر میں مشغول ہے اور اس خالق و مالک کی حمد کے گیت گا رہا ہے، کہیں اسی کی تلاش اور معرفت کی تڑپ میں سب دنیا سے ناطہ کاٹ کر گیان دھیان میں لگا ہوا ہے۔ اگر کوئی ملازم اور نوکر اپنی کھولی میں ہے تو وہ بھی محبوب کا ایک روپ ہے اور اسی کی تلاش میں ہے۔

کہیں وہ سخی اور دردمند انسان کے روپ میں انسانوں کی خدمت کر رہا ہے۔ اپنی دولت خرچ کر رہا ہے۔ انسانیت کی بھلائی میں سرگرم ہے۔ کہیں وہ تارک الدنیا ہو کر ظہور پذیر ہے۔

کہیں سر منڈا کر جوگی بنا ہوا ہے اور کہیں لمبے لمبے بال، جٹیں رکھ کر بھجن گا رہا ہے۔ کہیں صوفی کے روپ میں راہِ سلوک طے کرتا نظر آتا ہے اور کہیں شیخ اور عالم بن کر اپنی مسند پر براجمان ہے اور توحید و محبت کے درس دیتا نظر آتا ہے۔ کہیں وہ ہندو راہِ سلوک میں مکتی حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

کہیں غلام اور باندی کے روپ میں دن رات خدمت گزاری میں مصروف ہے اور کہیں مرشد و راہبر کے بھیس میں ہدایت کے صحیفے پڑھ پڑھ کر سنا رہا ہے۔

کہیں ذات (مقام احدیت) میں ہے اور اسماء وصفات، سب گم ہیں۔ لا مکانیت اور ھویت کا مقام ہے، لامحدود ہے، بے کیف ہے، ایسی چھپی ہوئی ہستی کہ اس کا

تصور سالک اپنے قلب میں ہی کر سکتا ہے اور کہیں جلوہ نمائی کا ارادہ ہے تو شجرۃ الکون کے ایک ایک پتے سے، عالم امر اور عالم شہادت کے ایک ایک ذرے سے شان باری تعالیٰ کا ظہور ہو رہا ہے۔ اَن گنت شانیں، بے شمار تجلیات اور حدودِ حصر سے بالا اندازِ ظہور، بھلا اس قدر قدرت اور شانیں رکھنے والی ہستی کا تصور ایک محدود فکر رکھنے والا انسان جو اپنے وجود کے لیے اُسی ہستی بیکراں کی تجلی کا محتاج ہے، کیسے کر سکتا ہے۔

قرآن کریم کہتا ہے:

لَا تُدۡرِكُهُ الۡاَبۡصَارُ وَهُوَ يُدۡرِكُ الۡاَبۡصَارَ‌ۚ

وَهُوَ اللَّطِيۡفُ الۡخَبِيۡرُ ﴿۱۰۳﴾ (سورۃ الانعام: آیت ۱۰۳)

ترجمہ: ''اس کو تو کسی کی نگاہ محیط نہیں ہو سکتی اور وہ سب نگاہوں کو محیط ہو جاتا ہے اور وہ بڑا ہی باریک بین اور باخبر ہے۔''

بند نمبر ۱۵

کہوں تو نٹ ہو کلا جو ٹھانی — جان نہ بوجھے اکتھ کہانی
کہوں تو نٹ ہو آوے سوئ — بہہ رنگی کو لکھے نہ کوئ
تال دیت کہوں گیت جو گاوے — کہوں ناچے مردنگ بجاوے
کہوں بانس چڑھ کلا جو کھیلے — کہوں ریجھ ات دان جو میلے
سکھر جاوے کہوں بان چلاوے — کہوں تو الٹ بھم پر آوے
کہوں لاس پر دوڑت پھرے — رہے گہہ سانس نیک نہ گرے
نٹ ہوکر ایہہ کلا دکھاوے — بھہ رنگی گت کچھو نہ پاوے

نٹ ہو بانس جو گاڑیو مہا سکھرات دور
تا چڑھ کلا جو کھیلئے چوک پڑے ہو چور

فرہنگ

نٹ: بازیگر، سانگ اُتارنے والا۔ کلا: بازی۔ ٹھانی: بازی کھیلی۔ اکتھ کہانی:
ناگفتنی بات، عجیب کہانی۔ تال دیت: سرتال کے ساتھ۔ مردنگ: ایک خاص قسم کا باجہ۔
دان: بخشش۔ رتجھ: شوق، پسند۔ میلے: اکٹھا کرے۔ سکھر: اوپر۔ بان: تیر۔ الٹ بھم پر
آوے: قلابازیاں کھاتا ہوا زمین پر آجاتا ہے۔ لاس: موٹا رسا۔ گہہ: روک کے، پکڑ لے۔
نیک: قائم رہے۔ تاچڑھ: اوپر چڑھ کر۔

ترجمہ

کہیں بازی گر کا روپ دھار کر کھیل شروع کر دیا۔ (ظہور حق کی شانوں کی یہ کہانی) بہت عجیب کہانی ہے اسے نہ کوئی جان سکتا ہے نہ بوجھ سکتا ہے۔

بازی گر کا روپ دھار کر ظاہر ہو رہا ہے۔ عالم موجودات میں کس کس رنگ میں، کس کس شان سے وہ ظہور پذیر ہے اس بہہ رنگی کو کوئی سمجھ نہیں سکتا۔

سرتال کے ساتھ کہیں گیت گا رہا ہے، کہیں ناچ رہا ہے، کہیں باجا بجا رہا ہے۔

کہیں بازیگر بنا بانس پر چڑھ کر کھیل دکھا رہا ہے، کہیں (اس بازیگری) سے خوش ہو کر جو لوگ بخشیش دیتے ہیں وہ اکٹھا کر رہا ہے۔

(نوٹ) ایک نسخے میں دوسرا مصرعہ اس طرح ہے:

کہیں رتجھ ات ڈانڈا پیلے

جس کا مطلب ہوگا کہ کہیں (پہلوان بن کر) شوق سے ڈنڈ پیل کر رہا ہے۔

(بازیگری کے کرتب دکھاتا ہوا) کبھی اوپر چلا جاتا ہے، کبھی تیر چلاتا ہے اور کبھی الٹ پلٹ ہوتا ہوا زمین پر آجاتا ہے۔

کہیں موٹا رسہ باندھ کر اس پر دوڑتا پھرتا ہے۔ سانس روک کر رسے کے اوپر کھڑا رہتا ہے اور نیچے نہیں گرتا۔

بازیگر بن کر یہ سب تماشا دکھا رہا ہے۔ اس کے ظہور کی شانیں اور صورتیں اس قدر زیادہ اور مختلف ہیں کہ اس کی سمجھ کسی کو نہیں آتی۔

بازیگر نے تو کھیل تماشے کے لیے بہت بلند و بالا بانس گاڑ دیا ہے۔ اب اگر کوئی ناتجربہ کار بازیگر اس بانس پر چڑھ کر کھیل کرے گا اور چوک ہو جائے گی تو گر کر خود چور چور ہو جائے گا۔

تشریح

اس سے پہلے چند بندوں میں ذکر الٰہی اور عبادت خداوندی کے مختلف روپ اور ظہور بیان ہوئے تھے۔ اب ایک دوسرے میدان یعنی کھیل تماشے کے رنگ و روپ اور ظہور کی شانیں بیان ہو رہی ہیں۔ دنیا میں کچھ لوگ یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ:

بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

یعنی زندگی چند روزہ ہے اس مہلت سے فائدہ اُٹھاؤ اور خوب عیش کر لو کہ پھر اس دنیا میں لوٹ کر نہیں آنا۔

ایسے لوگوں کا مطمع نظر خواہشاتِ نفسانی کی تکمیل ہی رہ جاتی ہے۔ مال و دولت، دنیا اور عیش و آرام، اقتدار، حکمرانی۔ بس یہی مطلوب و مقصود زندگی رہ جاتا ہے ان کے نزدیک۔ خواہشات نفسانی کی تکمیل کھیل تماشے اور لہو و لعب سے ہی ہوتی ہے۔ جیسا کہ غالب نے کہا ہے:

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشہ میرے آگے

مگر اہل حق کے نزدیک اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے۔ اس زندگی کے مقابلے میں یہ زندگی واقعی اتنی عارضی اور مختصر ہے جیسے تھوڑی دیر کے لیے کوئی کھیل تماشہ ہو اس سے دل بہلا لیا جائے اور بس۔

کہیں کوئی بازیگر اپنے کرتبوں سے دنیا کو محظوظ کر رہا ہے، کہیں بانس پر چڑھ کر دکھا رہا ہے، موٹے رسے پر بغیر سہارے چل رہا ہے اور گرتا نہیں ہے، کہیں راگ و رنگ کی محفل سجائی ہے۔ سر تال کے رنگ بکھر رہے ہیں۔ محفل ہائے ھو بپا ہے، کہیں ناچ ہو رہا ہے اور ساز و آواز کی محفل گرم ہے۔ یہ سب زندگی کے مختلف رنگ و روپ ہیں۔

مگر اس محفل رنگ و بو کو سجانے والے اور کھیل کے میدان میں بازی کا رنگ جمانے والے بازی گر نے زندگی کے میدان میں فلاح و کامرانی کی منزل کا حصول اسی قدر مشکل رکھا ہے جیسے بازی گر نے میدان میں اونچا لمبا بانس گاڑ دیا ہو کہ اس پر چڑھ کر بازیگری کے کرتب دکھاؤ تو کامیابی ہوگی، لوگ واہ واہ کریں گے۔ چنانچہ اس کھیل میں کامیابی کے لیے تو بڑی مہارت، بڑی محنت اور خلوص کی ضرورت ہے۔ ناتجربہ کاری اس میدان میں ناکامی کا باعث بن جاتی ہے۔ مہارت تامہ کے بغیر اور اپنے نفس امارہ کو قابو میں لائے بغیر فلاح و کامرانی کے اونچے لمبے بانس پر چڑھنا بہت مشکل ہے اور کہیں بھی کسی قدم پر ذرا سی غلطی سے ساری محنت اکارت ہو جائے گی۔ راہِ سلوک گویا بازی گر کا ایک بانس ہے جس پر چڑھنا بہت مہارت اور احتیاط کا کام ہے۔ قدم قدم پر نفس امارہ کے فریب اور بہلاوے، سالک کے اس مشن کے درپے رہتے ہیں۔ اس بازی میں جیت کسی سچے راہبر و مرشد اور اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی کے بغیر ممکن نہیں۔ حضرت میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے ہیں: '

جب پہنچوں تو کہوں ابھی کچھ کہا نہ جائے
بھیکھا یہ من مسخرہ لڑے یا بھاگا جائے

بند نمبر ۱۶

کھوں صوفی ہو سیکھ کہاوے　　نس باسر یاہو لولاوے
لولا گے بسرے سب کاماں　　بسریو دلق مصلا جاماں
برتی رہے نماز گزارنے　　رٹ رٹ یاہو آپ بسارے
آپ بسر رٹ یاہو لاگے　　یاہو کہنس سکھمن جاگے
سکھمن جاگے لاگے تاڑی　　بسرے صوفی سیکھ بھکاری
رہے نہ دوجی من میں کائی　　یہ گت صوفی کی بھئی بھائی
کھوں سنیاسی سیوڑا کہوں نٹ درویش
کھوں جوگی جنگم بھیا دھر گھٹ ورشن بھیس

فرہنگ

سیکھ: شیخ، عالم ذین۔نس باسر: ہر روز۔ بسرے: بھول جائیں۔سب کاماں: سارے کام کاج۔دلق: گدڑی۔ جاماں: لباس۔ برتی رہے: روزہ رکھے۔یاہو کہہ: اللہ اللہ کرتے کرتے۔نس سکھمن جاگے: نس نس میں سکون پیدا ہو جائے، اطمینانِ قلب نصیب ہو جائے۔تاڑی: توجہ۔دوجی: دوسراپن۔سیوڑا: خدمت گزار۔گھٹ ورشن: ایسا روپ جو ظاہر میں غائب ہو مگر اس کا تصور دل میں ہی کیا جا سکے۔

ترجمہ

کہیں صوفی کے روپ میں آ کر شیخ کہلاتا ہے، ہر روز یا ھو کا ورد کر کے اللہ سے لو لگاتا ہے۔

جب اللہ سے لو لگ گئی تو سب کام کاج بھول گئے، گودڑی مصلا اور اپنا لباس سب بھول گئے۔

کہیں روزہ دار ہے نمازی ہے اور یاھو کا ذکر کرتے کرتے اپنے آپ کو بھول جاتا ہے۔
اپنے آپ کو بھول کر اللہ کا ذکر کرتا ہے تو ہر نس میں سکھ چین پیدا ہو جاتا ہے۔
جب من کے اندر چین پیدا ہو جاتا ہے تو توجہ (اللہ کی طرف) لگ جاتی ہے۔ پھر (سارے روپ) صوفی، شیخ اور بھکاری فقیر سب وہم وخیال سے نکل جاتے ہیں۔
(اللہ کا ذکر کرتے کرتے) من سے غیریت کا وہم دور ہو گیا اور صوفی کی یہ حالت ہو گئی۔
کہیں تارک الدین جوگی بنا ہے، کہیں خدمت گزار خادم اور کہیں درویش کا روپ ہے۔ کہیں جوگی فقیر بن کر بھجن گاتا پھرتا ہے (اور ذات کو ایسے چھپا لیا) کہ بس دل ہی میں تصور کیا جا سکے۔

تشریح

درج بالا بند میں بالعموم ذکر کی مختلف صورتوں کا ذکر ہے۔ ذکر کے متعلق تفصیل گزشتہ صفحات میں دی جا چکی ہے۔ اب شرح کلام پر بات کرتے ہیں۔

ظہورِ حق تعالیٰ کی شانوں میں ایک یہ بھی ہے کہ صوفی کے روپ میں ظاہر ہو رہا ہے اپنا نام شیخ کہلواتا ہے۔ عالم دین ہے، دینی امور اور اخلاق و آداب پر درس دیتا ہے۔ شریعت مطہرہ کے اصل الاصول بیان کرتا ہے اور کہیں دن رات اللہ اللہ کا ذکر کر کے اللہ سے لَو لگائے ہوئے ہے۔ اسی کی یاد میں مگن، اسی کے تصور میں دن رات بسر کرتا ہے۔ جب یادِ الٰہی میں پختگی آ جاتی ہے تو انوارِ الٰہیہ ذاکر کو گھیر لیتے ہیں، وہ انہی انوار میں گم ہو جاتا ہے پھر اُسے سب کام کاج بھول جاتے ہیں حتیٰ کہ اپنی گدڑی، مصلا اور اپنے لباس کا ہوش نہیں رہتا۔ یادِ الٰہی میں مگن رہنے والا ذاکر رسومات عبادت بھی ادا کرتا ہے۔ روزہ رکھتا ہے نماز پڑھتا ہے مگر محویت و مشغولیت ذاتِ خداوندی کے ساتھ رہتی ہے۔ اسی کے ذکر میں اپنے آپ کو اپنی دنیا و مافیہا کو بھلائے رکھتا ہے۔

جب ذاکر کی اپنی ذات ذکر کے سبب انوارات الٰہیہ میں گم ہو جاتی ہے تو اس کی محویت اور مشغولیت رب تعالیٰ کے ساتھ اور گہری ہو جاتی ہے۔ معیت ربی کے انوار اس کے گرد حصار کر لیتے ہیں اور ذکر کرتے کرتے اس کی نس نس سے سکینت اور اطمینان پھوٹنے لگتا ہے۔ وہ اطمینان قلبی کا سرچشمہ بن جاتا ہے اور جہاں بھی جاتا ہے ماحول کو اطمینان و سکون سے بھر دیتا ہے، اس کی محفل میں بیٹھنے والے اس کے انوار کی برکت سے فیضیاب ہوتے ہیں اور دلی سکون حاصل کرتے ہیں۔ اطمینان قلب سے وہ نفس مطمئنہ بن جاتا ہے اور صوفی، شیخ اور بھکاری درویشوں کے مقام سے بہت بلند ہو جاتا ہے۔ پھر اس کا یہ حال ہو جاتا ہے کہ اس کے دل سے غیریت کا وہم اور نفس کے وسوسے سب نکل جاتے ہیں اور ہر دم معیت رب کا گہرا احساس اسے سکون اور قلبی قوت عطا کرتا ہے۔

یہ سارے ظہور یہ سب شانیں خالق کل کی ہیں۔ یہ اسی کی شانوں کا ظہور ہے کہ کوئی خدمت گذار بن کر خدمت کر رہا ہے، کسی نے درویشی کا رنگ اپنایا ہوا ہے۔ کہیں جوگی کے روپ میں بھجن گاتا پھرتا ہے۔ مگر یہ سب اس کی صفات اور شانوں کی تجلیات کا اثر ہے۔ اس کی اپنی ذات کہیں پردوں میں گم ہے، ظہور کے پردے میں چھپی ہے۔ بس اس کا تصور تو دل ہی میں کیا جا سکتا ہے، موجودات کے ذرے ذرے میں ظہور پذیر مگر اپنی ذات اس قدر پوشیدہ کہ نہ ذکر میں نہ فکر میں کہیں سما نہ سکے۔ ہاں اگر اس کا تصور کہیں ہو سکتا ہے تو وہ قلب مؤمن میں ہی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں وارد ہوا ہے:

"لَا یَسَعُنِیْ اَرْضِی وَلَا سَمَائِی وَاِنَّمَا یَسَعُنِی قَلْبُ عبدٍ مؤمِنٍ"

(میں زمین اور آسمانوں میں نہیں سما سکتا مگر مؤمن بندے کے قلب میں سما سکتا ہوں۔)

بند نمبر ۱۷

کہوں صوفی ہو سیکھ جو آوے سبھنوں میں سردار کہاوے
پھرے دلق مصلا کاندھے کام کرودھ لوبھ سب باندھے
برتی رہے نماز گزارے اللہ نام پر آپ جیو وارے
ستگور ہوئے سکت سے کھیلے سکھ ساکھا نت حق سوں میلے
دوہوں جگت اِک دَرش میں تارے پاپ کھوئے سب پار اوتارے
صوفی سدا سمادھ میں رہے آپ کو کھوئے
جہاں نہ کوئی دوسرا تہاں یاہو یاہو ہوئے

فرہنگ

سبھنوں میں: سب میں، کام: خواہش، ہوس، کرودھ: غصہ، لوبھ: لالچ، حرص، سکت: خواہش، سکھ ساکھا: سکون وراحت، تارِ عشق: محبت کی شاخ، درش: نظر، نگاہ، سمادھ: مراقبہ، استغراق، یکسوئی۔

ترجمہ

جب شیخ (عالم دین) صوفی کے روپ میں آتا ہے تو سب کا سردار کہلاتا ہے۔

اپنی گودڑی اور مصلا کاندھے پر لادے پھرتا ہے مگر خواہشاتِ نفس غصہ اور لالچ بھی سب ساتھ باندھے پھرتا ہے۔

روزہ رکھتا ہے نماز پڑھتا ہے، اللہ کے نام پر اپنی جان قربان کرتا ہے۔

سچا مرشد (جو ہوتا ہے) وہ تو خواہشات نفس سے کھیلتا ہے (قابو رکھتا ہے) اپنے عشق ومحبت کا سلسلہ (تار۔شاخ) ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے جوڑے رکھتا ہے۔

(سچا مرشد) تو ایک ہی نگاہِ کرم سے دونوں جہانوں کو پار لگا دیتا ہے وہ تو گناہ ختم کر کے سب کو نجات دلا دیتا ہے۔

صوفی (تو وہ ہوتا ہے) جو ہمیشہ حق تعالیٰ کی یاد میں محو رہتا ہے۔ اور اپنی ذات کو بھی (ذکر) میں گم کر دیتا ہے۔ (جب ذکر میں ذاکر کی ذات گم ہو جائے) تو وہاں سوائے ذاتِ حق کے اور کوئی باقی نہیں رہتا۔

تشریح

اس بند میں کچھ بناوٹی صوفیوں اور اصل اور خالص صوفیوں کا موازنہ کیا جارہا ہے۔

جب علماء ظاہر بین میں سے کوئی صوفی کا روپ دھا لیتا ہے تو وہ لوگوں کے درمیان بظاہر بڑا مقبول ہو جاتا ہے۔ معاشرے میں بلند مقام پالیتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو شریعت اور طریقت دونوں کا ماہر ظاہر کرتا ہے مگر اس کی حالت یہ ہوتی ہے کہ بظاہر اپنی گودڑی اور عبادت مصلاّ کاندھے پر لادے پھرتا ہے۔ جہاں جاتا ہے اپنی عبادت ورع اور علم کا ڈھول پیٹتا ہے۔ دین اور فقہ کے مسائل بیان کرتا ہے، طریقت کی گتھیاں سلجھاتا ہے مگر اپنے باطن کا یہ حال ہے کہ خواہشاتِ نفس، غصہ اور خبث باطن اور حرص وطمع کی گٹھڑیاں اپنے کاندھے پر لادے ہوئے ہوتا ہے۔ دنیا کو دکھانے کے لیے وہ روزے بھی رکھتا ہے، نماز بھی پڑھتا ہے اور زبانی کلامی اللہ کے نام پر اپنا تن من دھن بھی قربان کرتا ہے مگر یہ سب ریاکاری ہے، دکھاوا ہے، قلب و باطن کی سیاہی بدستور قائم رہتی ہے۔ وہ اپنے آپ کو بھی دھوکہ دیتا ہے اور دوسروں کو بھی۔ گویا:

خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

اس کے مقابلے میں اہل حق جن کی ترجیح اوّل رضائے حق تعالیٰ ہے جن کے ذکر، فکر اور عمل میں یادِ خداوندی بسی ہے نورِ معیت حق انہیں ہر وقت گھیرے میں لیے رہتا ہے۔ وہ لوگ جو خود یادِ حق میں اپنا آپ گم کر بیٹھے جنہوں نے اپنی خواہشات مرضی مولیٰ کے

تابع کردیں جنہوں نے اپنی مرضی اپنے رب کی مرضی میں گم کردی وہی سچے پیشوا ہیں۔ اپنے تن من کو اللہ تعالیٰ کی ذات میں گم کر کے نفس مطمئنہ ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنے عشق و محبت کی ہر لہر کو حق تعالیٰ سے منسوب کرتے ہیں۔ اسی کے ساتھ جڑے رہتے ہیں، اپنی ہر سانس اپنی ہر کوشش کو توفیق من اللہ کہتے ہیں۔ اُسی کے لیے جیتے ہیں، اسی کی طرف جانا اپنا مقدر گردانتے ہیں اور بالآخر اسی سے واصل ہو جانے کو فلاح و کامرانی سمجھتے ہیں۔ پھر ایسے ہی لوگ ہیں جن کے کان اللہ کے کان ہو جاتے ہیں جن کی بصارت اللہ کی بصارت ہو جاتی ہے۔ اللہ ان کے ہاتھوں سے کام کرتا ہے ان کے کانوں سے سنتا ہے اور ان کی آنکھ سے دیکھتا ہے۔ یہ اللہ کے محبوب ہیں۔ ان کا تصرف ہر دو جہانوں میں ہوتا ہے۔ بس ان کی ایک نگاہ ہی دونوں جہانوں میں اثر دکھا دیتی ہے۔ یہ لوگ اپنی نگاہ فیض سے لوگوں کے گناہ دھو ڈالتے ہیں۔ ان کا تزکیہ نفس کرتے ہیں۔ ان کے نفس و قلب کی تہذیب کر دیتے ہیں اور ان کو کامرانی اور نجات کی منزل دلا دیتے ہیں۔

ایسے اللہ والوں کو زیب و زینت دنیا سے کیا واسطہ، ان کا ہر لمحہ یادِ خداوندی میں گزرتا ہے۔ اسی کے ذکر میں محو رہ کر اپنا آپ بھلا دیتے ہیں۔ ذکر الٰہی کے انوارات جب بندے کو گھیر لیتے ہیں تو اس کی اپنی ذات بھی انوارات الٰہیہ میں گم ہو جاتی ہے۔ پھر ہر طرف حق ہی حق رہ جاتا ہے، کوئی دوسرا وہاں پر نہیں مار سکتا اور اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (سورۃ النور: آیت ۳۵) کے مقام علیا کا مشاہدہ نصیب ہو جاتا ہے۔

بند نمبر ۱۸

جپ تپ سنجم کہوں جٹ دہارے | انّ بنا کہوں پران اہارے
کہوں ادھین ہو مانگن آوے | کہوں ٹھاکر ہو دان دلادے
کہوں تو ہو بیٹھے سدھ سادھو | کہوں ہو پھرے چور چت بیادھو
کہوں گھٹ درش ہوئے جو کھیلا | کہوں گورو کیوں آپے چیلا
گھٹ درشن گت مہاں اپارا | درش درش کا پنتھ نیارا
الکھ گگن ہر سو کہوں راتا | کہوں سوہون پارس سوں ماتا
کہوں نٹ ہوے کلا جور تجھا | کہوں صوفی یاہو میں بھیجا

اوگھٹ درشن پنتھ کا نیارا نیارا راہ
ڈونگھا گھور گھنیرا اَت سگھڑا پاوے تھاہ

فرہنگ

جپ تپ: پوجا پاٹ، سنجم: چلہ کش، جٹ دھاری: لمبے بالوں والا جوگی، اَنّ: اناج، روٹی، پران: سانس، روح، زندگی، اہارے: خوراک، ادھین: عاجز، مسکین، مانگن آوے: مانگنے آجائے، ٹھاکر: سردار، دان: خیرات، چور چت: چوری کے خیال میں، بیادھو: تاڑ میں، مہاں اپارا: بے حد و حساب، درش: ظہور، گھٹ درشن: بظاہر غائب مگر دل میں سمانے والا روپ، الکھ: چھپا ہوا، گگن: آسمان، بھیجا: بھیگا ہوا، کلا جور تجھا: جب بازیگری کا شوق ہوا، اوگھٹ: دشوار گزار، پنتھ: راستہ، دشن: روپ، ظہور، نیارا، نیارا: الگ الگ، ڈونگا: گہرا، گھور: خوفناک، راتا۔ گھنیرا: رنگ، اندھیرا۔ سگھڑا: صاحبِ فضیلت، مرشد والا، تھاہ: تہہ، پیندا، تلا۔

ترجمہ

کہیں پوجا پاٹ اور چلہ کش کا روپ ہے اور کہیں لمبے بالوں والا جٹ دار جوگی بنا ہے اور کہیں (ذکر میں ایسا کھویا ہے) کہ کھانا کھائے بغیر ذکر ہی کو روح کی خوراک بنا رکھا ہے۔

کہیں عاجز اور مسکین بن کر بھیک مانگتا ہے اور کہیں سردار بن کر بھیک اور دان تقسیم کر رہا ہے۔

کہیں گیان دھیان میں محو ہے اور کہیں چوری کی نیت سے مال کی تاڑ میں لگا ہے۔

کہیں چھپنے اور ظاہر ہونے کا کھیل جو رچایا ہے تو آپ ہی گورو بنا ہوا ہے اور آپ ہی چیلا بنا ہوا ہے۔

احدیت میں گم ہونا اور واحدیت میں ظہور کی شانیں ایسی ہیں جن کا کوئی شمار نہیں، بے حد وحساب ہیں، ظہور کی ہر شان کا راستہ الگ الگ ہے۔

کہیں آسمان میں گم ہے اور کہیں ہر طرف اپنی تجلیوں کے رنگ بکھیرے ہیں۔ کہیں خود ہی دھن دولت ہے اور کہیں پارس سے (سونا بنا کر) لکشمی (دولت) کا ظہور ہو رہا ہے۔

بازیگر کے روپ میں ہیں بازی گری کا شوق چرایا ہے اور کہیں صوفی بن کر ذکر اور مراقبے میں اللہ ھو کے ذکر میں ڈوبا ہے۔ (بھیگا ہوا ہے، تر ہے)

(اخفائے ذات اور ظہور صفات و اسماء) کی گھاٹی (طے کرنا) بہت دشوار گزار ہے۔ ہر روپ کا رنگ اور راستہ الگ الگ ہے۔ اس گھاٹی کی اتنی گہرائی اور یہاں خوفناک اندھیرا ہے۔ (راستہ چلنا انتہائی دُشوار ہے) مگر سچے مرشد والا ہی (اس گھاٹی کی) پاتال تک پہنچ سکتا ہے۔

تشریح

جہانِ رنگ و بو میں ذات اقدس کے ظہور کے مختلف روپ اور ان کا ذکر ابھی جاری ہے۔

مختلف جوگیوں کا ذکر ہے۔ کہیں پوجا پاٹ میں اور چلہ کشی میں مصروف ہے اور کہیں لمبے لمبے بالوں والے جٹ داری جوگیوں کے روپ میں ظاہر ہے۔ کہیں نفس کشی کے ذریعے قرب محبوب کی کوشش ہو رہی ہے، خواہشات نفسانی کو ختم کر کے اپنے من کو منور کیا جا رہا ہے۔ عام غذا کو چھوڑ کر ذکر خداوندی ہی کو روح کی خوراک بنا رکھا ہے اور روحانی قوت کے ذریعے قوائے بدنی کو بھی قائم رکھا جا رہا ہے۔ اُصول یہ ہے کہ خواہشات نفس اور مادی ضروریات بندے اور حق کے درمیان حجاب ہیں۔ ان مادی حجابات کو جتنا دور کیا جائے گا ذاتِ حق کی تجلیات اس قدر واضح ہوتی چلی جائیں گی۔ روحانی اور بدنی کثافت کو دور کرنے سے ہی وصل حق نصیب ہوسکتا ہے۔ عابد و زاہد، درویش اور جوگی اور پجاری سب اپنے اپنے رنگ میں محبوب حقیقی کے وصل کے لیے کوشاں ہیں۔ ظہورِ حق کی یہی مختلف شانیں ہیں، یہی ان کا مشن ہے۔ اب جس کا نصب العین جس قدر سچا اور حقیقی ہوگا اُسے حاصل کرنے والے کی کوشش بھی اسی قدر حقیقی اور بارآور ہوگی۔ دنیا میں فرق مراتب بھی حسن ظہور کی ایک ادا ہے۔ کوئی عاجز اور مسکین بنا خیرات مانگ رہا ہے اور کوئی سردار اور سخی بن کر دان اور خیرات دلا رہا ہے۔

کوئی سادھو بن کر گیان دھیان میں محو ہے اور کوئی چوری چالاکی کے خیال میں مال و دولت لوٹنے کی تاک میں ہے۔ ذات حق کے پوشیدہ ہونے اور ظاہر ہونے کا کھیل بڑا عجیب ہے۔ مقام احدیت میں اسماء و صفات و موجودات و آثار سب گم ہیں اور مقام شہادت میں اس کی تجلیات ذرے ذرے پر ہیں۔ خود ہی گرو ہے اور خود ہی چیلا ہے۔ یہی ہے ظہور کی بہہ رنگی۔ اخفاء اور ظہور کی شانیں اور رنگ بے شمار اور حدود حصر سے ماوراء ہیں۔ یہاں تو انسانی فکر بے بس ہے۔ محدود ذات لامحدود کا تصور کیسے کرے اور مخلوق اپنے خالق کو

کیسے بیان کرے۔ایسی ذات جس کے ایک ایک روپ اور ایک ایک ظہور کی اپنی الگ الگ شان اور الگ الگ راستہ ہے۔ان شانوں کو شمار کرنے کے لیے تو سمندروں کی سیاہی اور درختوں کے قلم بھی ناکافی ہیں۔بس مقام عجز ہے بندے کے لیے۔

میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوبصورت طرز بیان اختیار کیا ہے کہ خود تو آسمانوں میں چھپا ہوا ہے اور ذرے ذرے پر متجلی ہو رہا ہے۔ ہر سو شانوں کے رنگ بکھیرے ہیں۔کہیں خود ہی دھن دولت بنا ہوا ہے اور کہیں پارس سے سونا بنا کر لکشمی کے روپ میں ظاہر ہے۔کہیں بازیگر کے روپ میں کرتب بڑے شوق سے دکھا رہا ہے اور کہیں صوفی اور درویش بن کر اللہ ھو کے ذکر میں ڈوبا ہوا ہے۔غرض وہ ذات بے نیاز ہے۔اس کے رنگ نرالے ہیں۔ذکر اور فکر کرنے والوں کے لیے حق کی معرفت حاصل کرنے والوں کے لیے راہِ سلوک طے کرنا کوئی آسان کام نہیں۔اخفائے ذات اور ظہورِ اسماء وصفات کے حقائق تو ایسی گھاٹی ہیں جو بہت گہری، جہاں خوفناک اندھیرا ہے اس گھاٹی کی اندھیری اور دُشوار گزار راہوں، منزل کا راستہ تلاش کرنا اور اس پر چلنا جان جوکھم کا کام ہے۔ ان راہوں پر کامیابی سے سفر طے کرنے کے لیے عارفین کاملین کی راہنمائی اور دستگیری درکار ہے۔حضرت میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ ہی فرماتے ہیں:

سب اچھر کوں کھوج کے بوجھا الف بِدان
دھن مالی او واہگور و جن یہ دیا گیان

عالم موجودات میں تمام آثار اور مظاہر کو کھوج کر دیکھا تو آخر میں ایک ہی حقیقت واضح ہوئی اور رب واحد و یکتا کی معرفت حاصل ہوئی۔اس کے لیے حضرت شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ جو آسمان معرفت کے شہباز اور سچے مرشد ہیں ان کی عطا سے یہ معرفت نصیب ہوئی۔

بند نمبر ۱۹

کہوں تو بید پران پڑھاوے　　کہوں مورکھ ہو بات نہ آوے
کہوں گیت پیت کو راگے　　کہوں ہو دکھ برہے بیراگے
کہوں لائے ہت کہوں جوتوڑے　　کہوں برہے ہو رووت دوڑے
کہوں انوپ روپ ہوآوے　　کہوں دیکھ روپ للچاوے
کہوں سروپ انوپ ہو بیٹھے بھون منجھار
کہوں تو کارن دیکھنے ہانڈے گھر گھر بار

فرہنگ

بید، پران: ویداور پران، ہندوؤں کی مذہبی کتابیں۔ مورکھ: بےعقل۔ راگے: گائے۔ برہے: جدائی کا غم۔ لائے ہت: پیار لگائے۔ رووت: روتا ہوا۔ انوپ: بدصورتی۔ روپ: بہت حسین۔ سرُوپ: خوبصورت حسین۔ بھون: گھر۔ منجھار: درمیان۔ ہانڈے: پھرے۔

ترجمہ

کہیں ویداور پران (ہندو مذہب کی کتابیں) کا درس دے رہا ہے اور کہیں ناسمجھ بنا ہے جسے بات کرنی بھی نہیں آتی۔

کہیں محبت کے راگ الاپ رہا ہے اور کہیں فراق کے صدمے سے دُکھی ہو رہا ہے اور تارک الدنیا بنا ہوا ہے۔

کہیں پیار جگاتا ہے اور کہیں ناطہ توڑتا ہے اور کہیں جدائی کے صدمے سے (بے حال ہوکر) روتا ہوا دوڑتا پھرتا ہے۔

کہیں بدصورتی نے حسن کا روپ دھار لیا ہے اور کہیں حسن اور روپ کو دیکھ کر جی للچا رہا ہے۔

کہیں حسن بدصورت ہوکر گھر میں موجود ہے اور کہیں (حسن کی جھلک) دیکھنے کے لیے گھر گھر دوڑتا پھرتا ہے۔

تشریح

ظہور کی مختلف شانیں جو زیادہ تر عشق ومحبت اور حسن کے رنگ لیے ہوئے ہیں۔ فرمایا ہے کہیں عالم دین بن کر مذہبی کتابوں کے درس دے رہا ہے۔ اخلاقیات و عبادات کے طریقے سمجھا رہا ہے، فلاح ونجات کے راستے بجھا رہا ہے۔ مگر ایک دوسرے روپ میں بالکل ناسمجھ کودن بنا ہوا ہے جسے ڈھنگ سے بات کرنا بھی نہیں آتی۔

کہیں عشق ومحبت میں سرمست محبت کے گیت الاپ رہا ہے اور کہیں محبوب کے فراق میں دُکھی ہوکر سب کچھ تیاگ چکا ہے اور تارک الدنیا بنا ہوا ہے۔ کہیں کسی کو دام محبت میں گرفتار کرلیتا ہے اور کسی سے رشتہ محبت ہی توڑ لیتا ہے۔ کہیں بدصورتی حسن بن جاتی ہے اور کہیں حسن کو دیکھ کر اس پر ریجھ رہا ہے۔ کہیں حسن نے بدصورتی کا روپ دھارلیا ہے اور گھر میں پڑا ہے اور کہیں خود حسن کے جلوؤں کے لیے بے چین اِدھر اُدھر بھاگا پھرتا ہے۔

زندگی میں محبت ہی دراصل حیات انسانی کا جذبہ محرکہ ہے۔ زندگی کی بھاگ دوڑ، محنت مشقت اور تمام رعنائیاں محبت ہی کے کرشمے ہیں۔ انسانوں کے فکری رُجحانات الگ الگ رنگ، سعی وکوشش الگ الگ۔ ترجیحات اپنی اپنی، منازل ومقصود الگ الگ مگر جذبہ محرکہ ایک ہی ہے اور وہ ہے محبت، چاہے محبوب کی ہو، مال ودولت کی ہو، اولاد کی ہو، اقتدار کی ہو، غلبے کی ہو، ذات برادریوں کے تعصبات ہوں، قوموں کے جھگڑے ہوں، صلح ہو، جنگ ہو، سب کی محرک اساسی محبت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ہر شے کی تخلیق میں اپنی کشش اور محبت کا شدید جذبہ رکھ دیا ہے۔ یہی جذبہ ہر شے کو اس کے وجود کے مقاصد کی تکمیل کے لیے حرکت میں لاتا ہے۔

اوپر دیئے گئے اشعار میں عشق ومحبت کے مختلف رنگ دکھائے گئے ہیں۔ دراصل

پوری کائنات ہی گرفتار محبت ہے۔ اپنے خالق و مالک کی محبت اور اسی کی طرف کھنچی چلی جا رہی ہے۔ ظہورِ حق کی شانیں جس قدر زیادہ اور مختلف ہیں محبت کے شیڈ بھی اسی قدر مختلف ہی۔ حتیٰ کہ نفرت بھی محبت کی معرفت کا سبب ہے، نفرت نہ ہو تو محبت کیسے سمجھ میں آئے۔ اسی طرح کہیں بدصورتی حسن کی جگہ لے لیتی ہے تاکہ حسن کی خوبیاں اور نمایاں ہوسکیں۔ بدصورتی کے بغیر حسن نمایاں نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ دنیا میں محبت کے ساتھ نفرت ملی ہے اور حسن کے ساتھ بدصورتی ملی ہے۔ علم کے ساتھ جہل ہے، عقل کے ساتھ مورکھ ہے۔ تضادات صفات کی معرفت کو نمایاں کرتے ہیں۔ ظہورِ حق کی یہ شان بڑی عجیب ہے۔

بند نمبر ۲۰

کہوں میت ہو پیت لگاوے
میت چھاڈ کہوں اور نہ جاوے
کہوں سمیت رہے سدا نیڑے
نس دن سکھ اپجین بھتیرے
کہوں ملجات ات سنگ پرانی
جیون مل رہت دودھ میں پانی
کہوں چھب نرکھ چھکات رہے
ودھ انند نکھ سکھ سدا لوبھے
ودھ انند میں بودیو کہوں چھب نرکھ انوپ
نکھ سکھ سبھ انند بھیا، بھیا انند سبھ روپ

فرہنگ

میت: عاشق۔ چھاڈ: چھوڑ کر۔ سمیت: ساتھ ملا ہوا۔ اپجین: پیدا ہو۔ بھتیرے: اندر، من کے اندر۔ ملجات: مل جاتا ہے۔ سنگ: ساتھ۔ پرانی: جاندار، ذی روح۔ چھب: انداز، ادا۔ نرکھ: دوزخ۔ چھکا: آگ بھڑکانا۔ نکھ سکھ: سر سے پاؤں تک۔ ودھ: ڈھنگ، چال، شکل۔ لوبھے: خواہش کرے، تلاش کرے۔ انند: سکھ، چین۔ بودیو: حکمت سمجھانے والا۔ انوپ: برائی، بدصورتی۔ سبھ: بہتر، عمدہ، نیک۔

ترجمہ

کہیں عاشق بن کر محبت کرتا ہے اور عاشق (اپنی محبت) چھوڑ کر کہیں اور نہیں جاتا۔

کہیں ساتھ ہی ملا ہوا انتہائی قریب ہوتا ہے۔ (اور یہی قربت) ہر روز من کے اندر سکھ اور چین پیدا کرتی ہے۔

کہیں یہ روح کے ساتھ اس طرح مل جاتا ہے جیسے دودھ میں پانی۔

کہیں انداز ایسے ہیں کہ (ہر ادا سے) دوزخ بھڑ کا رہا ہے۔ کہیں یہ حالت کہ سر سے پاؤں تک امن اور سکون کی تلاش ہے۔

کہیں حالت یہ ہے کہ سکون سے بھرا حکمت و دانش بتا رہا ہے اور کہیں بدعملی کی حرکتیں گویا دوزخ کا ایندھن بن رہی ہیں۔ کہیں سر سے پاؤں تک بہترین سکون میں ڈوبا ہے اور یہ خوش کن سکون ایک پاکیزہ روپ بن رہا ہے۔

تشریح

محبت اور نفرت کے مختلف روپ اور ان کے اثرات کا ذکر ہو رہا ہے۔

محبت ایک شعوری جذبہ ہے۔ زندگی یا حیات بغیر شعور کے ممکن نہیں۔ یعنی روح حیات، شعور ہے، نباتات وحیوانات میں بھی ایک خاص سطح کا شعور ہے جو نباتات میں طبعی قوانین کا پابند اور حیوانات میں ناقابل تغیر جبلتوں کے تحت کام کرتا ہے۔ اس کے برعکس انسان کا شعور جبلتوں سے آزاد بلکہ بسا اوقات اس کی مخالفت میں عمل پیرا ہوتا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ انسان نہ صرف شعور رکھتا ہے بلکہ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ وہ باشعور ہے، اُسے اپنے وجود کا شعور ہے کہ "میں ہوں"

انسان کی خود شعوری ایک ایسا روشن نکتہ ہے جس سے تمام انسانی تخیلات و جذبات وتعینات روشن ہوتے ہیں۔ یہ ایک لازوال حقیقت ہے جو انسان کی منتشر اور غیر

محدود کیفیتوں کی شیرازہ بند ہے اور اس کا ایک خاصا ہے کہ عمل اور خودنمائی کے لیے بے تاب رہتی ہے۔ انسانی خودشعوری کا سب سے بڑا مرکزی وصف یہ ہے کہ اس کے اندر اللہ تعالیٰ کی محبت کا ایک نہایت طاقتور جذبہ عمل موجود ہے جو اپنا اظہار پانے کے لیے ہر وقت بے تاب رہتا ہے۔ انسانی زندگی کی جدوجہد کا جذبہ محرکہ یہی ہے۔ (۲۳)

(ماخوذ۔ حکمت اقبال، صفحہ۷۲ تا ۷۶)

انسان کی سب سے بڑی ضرورت۔ معرفتِ خداوندی

انسان کی سب سے بڑی ضرورت اللہ تعالیٰ ہے اور اس کی باقی تمام ضرورتیں اس سب سے بڑی ضرورت کے تابع ہیں۔ انسان کی اس ضرورت کو پورا کرنا، اس کو اللہ تعالیٰ کی معرفت بہم پہنچانا اور اس کو یہ بتانا کون سا عمل خدا کی محبت کو نشوونما کرنے والا ہے اور کون سا اس کے منافی ہے۔ تمام انسانی تگ ودو کا مقصود اسی ضرورت کی تکمیل ہے۔ گویا انسان کا نصب العین خدا کی ذات ہے اور اس کی تمام جدوجہد اس نصب العین کا حصول ہے۔ (۲۴) (ماخوذ: حکمت اقبال ص۱۱۱)

انسان اور محبت الٰہی

"کُنتُ کَنزًا مخفیًا"...... حدیث قدسی کے مطابق اللہ تعالیٰ جو مرقع حسن تمام و اکمل ہیں۔ اپنے حسن و جمال کی محبت میں اپنے جمال کے ظہور کے لیے کائنات کو تخلیق کیا اور اپنے آئینہ ظہور اسماء وصفات میں اپنا حسن و جمال دیکھنا چاہا تو اپنی صفات و اسماء کے مظہر تمام حضرت انسان کو پیدا کیا۔ گویا جب خالق کائنات کی محبت کائنات کی تخلیق اور تدریجی ترقی کی صورت میں اپنے مطلوب کی جستجو کرنے لگی تو اس کا نتیجہ حضرت انسان تھا۔ یہی سبب ہے کہ خدا کی محبت کا جلوہ پوری کائنات اور کائنات کی ہر چیز کی تدریجی ترقی اور تربیت کی صورت میں اس کائنات کے مادی پردہ کے پیچھے صاف طور پر نظر آرہا ہے۔

(۲۵) (حکمت اقبال صفحہ ۱۱۹)

''گویا انسان کی اصل خدا کی محبت ہے اور اس کے علاوہ انسان کچھ بھی نہیں۔ جس شخص میں ہمہ تن خدا کی محبت نہیں، وہ گویا بطور انسان موجود ہی نہیں۔ وہ احسن تقویم کے مقام سے گرا ہوا ہے۔ انسان تو سراسر آرزوئے حسن و جمال ہے اور یہ آرزو تو تمنائے حسن تمام کا ایسا ٹھاٹھیں مارتا طوفان ہے جو انسانی زندگی کو محیط ہے۔ یہ طوفان آرزو نہ ہو تو انسان بھی باقی نہیں رہتا۔ جہاں کہیں انسان صحیح راستہ سے بھٹک کر اِدھر اُدھر نکل جاتا ہے وہاں بھی ابلیسی اور نفسانی قوتیں دراصل اسی جذبہ اور طوفان پر تلبیس چڑھا دیتی ہیں اور اسے غلط نصب العین کو ہی صحیح ہونے کا یقین دلا دیتی ہیں۔ انسانی سعی و کوشش کا رُخ اگرچہ غلط ہو جاتا ہے مگر بنیادی جذبہ محرکہ محبت ہی رہتا ہے۔ (۲۶) (ماخوذ: حکمت اقبال، صفحہ ۱۱۳ تا ۱۱۵)

شرح کلام

عشق و محبت یکطرفہ جذبہ نہیں دوطرفہ عمل ہے۔ بندہ اللہ سے محبت کرتا ہے تو اللہ بھی بندے سے محبت کرتا ہے۔ سالک معرفت کے لیے تو زندگی ہی محبوب حقیقی کی محبت کا عنوان ہے۔ محبوب کی محبت نہ ہو تو وہ زندہ ہی نہیں رہتا۔ اس لیے وہ اپنے محبوب کی محبت کو چھوڑ کر کہیں جا ہی نہیں سکتا۔

ظہورِ حق کی یہ شان کہ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (سورۃ ق: آیت ۱۶) (ہم تو اس کی رگ و جان سے بھی زیادہ قریب ہیں) محبوب اگر عاشق کی رگ و جان سے بھی قریب ہو تو یہ انتہائے وصل ہے۔ قربت کی تکمیل ہے۔ اسی قرب حقیقی سے عاشق کے من کے اندر جذبہ تسکین اُبھرتا ہے۔ ایسی سکینت، ایسا چین، ایسا سرور کہ جس کی کوئی مثال نہ ہو۔

انسان روح اور مادی جسم کے مجموعے کا نام ہے جسے خودشعوری اور انا اپنی روح سے مل رہی ہے اور روح اللہ تعالیٰ کا امر ہے جو انسان کے اندر جاری و ساری ہے۔ روح کا تعلق عالم امر سے ہے اور عالم امر مخلوق نہیں اس لیے روح بھی مخلوق نہیں۔ تنزلات ستہ میں

عالم امر کا صدور اللہ تعالیٰ کی ذات سے بطور تخلیق نہیں بلکہ بطریق ابداع ہوا ہے۔ یعنی مادہ کے بغیر عدم سے وجود کا صدور، اب مُبدَع اور مُبدِع میں کیا نسبت ہے، یہ عالم مادی سے وراء حقائق ہیں اور عقل انسانی ابداع کے محاصرے سے قاصر ہے۔

چنانچہ ذات حق کا روح سے ملاپ بلا کیف اور ورائے بیان ہے۔ دودھ کے اندر پانی ملے ہونے کی مثال صرف انسانی عقل کے لیے ہے جو حدود زمان و مکان اور دائرہ اسباب سے باہر نکل کر سوچ نہیں سکتی۔

محبت کے ظہور اس عالم میں دوسرے بھی ہیں جن میں منفی رنگ نمایاں ہے۔ اس کیفیت کا ظہور اس طور ہو رہا ہے کہ فکر و عمل کی ہر حرکت اور ہر اداء سے آتش دوزخ میں لپٹے ہوئے اعمال کا صدور ہو رہا ہے۔ مگر ساتھ ہی ساتھ ایک رنگ یہ بھی ہے کہ محبوب حقیقی کی تلاش و جستجو میں کوشاں ہے اور سر سے پاؤں تک اپنی آرزو کی تکمیل اور اس سے ملنے والا ازلی سکون درکار ہے۔ حیاتِ انسانی متحرک اور عمل سے مملو ہے۔ یہ حرکت کہیں محبت و سکون اور عمل خیر کا مثبت رنگ لیے ہوئے ہے اور کہیں فتنہ و فساد اور فسق و فجور کا منفی رنگ لیے ہوئے ہے، کہیں کوئی دریائے سکوں میں غرق ہوا حکمت و دانش کی تعلیم دے رہا ہے اور کہیں کوئی فتنہ و فساد اور شر انگیزی سے آتش دوزخ بھڑکا رہا ہے۔ مگر حقیقت تو یہ ہے کہ مطلوب و مقصود رنگ ظہور یہی ہے کہ آرزوئے محبوب کی تکمیل جمیل سے پیدا ہونے والے سکون میں عاشق ڈوبا ہوا ہو اور سکون ابدی کی یہ کیفیت اُسے ایک انوکھا اور پاکیزہ روپ بھی عطا کر رہی ہو۔

بند نمبر ۲۱

کہوں بر ہے ہو نیہہ جولائے — کہوں سندر ہو بدن چھپائے
چھپے بدن کہوں اِت بر لاوے — جات جیو مکھ بات نہ آوے
روپ ونت ہو کہوں پدھارے — کہوں ہو دھا دھا دور نہارے
دوڑ دوڑ کہوں کرے جو پھیرا — رہے دور کہوں ہوئے نہ نیڑا
جھر جھر کہوں ہو ریہو جو آدھا — ہاہا کرت برہ دُکھ ڈاڈھا

کہوں روپ انوپ ہو برہے چت دکھ دے
چوکھ مکھ دکھلا ئیکے انچ پران سبھ لے

فرہنگ

برہے: جدائی کے غم میں بے حال۔ نیہہ: عشق۔ سندر: خوبصورت۔ اِت: یہ، بَرلاوے: خاوند کرتی ہے۔ جات جیو: نوزائیدہ، بچہ جنتی ہے۔ روپ ونت: شرمایا، لجھایا حسن۔ دھا دھا: بھاگ دوڑ کرتی، محنت مزدوری کرتی۔ نہارے: تلاش کرتی ہے۔ جھر جھر: گھل کر۔ ہاہا کرت: آہ وزاری کرتا ہے۔ روپ انوپ: حسن جو بے مثال ہو۔ چِت: دل، خاطر، من جان۔ چوکھ مکھ: حسین چہرہ۔

ترجمہ

کہیں جدائی کے غم میں دُکھی ہے اور عشق میں مبتلا ہے، کہیں حسن بن کر اپنے بدن کو چھپائے ہوئے ہے۔

کہیں پردے میں رہتی ہے اور شادی کرتی ہے، بچہ جنتی ہے جو منہ سے بات بھی نہیں کرسکتا۔

کہیں شرمائی لجائی حسینہ بن کر آتی ہے اور کہیں (مزدور، محنت کش) بن کر بھاگ دوڑ کر رہی ہے اور روزی تلاش کر رہی ہے۔

کہیں (ملاقات کے لیے) نت نت پھیرا ہے اور کہیں دور ہی رہتی ہے نزدیک نہیں آتی۔

کہیں (عاشق) جدائی کے غم میں گھل گھل کر آدھا رہ گیا ہے۔ آہیں بھرتا ہے کہ محبت میں جدائی کا غم بہت سخت ہے۔

کہیں حسن بے مثال دل کو جدائی کا غم دے رہا ہے کہیں حسین چہرہ دکھا کر دل کھینچ لیتا ہے۔

تشریح

اس بند میں ظہور کی ان شانوں کا بیان ہے جو محبت اور حسن کے مختلف رنگ لیے ہوئے ہیں۔

محبت کیا ہے؟

محبت ایک فطری اور طبعی جذبہ ہے جس کا ظہور مختلف صورتوں اور مختلف حالات میں مختلف کیفیات کے ساتھ ہے۔ یہ ایک مقناطیسی کشش اور لگاؤ ہے جو کسی کو کسی کی جانب کھینچتی ہے، کسی میں حسن وخوبی کی ایک جھلک دیکھ لینا، کسی کی کسی ادا کا دل کو بھا جانا اور اس کی جانب طبیعت کا مائل ہو جانا، دل میں اس کی رغبت، اس کا شوق، اس کی طلب وتمنا اور اس کے لیے بے چینی کا پیدا ہو جانا، اسی کے خیال میں شب و روز رہنا، اسی کی طلب میں تن من دھن سے منہمک ہونا، اس کے فراق سے ایذا پانا۔ اس کے وصال سے سیر نہ ہونا، اس کے خیال میں اپنا خیال، اس کی رضا میں اپنی رضا اور بالآخر اس کی ہستی میں اپنی ہستی کو گم کر دینا۔

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جان شدی
تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

ترجمہ: ''میں تو ہو جاؤں تو میں ہو جائے، میں جسم ہو جاؤں تو جاں ہو جائے تا کہ اس کے بعد کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ میں اور ہوں اور تو اور ہے۔''

محبت کی حکومت عالمگیر ہے۔ ساری کائنات محبت کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے۔ حبِ ظہور سے کائنات کا آغاز ہوا اور اسی حب کی آخر تک فرماں روائی رہے گی۔ ظہور حیات کے اختلاف مدارج کی نسبت سے ظہور محبت کے مراتب میں اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ اعلیٰ وارفع ہستیوں کی محبت اپنی انتہائی اعلیٰ شانوں کے ساتھ نمایاں ہوتی ہے تو عشق کہلاتی ہے۔

(۲۷)(سرِ دلبراں صفحہ ۲۵۴۔۲۵۵)

شرح کلام

محبت میں ایک بہت ہی نمایاں رنگ ہجر اور فراق کا ہوتا ہے۔ عاشق کے لیے جدائی کا صدمہ بہت بڑا صدمہ اور ناقابل برداشت ہوتا ہے۔ فراق کی ٹیس اور درد عاشق کے جذبہ عشق میں اور شدت پیدا کرتی ہے۔ وہ اس صدمے میں گھل گھل کر اپنی جان ہلکان کرتا رہتا ہے، آہ و بکا کرتا ہے، اپنے محبوب کو پکارتا ہے، اس کی اداؤں کا ذکر کرتا ہے، اس کے خیالوں میں گم رہتا ہے، محبوب کی یاد اور محبت کو اپنا اوڑھنا اور بچھونا بنائے رکھتا ہے۔

ایک محبت میں فراق کا رنگ ہے تو دوسری طرف حسن اپنے آپ کو چھپاتا ہے۔ کہیں تھوڑا سا جلوہ دکھا کر عاشق کے دل کو لوٹ لیا۔ اپنی اداؤں سے اس کی جان کھینچ لی۔ کہیں اپنے بے مثال روپ اور حسن کے باوجود عشاق سے بے رُخی برتنا شروع کر دی اور عشاق کے دلوں کو زخم زخم کر دیا۔ انہیں فراق کے صدمہ سے دوچار کر دیا، حسن کی ادائیں عجیب ہیں کہیں بار بار جلوہ دکھا کر عشاق کو بے چین کرتا ہے اور کہیں دور سے جھلک دکھا دیتا ہے اور نزدیک نہیں آتا۔ حسن کی یہ ادا بھی عشاق کے لیے کڑا امتحان بن جاتی ہے۔

مادی دنیا میں عورت حسن کا مظہر اور مرکز محبت تصور کی جاتی ہے۔ اس کے مختلف روپ ہیں۔ کہیں اپنے حسن میں شرمائے لجائے رہتی ہے اور کہیں محنت مشقت کرتی بھاگ دوڑ کرتی روزی تلاش کرتی نظر آتی ہے، کہیں اپنے آپ کو چھپا کر رکھتی ہے اور کہیں وصل کی منزل پا کر خاوند کے ساتھ ہوتی ہے۔ بچہ جنتی ہے، جو اپنے منہ سے لفظ بھی نہیں نکال سکتا۔

حسن حقیقی۔ راہِ سلوک اور عارف باللہ

عارفان ذات حق کے نکتہ نظر سے حسن و محبت کے یہ سارے مناظر اپنا الگ انداز رکھتے ہیں۔ سالک جب ذات حق کی انتہائی محبت میں مبتلا ہوتا ہے تو محبوب کی جدائی کا صدمہ اس کے لیے جان لیوا ہوتا ہے۔ عشق و محبت کی ہر داستان اس کی اپنی داستان بن جاتی ہے۔ جب وہ موجودات عالم میں رنگ ظہور دیکھتا ہے تو پتے پتے سے ذات حقیقی کا جلوہ نظر آتا ہے۔ اس منظر سے وہ قربت محبوب محسوس کرتا ہے اور ذات احدیت میں غور کرتا ہے تو سب کچھ وہاں پر گم نظر آتا ہے۔

وصل و فراق کی تمام داستانیں اور حسن مستور اور جلوۂ جاناں کے تمام اسلوب ایک سالک کے راستے کی مختلف منازل اور مختلف مقامات ہیں۔

بند نمبر ۲۲

جن مالی گور گیان بتایا ۔ جہاں تو ایکو ایک دکھایا
ایک دیکھ میں مت بورائی پیم بتھا اِت بھئی سوائی
پھولی بتھا پات پھول پھل ساکھا پیم بتھا یہ نام جو راکھا
پیم بتھا کو جو کوئی جانے ایک انکار کو سو پچھانے
پیمؔ بتھایہ نام ہے جو بانچی چت لائے
من میں اپجے ایکتا نکس دوسری جائے

فرہنگ

جن مالی: جس مرشد نے (ابو المعالی ؒ نے)۔ گور گیان: معرفت کا راز۔ مت بورائی: عقل گم ہوگئی۔ پیم بتھا: پریم کہانی (تخلیق کائنات کی کہانی جس کی بنیاد محبت ہے)۔ پیم بتھایہ: پریم کہانی کی حقیقت جانے والا۔ ایک انکار: خدائے وحدہٗ لاشریک،

باںچی چیت لائے: حواس خمسہ کو گم کر کے غور کرے، پوری توجہ لگائے۔ اپجے ایکتا: معرفت وحدت کا ظہور (پیدا ہونا)۔ نکس دوسری جائے: ہر غیر اللہ کا نام، من سے دور ہو جائے۔

ترجمہ

جس مرشد نے معرفت کا راز بتایا (اس نے) اس جہان میں ہر طرف ایک ہی ذات کا ظہور دکھا دیا (جس میں سارا جہان گم ہے)

خدائے واحد کے ظہور کی یکتائی دیکھ کر سدھ بدھ جاتی رہی اور پریم کہانی (محبت ذات کی بنیاد پر تخلیق کائنات کی داستان) کا حسن دوبالا ہو گیا۔

داستانِ محبت پھلی پھولی تو پھول، پھل، پتے اور شاخیں (کائنات کا وجود میں آنا) نکل آئیں۔ اس داستانِ وجود کو پریم کہانی کا نام دیا۔

اس پریم کہانی کو جو کوئی سمجھتا ہے خدائے واحد کو وہی پہچانتا ہے۔ پریم بتھا یہ یعنی داستان محبت کا راز داں وہی ہو سکتا ہے جو حواس خمسہ گم کر کے، اپنی صفات کو گم کر کے ذاتِ حق میں غور کرے، پھر اس کے اندر نور وحدت پیدا ہو جاتا ہے اور ہر ماسوا کا نام نکل جاتا ہے۔

تشریح

اس بند میں بھی محبت کی شانوں کا ذکر ہے مگر دوسرے رنگ میں۔ یہاں تخلیق کائنات کو داستانِ محبت اور قصہ حسن وعشق کے رنگ میں بیان کیا گیا ہے۔

یہ بات طے ہے کہ آثار وموجودات یعنی تمام عالموں میں حقیقت الحقائق ایک ہی ذات ہے۔ وجود واجب ہے جو اپنی ذات میں قائم اور بلا شرط بلا کیف اور کسی بھی شرط اطلاق سے ماورا ہے۔ تمام صفات، تمام اچھے اسماء سب اسی کی ذات مقدس سے صادر ہوئے۔ چنانچہ کامل واکمل اور مرقع حسن وجمال وجود واجب کا تقاضا ہوا کہ اس کے حسن تام کا اظہار ہو اور اسے دیکھنے والے اس سے بے انتہا عشق ومحبت والے بھی اُسی شان کے ہوں جو حسن ازلی کے شایان شان ہے۔ چنانچہ ابدائے عالم روحانی اور تخلیق عالم جسمانی کا باعث

احسن الخالقین کا شدید تقاضائے محبت تھا کہ ایسی ہستی وجود میں آئے جو اس حسن تمام کی سب اداؤں اور خوبیوں کا مظہر تام ہو۔ گویا ایک ایسا آئینہ ہو جو روئے حق نما ہو۔ ایک ایسا وجود ہو جو لباس بشریت میں صفات الٰہیہ کا حامل ہو اور حاصل مقاصدِ تخلیق کائنات ہو۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور پُرنور ہوا۔ پھر تمام عالم بشمول عالم شہادہ وموجودات اس نور سے پیدا ہوئے۔ گویا تمام آثار وموجودات اللہ تعالیٰ کے اسماء صفات یعنی اعیان ثابتہ کی تجلیات کا عکس ہیں اور اسماء وصفات کا مظہر تام۔ حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گویا ذات حق کی محبت کا مظہر یہ کائنات اور اس کائنات کی محبت و عشق کا مطلوب ومحبوب ذات حق ہے۔ یہ دوطرفہ محبت اس کارگہِ ابداع وتخلیق کی وجہ ہے۔

شرح کلام

چنانچہ میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے مرشد کریم حضرت شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ نے جب رازِ معرفت حق بیان کر دیا اور راہِ سلوک طے کر کے مشاہدہ حقیقت بھی کرا دیا تو مشاہدہ ہوا کہ عالم شہادت یعنی موجودات کے ذرے ذرے سے صفات الٰہیہ کی تجلیات کا ظہور ہو رہا ہے۔ تجلیات اعیان ثابتہ کے عکوس ہی یہ موجودات ہیں۔ اپنے وجود اور اپنے ظہور کے لیے اس کارگہِ خلق کی ایک ایک چیز اپنے وجود بخشنے والے کی محتاج ہے۔ گویا کسی حسین کے حسن کی خیرات ہے، صدقہ ہے جس نے موجودات کی صورت اختیار کر لی ہے۔ ایک ہی وجود بسیط ہر طرف محیط ہے۔ تخلیق کثرت ایک ہی وحدت الوجود میں گم ہے۔

جب حقیقت وحدت سمجھ میں آئی تو اپنی عقل سمجھ سب گم ہوگئی۔ ذاتِ احدیت میں کثرتِ وجودِ مخلوق سب گم ہوتی دیکھی تو حسن ازلی کے تقاضائے محبت کی بنیاد پر تخلیق ہونے والی کائنات کی داستان کا حسن اور دوبالا ہوگیا۔ رنگ عشق اس قصے کا اور گہرا ہوتا چلا گیا اور بحرِ عشق میں جذبات کے طوفان اور زیادہ اُمڈنے لگے۔

مرقع حسن کا جذبہ محبت جب پھلا پھولا تو عالم رنگ و بو اور گلشن کون ومکان ظاہر

ہو گئے اور اس ذات حق کی اس صنعت تخلیق کو ''داستان عشق ومحبت'' کا نام دیدیا گیا۔ اب حقیقت یہی ہے کہ معرفت حق اسی کو نصیب ہو سکتی ہے جو اس داستان عشق ومحبت کو جان کر ابداع وتخلیق کے درجات کو سمجھے۔

کثرت میں وحدت کی حقیقت پانے کے لیے اس داستانِ عشق ومحبت کو اپنانا ہوگا، اس کی لو سہنا ہوگی۔ اس محبت میں اپنا ذکر فکر عمل، اپنی ذات اپنی کائنات سب کچھ گم کرنا ہوگا۔

چنانچہ اس داستانِ حسن وعشق کا راز پانے کے لیے اس کارگاہِ خلق کی حقیقت الحقائق اور مرکزِ دائرہ حسن وعشق تک پہنچنے کے لیے ضروری ہے کہ سالک اپنے حواس خمسہ اپنی صفات اور اپنے تمام محسوسات سے الگ ہو کر ذات احدیت میں غور کرے۔ یعنی اپنے نفس کی معرفت حاصل کر کے پہلے اپنی حواس وخواہشات نفسانی جو کہ ذات حق اور بندے کے درمیان پردہ بن کر حائل ہیں ان سے نجات حاصل کرے تو معرفتِ حسن تام حاصل ہو سکتی ہے۔ جب نورِ معرفت من میں متجلی ہو جاتا ہے تو ماسوا اللہ سب غائب ہو جاتے ہیں۔ پھر ہر طرف جلوہ ذات حق اور ہر سمت عشق ومحبت کے رنگ بکھرے نظر آتے ہیں۔

اس مقام پر حضرت میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ کا ہی ایک شعر ہے جو اس تمام حقیقت کی بہت خوبصورت تصویر کشی کرتا ہے:

سب ذات صفات سے ہو نرمل جب سادھو من میں دھیان دھرے
سمر سمر سمرن سے پرے، نارائن ہرے ، نارائن ہرے

ترجمہ: ''یعنی جب سالک اپنی صفات، اپنے حواس خمسہ کو چھوڑ کر اپنی خواہشاتِ نفسانی کو ترک کر کے اپنی ذات کے تمام مادی پردے ہٹا کر ذات احدیت میں مراقبہ کرتا ہے تو اُسے مشاہدہ ذات ایسے ہوتا ہے کہ وہاں نہ ذکر، نہ ذاکر، نہ موجودات نہ صفات، بس صرف ذات ویکتا ہی کا وجود مشاہدے میں آتا ہے۔ باقی سب موجودات وآثار اس ذاتِ اقدس میں گم نظر آتے ہیں۔ وہاں تو ہر چیز کو اپنے اندر سمیٹنے والی بس ذات حق ہی ہے اور کچھ نہیں۔''

بند نمبر ۲۳

کہوں چیرا چانٹی ہو آوے کہوں ستگور ہو شبد بتاوے
آپے کہوں شبد ہولا گے روم روم نکھ سکھ لو لاگے
سبھے شبد شبد سبھ ہوئے چھٹ تنہ شبد ہور نہیں کوئے
آدانت لو شبد نہارا شبد بھیا ہے ایک انکارا
ایک انکار جہاں کچھ ناہیں آپ آپ سب آپے ماہیں
جہاں تو ایک انکار ہے تہاں دوسرا ناںہہ
تہاں سادھو سبھ کھوئیکے جانھہ سو جانھہ سو جانھہ

فرہنگ

چیرا: نوکر، غلام، چانٹی: چیٹی، باندی، ملازمہ، شبد: گیت، حمد، روم روم: بال بال، نکھ سکھ: سر سے پاؤں تک، سبھ (شبھ): بھلا، اچھا۔ چھٹ: سوا، تنہ: اس کی، آدانت: ازل سے ابد تک، نہارنا: تاکنا، دیکھنا، نگہبانی کرنا، جانھہ: (جان) بارگاہِ احدیت وصمدیت۔

ترجمہ

کہیں غلام اور باندی بن کر آتا ہے (جو مالک سے ہدایات لیتے ہیں) اور کہیں سچا مرشد بن کر آتا ہے جو راہِ ہدایت دکھاتا ہے۔ (حمد سناتا ہے)

(حمد و ذکر پڑھتے پڑھتے) کہیں خود ہی حمد و ذکر ہو جاتا ہے یا کہیں اپنی حمد آپ ہی کر رہا ہے اور سر سے پاؤں تک روؤاں روؤاں محبت میں غرق ہے۔

کلماتِ طیبہ (اسمائے حسنیٰ) ہی ذکر بن گئے (اور حمد ہی سے سارا جہان بن گیا) (ذاتِ حق نے اپنی تعریف خود کی تو تخلیق کائنات ہوگئی۔ یہ کائنات صفاتِ الٰہیہ کی تجلیات ہیں) (کائنات میں) سوائے حمدِ خداوندی کے اور کچھ ہے ہی نہیں۔

ازل سے ابد تک (ہر شے) اللہ کی جستجو میں حمد گا رہی ہے اور کہیں خدا خود ہی حمد (اسمائے حسنیٰ) بنا ہوا ہے۔

(اس جہاں میں وجودِ حقیقی) صرف خدائے واحد و یکتا کا ہے اور کچھ نہیں۔ وہ آپ ہی آپ ہے اور سب کثرت اسی میں (گم) ہے۔

جہاں صرف ذات حق ہے (مقام احدیت) وہاں دوسرا کچھ نہیں۔ یہاں تو درویش اپنی صفات اور ذات یعنی اپنا شعور کھو کر ذاتِ بیکراں میں گم ہو جاتا ہے۔

شرح کلام

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کر رہے ہیں۔ حمد و ذکر خداوندی ظہورِ حق کی بہت انوکھی شان ہے۔ کلمات طیبہ (اسمائے حسنیٰ) کا ذکر ہی وجہِ تخلیقِ کائنات ہے۔

شبد

ہندی زبان کا نہایت وسیع المعانی لفظ ہے جس کے معنی دیگر معانی کے علاوہ کلمہ، کلمات اور حمد کے بھی ہیں۔ اب ہم الفاظ کلمہ اور کلمات پر توجہ دیتے ہیں۔

حضرت سید محمد ذوق شاہ اپنی مشہور کتاب ''سرِ دلبراں'' میں فرماتے ہیں:

''جس طرح عالم کبیر یعنی کائنات میں بہت مظاہر اور اسماء ہیں مثلاً عقل اوّل، قلم اعلیٰ اور نور، نفس کلی اور لوح محفوظ وغیرہ۔ اسی طرح عالم صغیر یعنی انسان میں بہت مظاہر و اسماء ہیں اور باعتبار ظہور مراتب کے ان اسماء کے اصطلاحی نام یہ ہیں:

(۱) سِرّ۔ (۲) خفی۔ (۳) روح۔ (۴) قلب۔ (۵) کلمہ۔ (۶) فواد۔ (۷) صدر۔ (۸) روع۔ (۹) عقل۔ (۱۰) نفس۔

ان اسماء کے حوالے قرآن و حدیث میں بھی ملتے ہیں۔ ان میں سے چند ایک کا ذکر ہم کریں گے تفصیل کے لیے اصل کتاب دیکھیں (صفحہ نمبر ۱۸۲۔۱۸۳)

روح

یہ لطیفہ بدن کا رب اور حیات حسی کا مصدر اور قوائے نفسانی پر فیضان حیات کا منبع ہے۔

قلب

جہت حق اور جہت نفس میں منقلب ہوتا رہتا ہے تا کہ جب حق کی جہت میں ہو حق سے انوار کا استفاضہ کرے اور دوسری جہت میں آ کر اس نور کا افاضہ کرے (فیض رسانی کرے) بلحاظ اپنی جامعیت کے قلب کو لطیفہ انسانیہ بھی کہتے ہیں۔

کلمہ

جب نورِ حق متذکرہ بالا طریق سے، قلب کی وساطت سے نفس میں آ کر ظہور کرتا ہے تو اُسے کلمہ کہتے ہیں۔ (۲۸) (سرِ دلبراں: صفحات ۱۸۲-۱۸۳)

قلب

صوفیائے کرام کی اصطلاح میں ایک جوہر نورانی ہے جو مادہ سے مجرد اور روح نفس کے مابین ایک چیز ہے۔ انسانیت کا دارومدار اسی قلب پر ہے۔ حکماء اسے نفس ناطقہ بھی کہتے ہیں۔ روح قلب کا باطن اور نفس حیوانی اس کا ظاہر ہے۔

بندہ کا قلب اللہ تعالیٰ کا عرش ہے جس میں حق تعالیٰ بالذات ظاہر ہوتا ہے۔ رحمٰن اس پر مستوی ہے۔ قلب اسرارِ الٰہیہ کا مرکز اور تمام اعیان و مخلوقات کے دوائر کا احاطہ کرنے والا ہے۔ ہر چیز کا قلب اس کا خلاصہ ہوا کرتا ہے۔ قلب انسانی بھی اللہ تعالیٰ کا ایک نور ہے جس کی ایک چمک تمام مخلوقات و موجودات کا خلاصہ ہے۔

اس کی ایک خاصیت یہ ہے کہ لوٹ پوٹ کو جلد قبول کرتا ہے کیونکہ وہ ایک نقطہ ہے جس پر تمام اسماء وصفات کا دور گردش کرتا ہے۔ اس کا نام قلب ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ اپنے محل اصلی کی طرف منقلب ہوتا ہے۔ دنیا سے آخرت کی طرف پھرتا ہے۔ مشہد اس کا خلقی سے حقی ہو جاتا ہے۔

ایک وجہ اس نام کی یہ ہے کہ قلب اپنی اس فطرت کے مطابق جس پر اللہ تعالیٰ نے اُسے پیدا کیا ہے رہتا ہے تو اس کے لیے تمام امور اسی کی مرضی کے مطابق منقلب ہو جاتے ہیں اور وجود میں وہ جیسا چاہتا ہے تصرف کرتا ہے۔ جس فطرت پر اللہ تعالیٰ نے اُسے پیدا کیا ہے وہ اسماء وصفات ہیں۔ قلب، وجود کے حقائق کا آئینہ ہے کیونکہ عالم کے تغیرات قلب میں منعکس اور منطبع ہوتے رہتے ہیں۔ بعض کے نزدیک قلب عالم کا آئینہ ہے۔ قلب اصل اور عالم اس کی فرع ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''مَا وَسِعَنِیْ اَرْضِیْ وَلَا سَمَائِیْ وَوَسِعَنِیْ قَلْبُ عَبْدِیْ الْمُؤْمِنِ ''

ترجمہ: ''میں آسمانوں اور زمین میں نہ سما سکا مگر بندۂ مؤمن کے قلب میں سما گیا۔''

قلب میں اللہ تعالیٰ نے قوت ذاتیہ الٰہیہ سے وسعت فرمائی ہے۔ یہ وسعت تین اقسام پر ہے:

وسعت علمی

یہ معرفت الٰہی ہے۔ قلب کے سوا کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ تعالیٰ کو ''مِن کُلَّ الْوُجُوْہِ'' پہچانے۔

وسعت مشاہدہ

یہ ایک کشف ہے جس کے ذریعے قلب جمال الٰہی ہی کی خوبیوں سے مطلع ہوتا ہے۔ مخلوقات میں سوائے قلب کے کوئی چیز ایسی نہیں جو اسماء وصفات کے ذائقوں سے آشنا ہو سکے۔

وسعتِ خلافت

یعنی ملک خداداد میں اللہ کے خلیفہ ہونے کی حیثیت سے تصرفات میں وسعت۔ یہ محققین کی وسعت ہے یہ اس وقت حاصل ہوتی ہے جب ذات میں ذات اور صفات میں صفات، ھویت میں ھویت اور انیت میں انیت اس درجہ ڈوب جائے کہ غیریت کا حکم مفقود ہو جائے۔ (۲۹) (سرِّ دلبراں: صفحہ ۲۸۰۔۲۸۱)

کلمات

کلمہ کی جمع ہے۔کلمہ کی تعریف اوپر ذکر کی جا چکی ہے۔کلمات سے مراد مخلوقات عینیہ کے حقائق یعنی وہ چیزیں جو عالم شہادت میں متعین ہیں۔

حروف عالیات

یعنی عالم غیب۔ہم حروف عالیات تھے کہ نہ پڑھے جاتے تھے نہ سمجھے جاتے تھے نہ دیکھے جاتے تھے۔متکلم نے کلام کیا تب ہمارا اظہار ہوا۔متکلم جب کلام کرنا چاہتا ہے تو پہلے ایک حرکت ارادی ہوتی ہے پھر وہ سینہ سے بذریعہ سانس کے حروف کو خارج کرتا ہے۔ پہلی چیز ارادہ ہے دوسری چیز قدرت ہے جن کے ذریعے عالم غیب کو عالم شہادت کی جانب لایا گیا۔مخلوقات اور کلمات کی ہیأتِ مخصوصہ نفس متکلم میں مخفی تھیں جنہیں ظہور میں لایا گیا۔ چنانچہ انسان اس ذات پاک کا نسخہ کاملہ ہے۔یعنی انسان کی ہر چیز ذات پاک کی ہر چیز کا نسخہ ہے۔(۳۰)(سر دلبراں: صفحہ ۲۹۴)

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی سب انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کو ''کلم'' کے نام سے یاد کرتے ہیں جو کلمہ کی جمع ہے اور ان کے نزدیک کلمہ کے معنی انسان کامل کے ہیں جس نے کمالات الٰہیہ کے تمام معنوں کو اپنے وجود میں پیدا کر لیا ہو۔اس میں تمام صفات الٰہیہ متجلی ہوں اور اس وجہ سے وہ تمام مخلوقات میں اللہ کا خلیفہ ہونے کا سب سے زیادہ حق دار ہو۔ اگرچہ موجودات میں سے ہر موجود کلمات اللہ میں سے ایک کلمہ ہے کیونکہ وہ کلمہ تکوین (کلمہ کن) کا مظہر خارجی ہے۔

قیصری نے شرح فصوص الحکم میں صفحہ ۲ پر کلمہ کی تشریح میں کہا ہے کہ لفظ اور کلمہ نفس سے متصل ہے اور یہ استدلال کیا ہے کہ وہ کلمات جن کا ہم تلفظ کرتے ہیں وہ سوائے اس کے کچھ بھی نہیں کہ ہم ذات نفس میں ان کا تعین کرتے ہیں اور وہ نفس ہماری جوف (سانس کے مخارج) سے خارج ہوتا ہے۔

اسی طور پر کلمات اللہ بھی اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ وہ نفسِ رحمانی کے تعینات ہیں۔
(فصوص الحکم، تنبیہات وتشریحات: صفحہ ۲۰، ۲۱)

عالم شہادت میں موجودات کے حقائق ان کے تعینات کے درجے ہیں۔ ان کے مختلف نام ہیں: حروف عالیہ، حقائق موجودات اور اعیان ثابتہ۔

اب یہ اعیان ثابتہ یا حقائق موجودات وہ حقائق ہیں جو حق تعالیٰ کے علم میں اپنے تعین کی نسبت سے عبارت ہیں یعنی حقائق ممکنات جو علم اللہ میں ثابت ہیں۔ یہ حقائق عالم شہادت یا موجودات کے ظواہر کے بواطن ہیں۔ یعنی تمام موجودات خارجی اپنی ہستیوں کے ساتھ انہی اعیان ثابتہ یا حقائق الٰہیہ کا پرتو ہیں۔ شیخ اکبر کے نزدیک اعیان ثابتہ قبل قدرت اور ارادہ موجود تھے۔ یہ غیر مخلوق ہیں، یہ حقائق اشیاء ظہورات اسمائے حسنیٰ کے امکانات ہیں جن کو وجودِ خارجی کی بو تک نہیں پہنچی۔ کلمہ کن سے مراد مراتب داخلی الٰہی اور "کن" کے بعد مراتب خارجی ومخلوقات ہیں۔ اعیان ثابتہ مخلوقات اور حقائق کونیہ پر اسماء وصفات الٰہی کی تجلی ہے۔ (الٰہیات، تصوف اور علم الکلام ص ۶۵)

اب آیئے "شبد" کے دوسرے معنی یعنی "حمد" پر غور کریں۔ شاہ سید محمد ذوقی۔ سر دلبراں صفحہ ۱۴۶ میں حمد کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:

"حمد حق تعالیٰ کی عظمت وجلال وکبریائی کا بیان اور اس کی ثناء، وصفت، منعم حقیقی کے انعامات کا احساس اور احساس کا افعال سے اظہار۔ وہ افعال بذریعہ زبان ہوں خواہ بذریعہ دل، خواہ بذریعہ ہاتھ پیر۔

حمد کے معنی دراصل یہ ہیں کہ ذات حق کے کمالات لامتناہی اور صفات وافعال کا اعتراف کیا جائے اور انہیں یاد کیا جائے اور شکر بھی ہے منعم کی تعظیم جو دل میں اعتقاد اور زبان سے ثناء اور ارکان سے خدمت و پابندی احکام کے ذریعہ سے کی جاوے۔"
(۳۱)(سر دلبراں: صفحہ ۳۶۹)

بالفاظ دیگر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حمد ایک شعوری عمل ہے جس میں بندہ ذاتِ حق کے ساتھ اپنی انتہائی محبت وعقیدت اور اس کے احسانات کے لیے انتہائی جذبہ تشکر کے ساتھ اس کی توصیف بیان کرے۔ اس کے کلمات کا ذکر کرے۔

شرح کلام

کہیں نوکر، غلام اور باندی کے روپ میں مقام خدمت پر ظہور پذیر ہے۔ معرفت کا راستہ کسی سالک کے لیے عبارت ہے۔ اسی حقیقت سے کہ سالک معبود حقیقی کا عبد حقیقی بن جائے، ذات حق کی انتہائی محبت اور اس کے احسانات کے لیے جذبہ تشکر اس کے شعور اور لاشعور کا جزو لازم بن جائے۔ اس کی عبادت، اس کی فکر، اس کا عمل ہر وقت مطلوب و مقصود ذاتِ حق کے لیے ہو۔ راہِ سلوک میں مرشد کامل کہ وہ منازل معرفت کے پایاب ہوتے ہیں۔ ان کا حمد وثنائے ربی بیان کرنا اور ان کا کلمات ربی کا ذکر کرنا ان کے قلبی شعور کا مظہر ہوتا ہے۔ تجلیات اسماء وصفات، موجودات کے ظہور کا سبب کیسے بن رہی ہیں اور موجودات اپنے خالق و مالک کے ساتھ حمد وثناء اور کلمات عالیہ کے بیان کے ذریعہ کیسے منسلک ہیں، وہ سب مقامات کا عینی شاہد ہوتا ہے اور اپنے مشاہدات کی روشنی میں سفر سلوک طے کراتا ہے۔ حمد وثناء کے جواب میں تجلیات الٰہیہ جب سالک کو گھیر لیتی ہیں تو سالک ذکر کے اثرات قبول کرتے ہوئے ذکر کے رنگ میں مکمل طور پر رنگا جاتا ہے اور وہ مشاہدہ کرتا ہے کہ وہ خود ہی ذکر بن گیا ہے۔

(یہاں ایک تشریح یہ بھی ہو سکتی ہے کہ چونکہ موجودات عالم شہادۃ تجلیات حق سے ہی ظہور پذیر ہیں اور یہ سب فیضان تجلیات الٰہیہ ہی کا ہے اس لیے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ سب ظہور حق تعالیٰ ہی کا ہے۔ یہ ذکر یہ عبادت سب کچھ اسی کا ظہور ہے۔ لہٰذا وہ خود ہی ظاہر ہے اور خود ہی باطن ہے۔ ذاکر بھی اسی کا ظہور اور ذکر بھی وہ خود ہے۔)

ذکر اور حمد کرتے کرتے جب سالک سراسر تجلیات حق میں گم ہو جاتا ہے تو وہ سر سے پاؤں تک حتیٰ کہ اس کے بدن کا رواں رواں امن وچین اور طمانیت قلبی کا مظہر بن جاتا ہے اور وہ مقام ولایت پر متمکن ہو جاتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ خود اس کے دوست بن جاتے ہیں اور وہ ہر قسم کے خوف اور حزن سے بالاتر ہو جاتا ہے۔ پھر وہ خود سرچشمہ سکینت اور طمانیت بن جاتا ہے اور جو بھی اس کے زیر اثر آ جاتا ہے وہ بھی ہر غم وحزن سے محفوظ و مامون ہو جاتا ہے۔

کلمات حق سب مبارک ہیں۔ یہی کلمات باعث تخلیق کائنات ہیں۔ اس کائنات کا ذرہ ذرہ تسبیح خداوندی میں مصروف ہے۔ کہیں یہ تسبیح حالی ہے اور کہیں یہ تسبیح شعوری ہے۔ اظہارِ محبت و عشق ہے، شکر و امتنان کے جذبات کا مظہر ہے۔ گویا ذاتِ حق نے جب اپنی حمد خود بیان کی تو کلمات اور حروف عالیہ وجود میں آ گئے۔ اسمائے حق کی فاعلی تجلیات نے موجوداتِ خارجی کو ظہور بخش دیا۔ یہ سب کرشمہ حمد و ثناء کا ہے۔ اللہ ہی کے لیے ہیں سب اچھے نام، تمام تعریفیں، سب کی سب تقدیس، گویا سارا جہاں حمد گا رہا ہے اور حمد ہی سے سارا جہان بن گیا ہے۔ ذاتِ حق نے اپنی حمد خود بیان کی تو کائنات وجود میں آ گئی۔ اب موجودات بھی مشغول ثنا ہیں۔ چنانچہ آ ثار موجودات، عالم شہادت سب حمد ہی حمد ہے، شبد ہی شبد ہے۔ سوائے حمد خداوندی کے اور کچھ ہے ہی نہیں، ازل سے ابد تک ہر شے اللہ تعالیٰ کی محبت میں گرفتار ہے۔ اس کی تلاش میں حمد و ثناء کے گیت گا رہی ہے اور اسی ذات اقدس کا فیض مقدس ہے اور ہر شے اسی کی طرف جا رہی ہے۔

کلمات خداوندی کا ظہور کائنات اور حمد حق یہ کلمات ہیں: اسماء و صفات۔ اللہ تعالیٰ کی شانیں ہیں، اس کی صفات ہیں، صفات موصوف کے تابع ہوا کرتی ہیں۔ لہٰذا صفات ہی موصوف ہیں۔ صفات نہ ہوں تو موصوف نہ ہو۔ صفات عین مطلوبِ موصوف ہیں۔ لہٰذا کلمات و حمد ہی خود ذات حق ہے۔ سب اسمائے حسنیٰ ذات حق کے ہی ہیں اور اسمائے حسنیٰ ہی ذاتِ حق ہے۔

عالم شہادت میں وجود حقیقی صرف ذات حق کا ہے باقی سب اس کی تجلیات ہیں۔ اپنے وجود خارجی کے لیے واجب الوجود کی عطا اور بخشش کے محتاج ہیں، وہ خود ہی موجود ہے، یکسر و تنہا، اور سب کثرت، تجلیات اسی کی ذات میں گم ہیں۔

ذاکر ذکر کر کے جب سیر عروجی کرتا ہے تو مقام احدیت میں سوائے ذات حق کے اور کچھ نہیں۔ وہاں غیریت ختم ہے۔ حتیٰ کہ اسماء و صفات بھی ذات میں گم ہیں تو موجودات خارجی کا وہاں کیا کام؟ لہٰذا سالک اور درویش اس مقام پر اپنی ذات، اپنی صفات، اپنا شعور سب کچھ کھو کر ذات حق میں گم ہو جاتا ہے، یہی مقام حیرت ہے جو بیان میں نہیں آ سکتا۔

بند نمبر ۲۴

یہ گت سادھو اپرم پارے سوچ بچار کرت مت ہارے
جیوں جیوں سادھو کھوجے تاہے تیوں تیوں آگو آگو جاہے
کہے نہ کہنوں نہ کاہو بوجھے لہے نہ کہنوں نہ کاہو سوجھے
کیا کہوں کچھ کہہ نہیں آوے سرت سمجھ میں ناہنہ ساوے
سرت سمجھ کر پچ تھکے لہانہ ایک انکور
یہ گت اپرم پار ہے سرت سمجھ سے دور

فرہنگ

یہ گت: (اللہ) کی یہ شان، اپرم پارے: بہت بلند ہے، کھوجے: تلاش کرے، تاہے: اس کو، پچ: کوشش۔

ترجمہ

"(اللہ تعالیٰ کی) یہ شان بہت بلند ہے۔ (اس شان پر) سوچ بچار کر کے اپنے آپ کو ہلکان مت کرو۔

سالک جیسے جیسے اس کو (ذاتِ خداوندی کو) فکر میں تلاش کرتا ہے وہ اتنا ہی آگے آگے چلا جاتا ہے۔

ذات خداوندی کے بارے میں کوئی کچھ کہہ نہیں سکتا نہ ہی کسی کو اس کا پتہ چلا ہے نہ کسی نے اس کو پایا ہے اور نہ ہی کسی کی سمجھ میں آیا ہے۔

میں اس کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ اس کی ذات تو عقل اور سمجھ میں نہیں آسکتی۔

عقل وفکر بہت کوشش کر کے تھک چکے مگر خدائے واحد یکتا کے بارے میں کچھ نہ پا سکے۔اس کی یہ شان اس قدر بلند و بالا ہے کہ عقل اور سمجھ سے بہت دور ہے۔

تشریح

پچھلے بند کے آخری شعر میں مقام احدیت اور سالک کے مقام حیرت کا ذکر ہے۔درج بالا اشعار میں مراتب ظہور کے اوّلین درجہ کا ذکر ہے۔

یہ مقام احدیت ہے۔''وجود من حَيثُ هُوَ'' ھو میں نہ اعتبار ذہنی ہے نہ اعتبارِ خارجی مرتبہ لابشرط شے میں وجود نہ اطلاق میں مقید ہے نہ تقید میں۔اس مرتبہ میں وہ نہ کلی ہے نہ جزوی، نہ عام ہے نہ خاص، نہ واحد ہے۔اس معنی میں کہ اس پر کوئی شے زاید ہوئی ہو، نہ کثیر ہے۔جملہ اعتبارات و اضافات یہاں ساقط ہیں اور یہ مرتبہ سب درجوں سے بلند ہے۔رفیع الدرجات سے اسی مرتبہ کی جانب اشارہ ہے۔''كَانَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ مَّعَهٗ شَيْئًا'' (وہ تھا اور کوئی شے اس کے ساتھ اس کے علاوہ نہ تھی) وہ اب بھی اسی طرح ہے جس طرح تھا۔''اَلآنَ كَمَا كَانَ'' نہ جوہر ہے نہ عرض ہے بعینہٖ و بذاتہٖ موجود ہے اور کسی دوسری چیز سے جو ذہناً یا خارجاً مغائرت رکھتی ہو موجود نہیں۔وہ بدیہی ہے اور حقیقت و ماہیت میں سب سے پوشیدہ ہے۔ذہن اور خارج میں کوئی شے بغیر اس کے نہیں پائی جاتی۔ پس وہ بالذات سب کا محیط ہے۔اسی سے اشیاء کا قوام ہے۔وہی اشیاء کا عین ہے، وہی اپنے مرتبوں میں تجلی فرماتا ہے اور علم اور عین میں اپنی حقیقتوں سے اور صورتوں سے ظہور فرماتا ہے۔پھر اسی کا نام ماہیت اور اعیان ثابتہ ہو جاتا ہے اور ہر ہر مرتبہ میں اس کا نام بدلتا رہتا ہے۔وہی ضدین میں ظہور کرتا ہے اور اسی سے مثلین قائم ہوتی ہیں حالانکہ وہ بے مثل اور بے مثال ہے۔ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (سورۃ الشوریٰ: آیت ۱۱) (۳۲) (سر دلبراں ۳۴۱)

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَ هُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَ هُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ (سورۃ الانعام: آیت ۱۰۳)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ کو کسی کی نگاہ محیط نہیں ہو سکتی اور وہ سب نگاہوں کو محیط ہو جاتا ہے اور وہی بڑا باریک بین اور باخبر ہے۔''

ابن عربی شیخ اکبر کے مطابق عالم میں جو لامتناہی صورتیں ہیں وہ اسماء الٰہیہ کی ہی لامتناہی صورتیں ہیں۔ ان میں سے ہر صورت کسی نہ کسی اسم الٰہی کی مظہر واقع ہوئی ہے۔ ہر مظہر اپنے وجود و نمود میں اسم الٰہی کا طالب ہے۔ اسی طرح ہر اسم الٰہی اپنے ظہور میں اپنے مظہر کا طالب ہے۔ پس عالم کے تمام مظاہر اسماء الٰہیہ کے مظاہر اور ان کی صورتیں ہیں۔ یہ کثرت اسمائی وحدت الٰہی میں گم ہو جاتی ہے اس لیے باعتبار ظہور کے اسمائی صورتوں کی جو کلی صورت ہے وہ اللہ کی صورت ہے اور باعتبار بطون کے وہی حقیقت حق ہے۔ عالم ظہور حق کی صورت کامل ہے بقدر تجلی اس صورت کا مشاہدہ میسر آتا ہے مگر اس صورت کی جو حقیقت ہے وہ حق ہے۔ اس کا ادراک اس کے غیر پر ممتنع ہے۔ اب وہ غیر حق اسمائے الٰہیہ کی صورتیں ہی کیوں نہ ہوں۔ مطلب یہ ہوا کہ خدا کو خدا ہی جانتا ہے، خدا کو خدا ہی پہچانتا ہے۔ اس کا عرفان اس کے غیر پر حرام ہے اس لیے عرفانِ ذات بالاتفاق ممتنع ہے۔ البتہ عرفان باعتبارِ اسماء و صفات ممکن ہے۔ یہ عرفان علم حصولی سے نہیں بلکہ علم حضوری سے آتا ہے۔ کشف و شہود، علم و ذوق کا دائرہ عرفانِ صفاتی تک محدود ہے اور بس۔ (۳۳)

(ص ۴۹، فصوص الحکم، تنبیہات و تشریحات، حضرت بابا ذہین شاہ تاجیؒ)

درج بالا حقائق قرآن کریم میں سورۃ بقرہ کی آیت ''وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا'' سے پوری طرح واضح ہو جاتے ہیں۔ حضرت انسان کے بس میں عرفان باعتبار اسماء و صفات ممکن ہے۔ اسماء و صفات کثیر ہیں جو ذات واحد کی طرف رجوع کرتی ہیں اور ذات ناقابل تقسیم و تجزیہ ہے۔ پس مرتبہ ذات میں وہی اپنا عارف ہے وہی معروف ہے، وہی عالم ہے وہی معلوم ہے۔ وہاں اعتباری دوئی بھی نہیں جس سے عارف و معروف کی اثنینیت قائم ہو۔

البتہ عرفان صفات میں اعتباری دوئی ہوتی ہے۔ شاہد و مشہود عارف و معروف اور عالم و معلوم کی جہات قائم ہوتی ہیں یہ جہات مرتفع ہو جاتی ہیں تو سالک عارف ذات میں مستہلک و محو ہو جاتا ہے۔ علم و عرفان اور کشف و شہود ذوق کی نسبتیں فنا ہو جاتی ہیں۔

کاں را کہ خبر شد خبرش باز نیامد

پس مرتبہ ذات میں محو و مستہلک ہونے والا باقی ہی کہاں ہے جو عرفان ذات کا دعویٰ کرے اور اگر وہ دعویٰ کرتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ذاتِ واحد کے دو عارف ہوئے ایک تو خود ذات باری اپنی عارف ہے اور دوسرے یہ سالک جو عرفان ذات کا مدعی ہے اس لیے مسلمہ طور پر یہ عرفان کا مدعی شرک فی الذات کا مدعی ہے اور یہ نہیں جانتا کہ جس علم سے وہ خود کو جانتا ہے اسی علم سے وہ خدا کو جانتا ہے اور اس مدعی عرفانِ ذات کا علم حادث ہے اور اس سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ بھی حادث ہے قدیم نہیں۔ قدیم تو علم قدیم ہی سے معلوم ہوتا ہے اور اسی کا نام علم الٰہی ہے۔ (۳۴) (فصوص الحکم، تنبیہات وتشریحات، ص ۵۱)

تجلی اسمائی اور تجلی ذاتی

تجلی حق بحیثیت اسماء اور صفات سبب ظہور تعینات ہے اسی طرح نور تجلی ذاتی رفع تعینات کا سبب ہے۔ تجلی ذات کا تقاضا یہی ہے کہ تمام تعینات محو اور گم ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے عقل اور علم۔ یعنی علم نفسانی جو کہ حادث ہے معرفت الٰہی کا وسیلہ نہیں ہو سکتے کیونکہ نورِ ذات مظاہر میں نہیں سما سکتا۔ (۳۵) (الٰہیات، تصوف اور علم الکلام، ص ۳۹)

خلاصہ: شیخ اکبر فرماتے: "اَلرَّبُّ رَبٌّ وَاِنْ تَنَزَّلَ وَالْعَبْدُ عَبْدٌ وَاِنْ تَرَقّٰی" کہیں کہیں "تَعَرَّجَ" بھی آتا ہے۔ (رب رب ہی ہے اگرچہ نزول کرتا ہے اور بندہ بندہ ہی ہے اگرچہ عروج کرتا جائے۔)

یہاں نزول سے مراد حق کا ظہور مرتبہ انسانی تک ہے اور عروج سے مراد عبد کی ترقی، مرتبہ اوّل تک ہے مگر باوجود اس تنزل اور عروج کے رب رب ہے اور بندہ، بندہ ہی ہے۔ (شرح لوائح جامی، کپتان واحد بخش سیال، صفحہ ۱۳۳)

شرح کلام

مرتبہ ذات حق پر لکھی گئی سطور بالا کی روشنی میں فہم کلام میراں سید بھیکھ آسان ہو جاتا ہے۔

مرتبہ ذات میں مقام لاتعین کی شان بہت بلند ہے یہاں تو ہر فکر ہر سوچ تھک جاتی ہے۔ عالم موجودات کے لیے مرتبہ ذات کا علم اور سمجھ ممکن ہی نہیں بلکہ اس بارے میں جتنا بھی غور وفکر کرو گے منزل مراد اور دور سے دور ہوتی چلی جائے گی۔ مقام ومرتبہ ذات تو نہ کسی نے بوجھا اور نہ ہی کوئی اس پر کچھ کہہ سکا۔ نہ کسی کی پرواز فکر اس مقام تک پہنچ سکی اور نہ ہی کسی کو اس بارے میں کچھ سجھائی دیا۔ مقام ومرتبہ ذات کا علم قدیم ہے جسے انسانی عقل و فکر جو حادث ہے اس کے وسیلے سے علم قدیم حاصل کرنا ناممکن ہے۔ اسماء وصفات لامتناہی ہونے کے باوجود ذات حق کی طرف راجع ہیں۔ اسی طرح ان کی تجلیات سے ظہور کی لامتناہی صورتیں بھی نورِ ذات میں مستہلک ہیں۔ اسی وجہ سے عقل وشعورِ انسانی عرفان ذات سے عاجز ہیں۔

بند نمبر ۲۵

آپے کہوں پانچ بھیا کہوں ڈھورا　　پانچوں سانگ مہا ات چورا
جگت باگ میں پانچوں دھاویں　　بیل پات سب توڑ جو کھاویں
ہرہا مہا کھوٹے جرہ مارو　　چریں بیل کل کرت پکارو
کہوں پسو پانچ بھوگ رس لیہے　　بیل پات پھل ہون نہ دیئے
جگت باگ آپے بھیا کہوں بھیا آپے ڈھور
پات پھول پھل آپ ہے کھات آپکو توڑ

فرہنگ

پانچ: حواس خمسہ (مراد انسان)، ڈھورا: جانور، پانچوں سانگ: پانچ منفی خصلتوں کا گٹھ جوڑ، مہاات چورا: یہ بہت بڑا ڈاکو، دھاویں: یورش کرتے پھرتے ہیں، ہرہا: آوارہ بیل، مہا کھوٹے: بہت ہی زیادہ دھوکے باز، جرہ: کمزور، ضعیف، مارو: مارنے والا (ایک مہلک ہتھیار جو دو سینگ نما چیزوں کو جوڑ کر بنایا جاتا ہے اور ان پر سٹیل چڑھا ہوا ہوتا ہے۔ بیل کے سینگوں کی نسبت سے اس ہتھیار کا نام لیا ہے)، کرت: بھلا کام، پسو: جانور، حیوان، بھوگ رس: نذر، منت کا کھانا یا رس جو دیوتاؤں کو پیش کیا جاتا ہے۔

ترجمہ کلام

''پانچ رذائل خمسہ کے حامل انسان کا روپ دھار لیا ہے اور (احسن تقویم سے گر کر) حیوان کی شکل بنالی ہے۔ ان پانچ خصلتوں نے مل کر ایک بہت بڑے ڈاکو کا بھیس بنالیا ہے۔

یہ پانچ خصلتیں پوری دنیا میں روبعمل نظر آتی ہیں اور دنیا (کے باغ) کی سب ہریالی، پھول، پھل، پتے نوچ کر کھا جاتے ہیں۔

(یہ پانچ خصلتیں) گویا ایک آوارہ جنگلی بیل ہے جو بہت بڑا دھوکے باز ہے اور

ہر کمزور کو اپنے خوفناک اور مہلک سینگوں سے مار رہا ہے۔ (باغ) کے سارے بیل اور پھل پھول چر جاتا ہے اور اسے اپنے عمل صالح گردانتا ہے۔

ان پانچ خصلتوں کے حیوان زبردستی دان، خیرات (خراج) وصول کرتے ہیں اور بیل پھول پھل سب چٹ کر جاتے ہیں۔

خود ہی دنیا کا گلشن ہے اور خود حیوان کے روپ میں آیا ہے۔ گویا خود ہی باغ کے پھل پھول اور پتے ہے اور خود ہی اسے توڑ توڑ کر کھا رہا ہے۔

تشریح

ظہور حق کی لاتعداد شانیں اور ان کا بیان

انسان کے حواس خمسہ اور رذائل خمسہ یعنی انسان کے مرتبہ اسفل سافلین کے انداز یہاں بیان ہوئے ہیں۔ انسان حواس خمسہ رکھتا ہے۔ عالم شہادت میں علم حاصل کرنے کے لیے انسان کے حواس خمسہ علم کے دروازے ہیں۔ علم وحی کے مقابلے میں اکتسابی علم اپنے حواس خمسہ کے ذریعے حاصل کرتا ہے یعنی قوت سماعت، بصارت، قوت ذائقہ، قوت شامہ اور قوت لمس۔ ان پانچ حواس خمسہ میں دو حواس یعنی سماعت اور بصارت بہت اہم ہیں۔ ان حواس سے جو "Sense Dt" ملتا ہے وہ انسانی دماغ میں رجسٹر ہو جاتا ہے۔ دماغ کا کمپیوٹر اس ڈیٹا پر کام کر کے نتیجہ نکالتا ہے اور اپنے کمپیوٹر میں جمع شدہ پہلی میموری سے تقابل کر کے فائنل نتیجہ نکال دیتا ہے اور یہ نتیجہ بھی انسانی ذہن کے سٹور میں جمع ہو جاتا ہے۔ اس وقت تک ذہن انسانی کی اس کاوش کی بنیاد پر علم کا بہت بڑا ذخیرہ جمع ہو چکا ہے۔ اس دور کی تمام سائنسی جہات کے ذخیرہ علم کو کسی ایک انسان کے لیے کلی طور پر احاطہ کرنا مشکل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات اور احسن تقویم بنایا تو اس کو صلاحیتیں بھی عطا کیں تاکہ ان کی بنیاد پر وہ اپنے حواس خمسہ کے دروازوں سے کسب علم کرے اور ان سے صحیح نتائج اخذ کر کے عالم شہادت میں معرفت خداوندی کی منزل طے کرے۔ اسی طرح

اُسے اس کے باطن میں قوت ادراک عطا کی۔ علم وحی، کشف والہام وغیرہ کو انسان کے اندر قبول کرنے والی شے اس کی روح ہے جس کا مسکن قلب انسانی ہے۔ لہٰذا انسان کے لیے عالم شہادت میں دی گئی آیات الٰہیہ کو دیکھنا اوران کو سمجھنا حواس خمسہ سے ہی ممکن ہے اور نفس انسانی میں دی گئی آیات کا ادراک بھی انسان اپنی فطرت صالح پر قائم رہ کر ہی کرسکتا ہے۔ گویا معرفت حق کا راستہ طے کر کے ہی انسان احسن تقویم بنتا ہے اور اس منزل کے حصول کے لیے حواس خمسہ کی اہمیت ایک بنیادی چیز ہے۔

مگر اپنے احسن تقویم اور اشرف المخلوقات کے درجہ سے غلبہ نفسانی کے زیر اثر جب انسان اخلاقی اور عملی گراوٹ کا شکار ہوتا ہے تو یہی انسان اپنے حواس خمسہ کے استعمال کے غلط نتائج نکالنا شروع کر دیتا ہے۔ باطنی قوت ادراک سلب ہو جاتی ہے اور اس طرح پانچ حواس خمسہ جو اسے صحیح راستہ دکھا رہے تھے اب پانچ نفسانی خصلتوں کے تابع ہو جاتے ہیں۔ وہ پانچ خصلتیں یہ ہیں:

(1) کام...... خواہش نفسانی...... ہوس

(2) کرودھ...... غصہ...... غضب

(3) موہ...... دنیا طلبی...... جاہ طلبی

(4) لوبھ...... لالچ...... حرص

(5) ہنکار...... چلانا...... گرجنا

دنیا میں تمام فتنہ وفساد، ناانصافی اور ظلم کا باعث یہی نفسانی خواہشات ہیں۔ ظلم و ستم اور جہالت و گمراہی کا باعث یہی ارذل خصائل ہیں اور یہی خصلتیں پیدا ہو جائیں تو انسان حیوانیت کے درجے تک گر جاتا ہے۔ پھر اُسے اعلیٰ انسانی اخلاقیات اور پاکیزہ معاشرہ کو جنم دینے والی تمام کوششیں ناگوار گزرتی ہیں۔ ایسے لوگوں کا مقصد حیات صرف اور صرف اپنی ہوس، اپنا اقتدار اور اپنی جائز اور ناجائز خواہشات کی تکمیل ہوتا ہے چاہے وہ کسی بھی طریقے سے پوری ہوں یہی لوگ فساد فی الارض کا باعث ہوتے ہیں۔ دنیا میں تمام معاشروں کے بگاڑ اور زوال کا باعث یہی انسانی خصلتیں بنی ہیں۔

شرح کلام

شان ظہور ایک یہ بھی ہے کہ انسان اپنے اعلیٰ مقام سے گر کر اسفل سافلین کے درجے میں آ جاتا ہے اور رذائل خمسہ یعنی کام، کرودھ، موہ، لوبھ اور ہنکار کا شکار ہو کر حیوانیت کے مقام پر آ جاتا ہے جس کا کام صرف اپنی خواہشات نفس کی تکمیل ہوتا ہے۔ اُسے اس سے کوئی غرض نہیں ہوتی کہ اس کے اعمال سے معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے، ظلم و تعدی اور ناانصافی پھیلتی ہے، اخلاقی زوال آ جاتا ہے معاشرے میں، اس کی خواہشات کی تکمیل، اس کے اقتدار کی مضبوطی، اس کے خزانوں کا بھرا رہنا ضروری ہے۔

یہ پانچ رذائل ایک بہت بڑے ڈاکو کا روپ دھار لیتے ہیں جو ہر طرف لوٹ کھسوٹ اور تباہی پھیلا دیتا ہے۔

آپ ذرا غور کریں تو یہی رذائل خمسہ دنیا میں ہر طرف شورش اور غلغلہ کرتی نظر آتی ہیں۔ ہر سُو انہی کا بول بالا ہے اور تمام وسائل حیات انسانی جن پر اللہ تعالیٰ نے ہر مانگنے والے کا حق برابر رکھا ہے یہ لوگ ان وسائل پر قبضہ کر کے مالک کل ہو جاتے ہیں۔ گویا ایسے ڈھور ڈنگر جو دنیا میں ہر طرف پیدا ہونے والی ہریالی اور سبزہ چٹ کر جاتے ہیں۔

یہ رذائل خمسہ گویا ایک ایسا آوارہ جنگلی بیل ہے جو تمام کمزوروں کو اپنے سینگوں کے مہلک ہتھیار سے مار دیتا ہے۔ یہ ایسا بڑا دھوکے باز ہے جس نے اپنے فریب کے جال میں ایک دنیا کو پھنسا رکھا ہے۔ اپنی فریب کاریوں سے جہاں بھی اس کا بس چلتا ہے سب کچھ چٹ کر جاتا ہے۔ مگر اپنی ان فریب کاریوں کو اصلاح معاشرہ اور عوام الناس کی خدمت کا نام دیتا ہے۔

قرآن کریم میں ایسے لوگوں کا حال اس طرح بیان ہوا ہے:

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ
قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۝۱۱ (سورۃ البقرہ: آیت ۱۱)

ترجمہ: ''اور جب ان سے کہا جاتا ہے زمین میں فساد مت کرو تو کہتے ہیں ہم تو اصلاح ہی کرنے والے ہیں۔''

دوسری جگہ سورہ کہف میں بیان اور بھی خوبصورت ہے:

اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ هُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿١٠٣﴾ (سورۃ الکہف آیت ۱۰۴)

ترجمہ: ''یہ ہیں وہ لوگ جن کی تمام کوشش جو دنیا ہی کے لیے تھی وہ سب اکارت چلی گئی مگر وہ یہی سمجھتے رہے کہ انہوں نے تو بہت اچھے کام کیے ہیں۔''

کہیں یہ رذائل خمسہ حیوان نما انسانوں کے روپ میں لوگوں سے زبردستی دان (خراج) لیتے ہیں۔ یعنی معاشرے کی تمام دولت سمیٹ لیتے ہیں، عدل و انصاف کا خون کرتے ہیں اور دنیا کے باغ کی ہر ہریالی، ہر چیز چٹ کر جاتے ہیں، عدل و انصاف اور معاشرتی بھلائی کا اجراء ہونے ہی نہیں دیتے۔

ظہور حق کی یہ مختلف شانیں ہیں۔ ظہور کے لامتناہی رنگ ہیں۔ کائنات کے باغ بھی اسی کا ظہور ہیں اور رذائل کے حامل حیوان نما انسان بھی اسی کا ظہور ہیں۔ ظہور کی کیا شانیں ہیں۔ گویا وہ خود ہی باغ ہے۔ پھل، پھول اور سبزہ ہے اور خود ہی اس باغ کو اپنے ظہور کے دوسرے رنگ میں توڑ توڑ کر کھا رہا ہے۔

بند نمبر ۲۶

کہوں مالی ہو ڈھور ہٹاوے	شبد سانٹ کہ چوٹ لگاوے
کہوں ڈر پانچ جات ہو ڈھورا	دیکھے کہوں نہ باغ کے اورا
مار شبد کہوں پانچ ہٹاوے	تروڑ لتا پات سب کھاوے
کہوں ہو بیل پات پھل لاوے	کہوں پنچھی ہوے مل کھاوے

کہوں گور مالی ہوئیکے پانچ ڈھور دے مار
کہوں لاحول ولاقوۃ پڑھے پڑھ کاڈے بار

فرہنگ

شبد سانٹ: ذکر کا کوڑا، جات ہوڈھورا: حیوان ہو جاتا ہے، باغ کے اورا: باغ کی طرف، تروڑ: بڑا درخت، لتا: بیلدار درخت، مل: غلاظت، بار: رکاوٹ۔

ترجمہ

"کہیں (باغ کا) مالی بن کر ڈھور ڈنگر دور ہٹاتا ہے اور کہیں (قلب) پر اللہ کے ذکر کے کوڑے سے چوٹ لگاتا ہے۔

کہیں رذائل خمسہ (کام، کرودھ، لوبھ، موہہ، ہنکار) سے ڈر کر حیوان (ڈھور ڈنگر) بن جاتا ہے اور باغ کی طرف رُخ موڑ کر بھی نہیں دیکھتا۔ (فطرت اللہ جس پر انسان کی تخلیق ہے اس سے منہ موڑ لیتا ہے)

کہیں ذکر کا ڈنڈا مار کر رذائل خمسہ کو دور ہٹا دیتا ہے اور کہیں بڑے درختوں اور بیلدار پودوں کے پتے توڑ کر کھا جاتا ہے۔

کہیں خود ہی بیل بن کر پھل پھول اور پتے لے کر آتا ہے اور کہیں پرندہ بن کر غلاظت میں منہ مارتا ہے۔

کہیں خود مرشد ابوالمعالیؒ بن کر رذائل خمسہ کے حیوانوں کو مار ڈالتا ہے اور کہیں لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھ کر (قلب کی) رکاوٹ دور کر دیتا ہے۔"

تشریح

اس بند میں بھی ظہورِ حق کی لامتناہی شانوں کے ذکر کے ضمن میں نفس امارہ کی حرکات اور اصلاح نفس کی سعی و کوشش کا ذکر ہے۔

حضرت میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تخلیق کائنات گویا ایک باغ ہے جس میں بیلیں، درخت، پھل، پھول، پتے، تنے اور جڑیں ہیں۔ نیکی اور خیر کو وہ بیل سے تشبیہ دیتے ہیں جو شروع میں بیج ہوتی ہے مگر کوشش اور عمل صالح کے نتیجے میں پھلتی پھولتی ہے۔ اس پر پھول، پھل وغیرہ لگتے ہیں جن کی خوشبو سے ایک عالم مہک اُٹھتا ہے اور جس کا نظارہ آنکھوں کو ٹھنڈک اور نور بخشتا ہے۔

جہاں اعمال صالح اس نیکی کی بیل کو پھلنے پھولنے میں مدد دیتے ہیں وہیں نفس امارہ اور شیطان اس باغ اور بیل کی بربادی کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ اس پر لگے پھل پھول کو توڑ کر ضائع کر دینا اور باغ کے حسن کو خراب کر دینا ہی نفس امارہ کا مشن ہے۔ نفس امارہ کام، کرودھ، موہ، لوبھ اور ہنکار ایسی رذائل خمسہ جیسے میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ آوارہ بھینسوں یا سانڈھ سے تشبیہ دیتے ہیں جو ہر طرف تباہی مچا دیتے ہیں۔ باغوں اور بیلوں کا رس نچوڑ کر اُسے برباد کر دیتے ہیں۔ دنیا میں انہی رذائل خمسہ کے ذریعے ہر طرف فساد پھیلاتے ہیں۔ مگر دوسری طرف کچھ اللہ کے بندے متواتر اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ نفس امارہ کے حملوں سے اپنا دفاع کریں اور کسی صاحب معرفت مرشد سے ہدایت لے کر راہِ سلوک طے کریں اور نفس کی خواہشات کا ڈٹ کر مقابلہ کریں۔ اب آتے ہیں شرح کلام کی طرف۔

شرح کلام

کہیں مالی بن کر ڈھور ڈنگر دور ہٹاتا ہے یعنی اعمال صالحہ اور عشق حقیقی کے نتیجے میں انسان کی روح جو برگ و بار پکڑتی ہے اس کے قلب میں تصوف کے پھول جو کھلتے ہیں تو مرشد کریم اس روحانی باغ کی نہ صرف زبوبیت کرتا ہے بلکہ اسے نفس وشیطان یعنی رذائل و خواہشات نفسانی کے ڈھور ڈنگروں کے حملوں سے بچاتا ہے تا کہ وہ اس گلشن روح کو برباد نہ کرسکیں۔ خواہشات نفسانی کے ڈھور ڈنگروں پر وہ ذکر الٰہی کے کوڑوں سے ضرب لگاتا ہے اور انہیں دور بھگا دیتا ہے۔

اس کے برعکس کہیں راہِ حق کا سالک کمزور طبع ہونے کے باعث ان رذائل خمسہ سے دب جاتا ہے، ڈر جاتا ہے اور نفسانی خواہشات سے دب کر عمل صالح اور راہِ حق سے دور بھاگ جاتا ہے اور حیوانی خصائل اختیار کر لیتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی روح کے چمن کی طرف جو اس کی سعی عمل سے برگ و بار لانے کو بے تاب ہے پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھتا اور اس طرح راہِ حق اور منزل معرفت حق سے اپنے آپ کو بالکل لاتعلق کر لیتا ہے جو بڑی بدقسمتی کی بات ہے کہ احسن تقویم ہوتے ہوئے انسان حیوانیت کے مرتبے تک گر جائے اور اپنی طمانیت صرف اور صرف نفسانی خواہشات کی جائز و ناجائز تکمیل میں ہی تلاش کرے۔

راہِ سلوک میں نفس امارہ کے ساتھ سالک کی جنگ کا ایک سین یہ بھی ہے کہ وہ خواہشات نفسانی کے ڈھوروں کو اللہ کے ذکر کی ضربوں سے دور ہٹاتا ہے اور اپنی منزل پر چلا جاتا ہے۔ جب بھی کوئی ترغیب کوئی نفسانی کشش اُسے راہِ حق سے ہٹانے کی کوشش کرتی ہے وہ الا اللہ کے کوڑے کی ضرب سے اُسے دور بھگا دیتا ہے۔ اس طرح سالک رذائل خمسہ کو ذکر حق کی ضربوں سے دور ہٹاتا ہوا منزل تک پہنچ جاتا ہے۔ راہِ سلوک میں گامزن رہتے ہوئے گلشن روح کی ذکر اللہ سے آبیاری کرتے ہوئے جب یہ باغ پھلتا پھولتا ہے تو سالک کو اس پر مطمئن ہو کر بیٹھ نہیں جانا چاہیے کیونکہ اس مرحلہ پر اگرچہ نفسانی خواہشات کے

ڈھور ڈنگر تو حملہ آور نہیں ہوتے مگر نفس رُخ بدل کر کسی اور روپ میں اس بیل اور اس کے پھل، پھول اور پتوں پر حملہ آور ہوتا ہے اور اُسے بدصورت بنانے کی کوشش کرتا ہے۔

جب راہِ سلوک میں صحن قلب میں عشق و محبت اور معرفت حق کے پھول کھلتے ہیں۔ محبت کی بیل پروان چڑھتی ہے، برگ و بار لاتی ہے تو بھی نفس اپنے حملوں اور اپنی چالوں سے باز نہیں آتا، وہ نت نئے روپ دھار کر نئی پر کشش چالیں چل کر اس بیل کو اور ان پھولوں کو خواہشات نفس کے حسین و جمیل پرندوں کے بھیس میں توڑ کھاتا ہے اور سعی حق کو نقصان پہنچاتا ہے اور فسق و فجور کی غلاظت میں بھی منہ مارنے لگتا ہے۔

میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کشمکش کو ایک اور خوبصورت رنگ میں بیان فرمایا ہے:

جب پہنچوں تو کہوں ابھی کچھ کہا نہ جائے
بھیکھا یہ من مسخرہ لڑے یا بھاگا جائے

راہِ سلوک میں اگر شیخ ابوالمعالی جیسا سچا مرشد مل جائے تو ان رذائل خمسہ کو اپنی تربیت اور توجہ سے مار ڈالتا ہے اور سالک کے لیے راہِ سلوک کو آسان کر دیتا ہے۔ کہیں اگر سالک منزل قبض میں گرفتار ہو جاتا ہے تو مرشد لاحول ولاقوۃ پڑھ کر اپنی توجہ سے اور اس ذکر کی برکت سے اس رکاوٹ کو دور کر دیتا ہے اور سالک کو مقام بسط میں پہنچا دیتا ہے۔

بند نمبر ۲۷

جو بروے جگ میں سبھ آئے　　سو بروے گر مالی لائے
پرتھم ہوئے گلاب جو لاگا　　بیل چنبیل کہوں ہو باگا
کہوں جاہا جوہے ہو پھولا　　کہوں ہو بھور باس رس پھولا
کہوں مروا ہو مکت جو باندھا　　کہوں چنبدن چنبا ہو گاندھا
کہوں مول کہوں مالیتے کہوں سیوتی پھول
کہوں مہکا سنسار میں ہوئے کیوڑا پھول

فرہنگ

بروے: درخت، پرتھم: سب سے پہلے، باگا: باغ بن گیا، جاہا: جوہے، جاہی: یاسمین، بھور: صبح کا تڑکا، باس: خوشبو، رس: مہمت، ذائقہ، مروا: (تیز خوشبودار پودا)، مکت: تاج، گاندھا: گجرا، عطر، مالتی: چنبیلی کی خاص قسم، سیوتی: خاص قسم کا پھول، چنبا: چنبیلی، چندن: صندل۔

ترجمہ

اس دنیا میں جتنے بھی درخت (ہدایت کے سرچشمہ پیغمبر) آئے وہ سب گر مالی (اللہ تعالیٰ) نے لگائے۔

سب سے اوّلین گلاب (حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم) جو لگایا اسی نے بیل، چنبیلی اور باغ کا روپ اختیار کیا۔

کہیں جاہا ہے کہیں چنبیلی بن کر کھل رہی ہے اور کہیں (اسی حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا نور) صبح کا تڑکا بن کر پھولوں کی خوشبو پھیلا رہا ہے۔

(یہی نورِ حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم) کہیں تیز خوشبو والا مروا بن کر سر پر تاج (پھول) سجائے ہوئے ہےاور یہی (نور) کہیں صندل اور چنبیلی کا عطر بن کر (خوشبو دے رہا ہے)

کہیں (پھولوں کے پودوں کی جڑ ہے، کہیں چنبیلی ہےاور کہیں سیوتی ہےاور کہیں کیوڑے کا پھول بن کر دنیا کو مہکا رہا ہے۔

تشریح

ظہورِ حق کی لامتناہی شانوں کے باب میں اب حاملین رشد و ہدایت جس کے سردارِ اوّلین و آخرین سرکارِ دو عالم حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کا ذکر ہے۔ سلسلہ رشد و ہدایت کو اشجار، پھول اور بیلوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ تمام پھولوں میں گلاب کا پھول ایک شہنشاہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس دنیا میں جتنے بھی حاملین رشد و ہدایت آئے سب اس کائنات کے باغ کے مالی یعنی اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے۔ ان بزرگ و برتر اور مبارک ہستیوں میں سب سے پہلے گلاب کا پھول یعنی سرورِ انبیاء حضور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ''حقیقت محمدیہ'' کا ظہور ہوا۔ اسی نورِ حقیقت محمدیہ سے تمام کائنات کا ظہور ہوا۔ سب موجودات اپنے وجود کے لیے چشمہ فیضان حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خوشہ چین ہیں۔ چنانچہ انسانوں کی فلاح و بہبود روحانی و اخلاقی اور ان کے نفوس کی تہذیب کے لیے جو انبیاء علیہم السلام و اولیاء عظام رحمۃ اللہ علیہم اس دنیا میں تشریف لائے وہ گویا اسی اوّلین گلاب کی خوشبو سمیٹے ہوئے ہیں اور اسی ظہورِ اوّل کے مختلف روپ، رنگا رنگ بیلیں اور پھولوں کی شکل میں ظاہر ہو رہے ہیں۔ ہدایت کے جتنے چشمے اس دنیا میں پھوٹے، روحانیت اور طہارت فکر و عمل کی جو خوشبو بھی انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے بعد اولیاء عظام کے ذریعے پھیلی اس سب کا سرچشمہ سرکارِ دو عالم حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ (حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تفصیل کیلئے دیکھیں شرح، بند نمبر ۴، ۵)

شرح کلام

اس دنیا میں نور ہدایت کے سرچشمے اور ہدایت انسانی کے لیے یہ خوشبو دینے والے درخت یعنی انبیاء و رسل علیہم السلام اور اولیاء عظام سب کے سب اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی فلاح اور روحانی ترقی کے لیے اپنی شان رحیمی کے سبب بھیجے۔ ان مبارک ہستیوں میں گلاب کا پھول یعنی حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور ہوا اور اُسی گلاب کے طفیل سب بیل بوٹے چنبیلی اور باغ وجود میں آئے اور کائنات میں نورِ ہدایت اور معرفت رب جلیل کے نور کی روشنی اور اس کے عشق و محبت کی خوشبو ہر طرف پھیلا دی۔ کہیں جاہا اپنی خوشبو پھیلا رہا ہے، چنبیلی اپنی خوشبو سے الگ ماحول کو جانفزا خوشبو دے رہی ہے اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نورِ ہدایت کی پو پھٹتی ہے تو نہ صرف جہالت و گمراہی کے اندھیرے کافور ہو جاتے ہیں بلکہ یہ ظہور نور خود پھولوں اور کلیوں کو چٹکاتا ہے اور ماحول کو اپنے فیضان عظیم کی خوشبو سے معطر کر دیتا ہے۔

یہ نورِ ظہور کہیں مروا کی تیز خوشبو دے رہا ہے اور اپنے سر پر تاج سجائے ہوئے ہے، طرح طرح کے پھول، صندل، چنبیلی کے عطر ایک دنیا کو خوشبو کی تازگی دے رہے ہیں۔ انبیاء کرام اور اولیائے عظام سے پھیلنے والا نورِ ہدایت اپنے اپنے مختلف جہتی انوار کی وجہ سے ایسے ہے جیسے طرح طرح کے پھول اور خوشبودار پودے اپنی اپنی الگ خوشبو سے ماحول کو فرحت اور تازگی بخشتے ہیں۔

بند نمبر ۲۸

کہوں گاندھی ہو تیل جو باسے　　　　کہوں تیلی ہو تیل نکاسے
کہوں بیچے کہوں مول ملاوے　　　　کہوں مہنگا کہوں ستا پاوے
بکت پھرے کہوں گھر گھر بارا　　　　سب مکھ لاگے ات بنجارا
جائے کہوں مکھ سندر لاگے　　　　برہے ہوئے کہوں جیو تیاگے
کہوں لاگے بدھ الکھن کاری　　　　الکھ دیکھ کہوں ہوئے بھکاری
الکھ لکی کہوں بدن پر کہوں سیس مہہ پائے
کہوں تو اپنے بھاؤ کوں آپ دیکھنے جائے

فرہنگ

گاندھی: عطار، باسے: خوشبو پھیلائے، نکاسے: نکالے، بنجارا: ایک فرقہ جو اناج بیلوں پر لاد کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لیجاتا ہے۔ جیو: جان، تیاگے: الگ تھلگ کرلے، بدھ: قتل، ہلاکت، الکھن کاری: درشت کلامی، الکھ: نادیدہ، نہایت پوشیدہ، لکے: چھپ جائے، لگے: قریب، ہمیشہ، دائم۔

ترجمہ

کہیں عطار بن کر (خوشبودار) تیل کی خوشبو پھیلا دیتا ہے اور کہیں تیلی بن کر تیل نکال رہا ہے۔

کہیں (اس خوشبو کو) بیچتا ہے اور کہیں (خریدار بن کر) بھاؤ تاؤ کرتا ہے۔ بازار میں کہیں مہنگا کہیں ستا ملتا ہے۔

کہیں گھر گھر بیچتا پھرتا ہے۔ یہ بنجارے کی طرح ہر ایک کے منہ لگتا ہے۔

یہ عطر بن کر کہیں حسینوں کے چہرے سجاتا ہے اور کہیں (حسینوں کے) فراق میں دنیا ہی چھوڑ دیتا ہے۔

کہیں قاتل کے روپ میں ہے کہیں درشت کلامی کر رہا ہے اور کہیں (کائنات کے پردوں میں چھپے) رب کا ظہور دیکھ کر اس کا بھکاری بنا ہوا ہے۔

(نوٹ) چند نسخوں میں یہ مصرع یوں لکھا ہے:

کہوں لاگے مکھ الکن کاری

(جس کا مطلب ہوگا کہیں چہرے پر زلف سیاہ بن کر سجا ہوا ہے۔)

(کائنات میں چھپے رب) کے وجود کی (خوشبو) کا احساس کبھی بدن میں سرایت کر جاتا ہے اور کہیں چہرے اور سر میں سما جاتا ہے۔ (کہیں خوشبو بنا ہوا ہے اور کہیں خوشبو کا خریدار اور اس کا بھاؤ پوچھتا پھرتا ہے) کہیں اپنا بھاؤ خود ہی پوچھتا پھرتا ہے۔

شرح کلام

پچھلے بند میں ظہورِ حق کی شانوں میں اللہ کی طرف سے ہدایت انسانی اور اس کو لانے والے پیغمبروں کو جنہیں خوشبو اور پھولوں سے تشبیہ دی گئی تھی ان کا ذکر ہے۔ اب عام خوشبو کے ظہور اور اس خوشبو کے متعلقات کا ذکر ہے۔

خوشبو کی مختلف اقسام، طرح طرح کے پھول اور خوشبو حاصل کرنے کے مختلف طریقے ہیں۔ چنانچہ فرمایا ہے کہ کہیں عطار بن کر عطر نکال رہا ہے اور عطر کی خوشبو پھیلا رہا ہے، کہیں تیلی کے روپ میں مختلف بیجوں سے قسم قسم کے تیل نکال رہا ہے۔ کہیں عطار کا روپ ہے، کہیں تیلی کا روپ ہے اور کہیں خود ہی خریدار کے روپ میں ظاہر ہو رہا ہے، کہیں خود ہی دُکاندار بن کر خوشبو اور تیل کو بیچ رہا ہے، خرید و فروخت کے کاروبار میں گویا خود ہی بیچ رہا ہے اور خود ہی خریدار بن کر بھاؤ تاؤ کر رہا ہے۔ بازار میں گھوم پھر کر دیکھتا ہے، کہیں سستے داموں مل رہی ہے اور کہیں مہنگی ہے۔ پھر یہ خوشبو گھر گھر بکتی پھرتی ہے اور ایک بنجارے کی طرح ہر ایک کے پاس جاتی ہے، یعنی پھیری والا اسے لے کر گھر گھر گلی محلہ بیچتا پھرتا ہے۔

یہ خوشبو کہیں حسین چہروں سے مل کر ان کے حسن کو دوبالا کر رہی ہے اور اسی کے مقابل ظہور کی ایک شان یہ بھی ہے کہ کوئی عشق و محبت میں مارا فراق و جدائی کا دنیا کی

رعنائیوں سے الگ تھلگ صدمہ فراق میں بے حال ہے۔ کہیں خوشبو چہروں کے حسن میں اضافہ کررہی ہے انہیں زیادہ پرکشش بنارہی ہے اور کہیں کچھ چہرے قاتلوں کے ہیں جو ظلم و بربریت کا نشان، ان کے منہ سے بدکلامی اور درشتی کے شعلے نکلتے ہیں اور ہر طرف ظلم کی آگ لگاتے پھرتے ہیں۔

اگر دوسرے نسخہ کا مصرع پڑھیں تو مطلب ہوگا: کہیں حسین چہرہ بن کر اس پر سیاہ زلفیں پھیلائی ہوئی ہیں اور اس کے مقابل دوسرے چہرے ہیں جو موجودات میں چھپے ہوئے ذات حق کے حسین چہرے کو دیکھ کر اس پر ایسے فدا ہوئے ہیں کہ اسی کی دُھن میں سرگرداں ہیں، اسی کی طلب میں مست ہیں اور اسی کے بھکاری بنے ہوئے ہیں۔

ذات حق کے حسن مستور کی عجب شان ہے۔ موجودات کے پتے پتے سے ظاہر اور چھپا ہوا بھی ایسا کہ نظریں اُسے پانے سے عاجز مگر پھر یہی وجود پوشیدہ کبھی سالک کے بدن کو اپنے احساس لطیف کی خوشبو سے معطر کردیتا ہے، کبھی اس کے چہرہ اور سر میں یہ احساس سرایت کرجاتا ہے۔ حضرت میراں سید بھیکھ خود ہی اس بارے میں فرماتے ہیں:

کون برن اس مالی کہیئے
دیکھے بن نت لہے جیو دیہئے

یعنی دنیا کے گلشن کے رکھوالے اور پالنہار کی کیا قوم ہے کیا ذات ہے اس کے بارے میں کیا کہا جاسکتا ہے۔ اُسے کون بیان کرسکتا ہے لیکن یہ مالی ایسا ہے جو نظر آئے بنا اپنے وجود کا احساس روح کو ہر وقت دیتا ہے۔ اس وجود حق کے احساس لطیف کو روح ہر وقت محسوس کرلیتی ہے۔

خود ہی پھول ہے، خود ہی خوشبو اور خود ہی اسے بیچتا ہے اور خود ہی اس کا خریدار بن کر بھاؤ تاؤ کرتا ہے، اُسے خریدتا ہے۔ یعنی:

خود کوزۂ و خود کوزۂ گر و خود گل کوزہ

(کوزہ بھی خود ہی ہے، خود ہی کوزہ بنانے والا اور خود ہی کوزہ کی مٹی ہے۔)

بند نمبر ۲۹

کہوں ہو سرسوں پھول جو پھولا　　نرگس کلی کہوں مکھ کھولا
کہوں سوسن صد برگ جو پھولی　　دیکھ جات سدھ بدھ سبھ بھولی
کنڈھل کہوں بسنت سوہاوا　　ہو لاگا برہن چت ہاوا
تاج سرکھ سوبھا بھتیری　　بھیجے رکت برہ نے گھیری
کہوں بیل کہوں پھول ہے پات پھول پھل بیل
سبھے آپے آپ ہے سمجھ بھیکھ یہ کھیل

فرہنگ

سوسن: ایک قسم کا پھول جو نیلا ہوتا ہے، شعراء اسے زبان سے تشبیہ دیتے ہیں۔ صد برگ: بہت سی پنکھڑیوں والا پھول، جات: نوزائیدہ، مبارک عمل، بابرکت (منظر)، کنڈھل: دائرہ، کنڈل: پیاز کا موٹا چھلکا، سوہاوا: شاندار، خوبصورت، ہاوا: جذبات کو بھڑکانے والا، برہن چت: جدائی کا احساس، سوبھا: حسن، خوبصورتی، تاج سرکھ: سر پر تاج رکھے، سرسوں کے لمبے پودے پر کھلا پہلا پھول، بھیجے رکت: خون میں بھیگا ہوا۔

ترجمہ

کہیں سرسوں کے پھول کھلے ہیں اور کہیں نرگس کی کلی چٹک رہی ہے۔

کہیں سوسن کے نیلے پھول کھلے ہیں اور کہیں گیندے کے پھول کھلے ہیں۔ یہ سب (بہار کھلی) دیکھ کر سدھ بدھ سب جاتی رہتی ہے۔

کہیں دائرے میں بیلیں اور کہیں نہایت حسین بسنت کھلی ہے جسے دیکھ کر عاشقوں کے لیے غم فراق اور گہرا ہو جاتا ہے۔

سرسوں کی ٹہنیوں نے پھولوں کا تاج پہن رکھا ہے اور یہ (منظر) نہایت ہی حسین ہے۔ یہ سارا منظر عشاق کے لیے غم فراق کے زخموں کو تازہ کر دیتا ہے اور وہ خون کے

آنسوؤں سے بھیگ جاتے ہیں۔

(یہ سب ظہورِ ذاتِ حق کے رنگ ہیں) کہیں بیل ہے پھول ہے، پھل ہیں اور برگ و بار ہیں، ظہور کائنات کا یہ کھیل ایسا ہے کہ ذات حق خود ہی اپنے ہی آپ یہ کھیل کھیل رہی ہے۔ آثار و موجودات میں ظہورِ حق کا یہ کھیل بھیکھ کے سمجھنے کو ہے۔

تشریح

ظہور حق کی مختلف شانوں میں خوشبو سے آگے بڑھ کر اب موسم بہار میں بسنت کے کھلنے کا ذکر ہے۔ ہر طرف سرسوں کے پھولوں کی بہار نظر آتی ہے۔ کہیں نرگس کی کلی چٹک رہی ہے تو کہیں سوسن کے نیلے پھول محبوب کی زبان اور ہونٹ کے حسن کا مظہر ہیں، کہیں گیندے کے پھول جوبن پر ہیں، ہر سو جانفزا منظر، خدائے ذوالجلال کے احسن الخالقین اور مصورِ اعظم ہونے کا اعلان کرر ہے ہیں جسے دیکھ کر انسان خدائے بزرگ و برتر کی اعلیٰ شانوں اور اس کی صفات کریمانہ میں ایسا مدہوش ہوتا ہے کہ اپنا ہوش گم کر بیٹھتا ہے۔ عظیم نظارۂ حسن ظہورِ شانِ خداوندی کے سامنے انسانی ہوش و خرد اپنی کم مائیگی کا برملا اظہار کر کے سپر ڈال دیتی ہے اور اسی ذات برحق کی بڑائی اور تسبیح کرتے بن پڑتی ہے۔

محبوب کی حسین گھنگھریالی زلفوں کی طرح بل کھاتی سرسبز و شاداب بیلیں، ماحول کو پیلاہٹ کی بہار دیتی ہوئی دلکش بسنت اپنے اردگرد کی ہر شے کو حتیٰ کہ عشاق کے فراق زدہ دلوں کو محبت کے گہرے رنگوں میں ڈبو دیتی ہے۔ ماحول کی زردی محبت کے جذبوں کو مہمیز لگاتی ہے، برہوں کی آگ کو ہوا دے کر اور بھڑکاتی ہے، یہ سب شانیں یہ سب رنگ جس محبوب کی ادائیں اور تجلیات ہیں اس کے حسن مستور کو اور حسین بناتی ہیں اور یہ رنگ ظہور سالکین راہِ حق کے دلوں میں حسن ذات کی محبت کی لو کو اور ہوا دیتے ہیں، انہیں اور بے چین کر دیتے ہیں، سرسوں کے پودے جب اپنے پھولوں کا تاج پہن لیتے ہیں تو چاروں طرف پھیلا حسن زرد عشاق کے دلوں میں غم فراق کے زخموں کو اور گہرا کر دیتا ہے اور وہ خون کے آنسوؤں سے اپنا ہی دامن بھگو لیتے ہیں۔

برگ و بار، پھل پھول اور بیل اور پتوں کا رنگ سب ذات حق کے ظہور ہیں۔ یہ کھیل اُسی کا رچایا ہوا ہے، یہ سب ظہور اسی کا کھیل ہے جسے وہ خود ہی کھیل رہا ہے۔ بس ذات وصفات اور ان کے ظہور کے کھیل کو اچھی طرح سمجھ لینا ہی بھیکھ کا کام ہے جہاں ذات ہے وہاں اسماء وصفات، ظہور موجودات و آثار سب ناپید ہیں اور جہاں آثار وموجودات ہیں وہاں ذات اس پردے کے پیچھے ہے۔ گویا آثار وموجودات ذات کا لباس ہے، اس کے اظہار کا ایک انداز ہے اور یہ کھیل اُسی کے کھیلنے کا ہے، انسان کو یہی کھیل سمجھنا چاہیے۔

بند نمبر ۳۰

کہوں سرو ہو تھاڈا لاہے   سدا سہاگن بہت اما ہے
پھرے کہوں کسنبھے ساری   مہندی لائے ات رتناری
رکت برن کو لالی کینا   کنور سرور ہو ات دکھ دنیا
چیت بھیو راکھ رکت بھیو کاتا   میت سروپ پوچھے نہیں باتا
کہوں بھیو پیت پدریا ساری   سیتل سیام برہ دکھ جاری
لکی ٹھکوری ات پٹ باٹا   کہوں پلاس پات جھڑ پاتا
کہوں سرو ہیو اوگیو کہوں برن کنوار
آپنے کہوں سہاگ لے، آپ دین دکھ ہار

فرہنگ

سرو: بہت بلند و بالا، رزق دینے والا، تھاڈا: تقسیم کرنا، اماہو: بڑی خوشی، اما ہے: خوشی منائے، کسنبھے: پھولدار، رکت: خون، لالی کینا: سرخ کردیا، کنور: جوان لڑکا رراجہ کا بیٹا، چیت: خیال، جان، کاتا: دھاگا، میت سروپ: خوبصورت دوست، پدریا: تشریف آوری، سیتل: سرد، ٹھنڈا (سرد مہری)، سیام: کالا، کشن جی کا لقب، برہ دکھ: جدائی کا دُکھ،

ٹھگوری: دھوکے بازی، اٹ پٹ: مشکل، ٹیڑھا، جاہل، عجیب، باٹا: راستہ، پلاس: ڈھاک کا درخت، پات جھڑ: پت جھڑ، پاتا: پالنے والا، محافظ، برں کنوار: دریائی مٹی میں اُگا ہوا گھیکوار۔

ترجمہ

کہیں بڑا زمیندار بن کر فصل کی برداشت کا بٹوارا یعنی تقسیم کر رہا ہے۔ کہیں سدا سہاگن کے روپ میں بے انتہا خوش نظر آتا ہے۔

کہیں (خوبصورت عورت کے روپ میں) پھولدار ساڑھی پہنے پھرتی ہے اور رات کو ہاتھوں پر مہندی سجائے رہتی ہے۔ خون نے لباس کو سرخ رنگ بنا دیا (خون کے آنسوؤں سے تر لباس سرخ رنگ ہو گیا) اور نوخیز عشاق کو عشق میں مبتلا کر کے دردِ محبت دیدیا ہے۔

(دردِ محبت اور غمِ فراق میں مبتلا) عشاق کی جانیں جل کر راکھ ہو گئیں اور (حدت عشق سے) خون سڑ گیا۔ اس وجہ سے کہ حسین محبوب بات نہیں پوچھتا۔

کہیں (محبوب) سراپا محبت بن کر تشریف رکھتا ہے اور کہیں حسن ملیح سرد مہری سے عشاق کو جدائی کے دُکھ میں مبتلا رکھتا ہے۔

(کہیں دنیاوی محبت کے روپ میں) دھوکے باز اور اوٹ پٹانگ باتیں کرتی ہے اور (کہیں حقیقی اور سچی محبت کے روپ میں) ڈھاک کے درخت کی مانند سرخ پھولوں کی بہار دیتی ہوئی اور خزاں کے اثرات سے محفوظ ہوتی ہے۔

کہیں لمبے اونچے سرو کے روپ میں اُگا ہے کہیں گھیکوار پودے کا روپ لیے ہے، خود ہی سہاگ کا لطف اُٹھا رہا ہے اور کہیں خود ہی شب فراق کے غموں کا ہار پہنے ہوئے ہے۔

تشریح

محبت چاہے حقیقی ہو یا مجازی دنیا میں ایک بہت بڑی حقیقت ہے اور ظہور موجودات کا ایک نہایت ہی خوبصورت رنگ ہے۔ اس بند میں محبت کے مختلف شیڈ بیان ہوئے ہیں۔ درختوں اور پودوں میں شانِ ظہور کا ذکر ہے۔

رحمانیت اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی صفت اور شان ہے۔ ربوبیت خداوندی کا اظہار رحمانیت الٰہیہ کے ذریعے ہی ہوتا ہے۔ وہ ذات بلند و بالا، و بزرگ و برتر، اپنی رحمانیت عظیمہ کے تحت تمام کائنات کو رزق عطا کرتا ہے۔ رزق کی تقسیم کرتا ہے۔ اس طور کہ اس کے خزانوں میں رزق کی کمی واقع نہیں ہوتی۔ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴿۵۸﴾

(سورۃ الذاریات: آیت ۵۸)

وہ رزق دینے میں بھی کسی کا محتاج نہیں بلکہ سب اسی کے محتاج ہیں۔ دنیا میں تقسیم رزق کے مظاہر بے شمار ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ زمیندار بن کر فصل کی برداشت مزارعوں میں تقسیم کرتا ہے۔ محبت اور انتہائی خوشی کا ایک روپ سدا سہاگن کا روپ ہے جو ہمیشہ خوشیاں سمیٹتی رہتی ہے اور خوشیاں بانٹتی رہتی ہے۔

عورت ہمیشہ سے محور عشق و محبت ہے اس کی ادائیں، چلنا پھرنا، لباس، چہرہ مہرہ سب عشاق کے لیے موضوعِ سخن اور محبت کی کشش کا باعث ہیں۔ جب وہ شوخ پھولدار ساڑھی میں حسن کی بہار بن جاتی ہے اپنے ہاتھوں میں مہندی کا رنگ سجا کر اپنی اداؤں سے عشاق کے دلوں کو لوٹ لیتی ہے پھر کہیں سرخ اور شوخ رنگ کے لباس پہن کر گویا ماحول کو سرخی عطا کر دیتی ہے تو یہی سرخ رنگ عشاق کے لیے گویا خونِ جگر بہانے کا باعث ہو جاتا ہے۔ نوعمر عشاق جذبات محبت سے بے قابو ہوئے جاتے ہیں اور حسینۂ خوش ادا ان پر گویا ظلم ڈھاتی ہے۔ ادھر عشاق غم عشق میں اپنی جان جلا کر راکھ کیے لیتے ہیں حتیٰ کہ حدت عشق سے خون بھی سڑ جاتا ہے اور یہ سب کچھ حسین اور خوبصورت محبوب کی بے توجہی سے ہوتا

ہے کہ وہ اپنے عشاق سے بات تک کرنا گوارا نہیں کرتا۔

محبوب کہیں مجسم محبت اور حسن بن کر موجود ہوتا ہے اور کہیں یہ حسن ملیح اپنی سرد مہری اور بے توجہی سے عاشق جاں باختہ کو جدائی اور فراق کے قلق میں مبتلا کر دیتا ہے۔

محبت کے کئی رنگ ہیں، کہیں بناوٹی ہے، مجازی ہے اور کہیں حقیقی محبت۔ محبت کے دنیاوی اور مجازی روپ بہت ہی دلکش حسین ہوتے ہیں مگر دام فریب میں پھنسا کر دل کی پونجی لوٹ لیتے ہیں۔ ان کے مجازی رنگ بہت گنجلک اور پیچیدہ ہوتے ہیں، انسان انہی بھول بھلیوں میں کھو کر رہ جاتا ہے اور منزل آخرت سے دور جا نکلتا ہے۔ دوسری طرف حقیقی محبت کے پھول ہمیشہ کھلے رہتے ہیں ان کی خوشبوئے جانفزا کبھی کم نہیں ہوتی۔ جیسے ڈھاک کا درخت جس کے سرخ پھول ماحول کو گلنار بنا دیتے ہیں اور خزاں کے خوف سے یہ درخت ہمیشہ محفوظ رہتا ہے۔

درخت، پھول، پودے یہ سب مظاہر حسن ہیں۔ لمبا اونچا سرو کا درخت گویا قامت محبوب ہے اور تازہ دریائی مٹی سے اُگا ہوا گھیکوار کا پودا جو نہ صرف دیکھنے میں حسین ہے بلکہ ویسے انسان کی بیماریوں کے لیے دوا کا کام دیتا ہے۔ یہ سب ظہور حق کی مختلف شانیں ہیں، وہ کہیں سدا سہاگن کے روپ میں وصل محبوب کے نشے میں سرشار ہے اور کہیں خود ہی شب فراق میں دُکھوں کی مالا گلے میں ڈالے آہ و بکا میں مصروف ہے۔

بند نمبر ۱۳۱

کہوں پھلواڑی سانگ بنایو   کہوں پھولیو کہوں دیکھن آئیو
کہوں روت پھلواڑی آئے   دیکھت کہوں مگھن ہو جائے
کہوں لائے کہوں آپے توڑے   توڑت کو وہ کون سو جوڑے
کہوں تو توڑ توڑ سر دھارے   کہوں مالی ہو توڑت مارے
کہوں تو پھول مانگت ہو بالا   کارن پیت سیت ہو کالا

بہورنگی بہورنگ سیں. رنگ بھیو اوہ پھول
دیکھت ہیں رس بھاؤ کوں بھیکھ گئے سدھ بھول

فرہنگ

سانگ: بھیس، تماشہ، روت: روتا ہوا، سر دھارے: سر پر سجائے، پھول مانگت ہو بالا: جوان لڑکی کی مانگ میں سجایا ہوا پھول، سیت: سفید، بہورنگی: طرح طرح کے رنگ (وحدت سے کثرت کا اصدار) بھاؤ: وجود، ماورائی طاقت، روانی، سیلاب یا ندی کا بہاؤ، رس بھاؤ: تجلیات الٰہیہ (شانوں) کا عظیم بہاؤ (سیلاب)۔

(کہیں نسخوں میں ''اوت'' لکھا ہوا ہے جس سے مطلب یہ ہو جائے گا کہ کہیں بے وقوف بن کر باغیچے میں آتا ہے)

ترجمہ

(موجودات کے ظہور کیلئے) کہیں پھلواڑی کا روپ بنایا ہوا ہے۔ کہیں خود ہی پھل پھول رہا ہے اور کہیں (اپنی ہی لگائی ہوئی پھلواڑی کو) خود ہی دیکھنے آ جاتا ہے۔

کہیں اپنے ہی باغ کے حسن کو دیکھ کر روتا ہوا آتا ہے اور کہیں پھلواڑی کے (حسن و جمال کو دیکھ کر) اسی میں گم ہو جاتا ہے۔

کہیں خود ہی باغ لگاتا ہے اور کہیں خود ہی (پھول اور ڈالیاں) توڑتا ہے۔

ٹوٹے ہوئے (پھول) کو کون ہے جو جوڑ سکے۔

کہیں باغیچہ سے (پھول توڑ کر) سر میں سجاتا ہے اور کہیں مالی بن کر (باغ کی حفاظت کرتا ہے) اور پھول توڑنے والے کو مارتا ہے۔

کہیں پھول بن کر دوشیزہ کی مانگ میں سج جاتا ہے اور کہیں محبت کی خاطر اپنا سفید رنگ کالا سیاہ کر لیتا ہے۔

(اسماء وصفات حق کی لاتعداد شانوں کا) یہ رنگا رنگ ظہور ہے اور اس رنگا رنگ ظہور کا ذروۂ سنام (چوٹی) وہ پھول ہے (جو حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہلاتا ہے)

(ظہور کی اس رنگارنگی میں نورِ حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا بہاؤ (اطلاق) دیکھ کر حضرت بھیکھ اپنے ہوش وحواس گم کر بیٹھے۔

تشریح

اس بند میں ظہور صفات کی شانوں میں باغیچے اور پھولوں کا ذکر ہے۔

جیسا کہ اس سے پہلے بھی بیان ہو چکا ہے کہ میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ اپنے کلام میں تخلیق کائنات کو ایک باغیچہ اور حق تعالیٰ کی ربوبیت کو مالی سے تشبیہ دیتے ہیں، رنگہائے ظہور میں، بیل، پھول، پھل، کلی، درخت، خوشبو اور خوشبو سے متعلق مظاہر حسن و محبت، عشق، فراق وصال، حسن و جمال سب چیزوں کا ذکر ظہور موجودات یعنی اللہ تعالیٰ کی شانوں سے وجود پانے والے موجودات کے طور پر کرتے ہیں۔

اس بند میں باغیچہ اور پھولوں کا ذکر ہے کہ یہ کائنات ایک باغیچہ ہے۔ اس باغ میں سیر کے لیے آنے والے اور باغیچہ کے حسن سے لطف اندوز ہونے والے انسان بھی ظہورِ صفات الٰہیہ ہیں۔ اس پھلواڑی میں کھلنے والے پھول بھی صفات کا مظہر ہیں۔ جب اس کائنات میں تمام موجودات صفات حق کی تجلیات کا مظہر ہیں۔ اسی کے فیض مقدس سے

وجود پا رہے ہیں تو گویا باغیچہ میں کھلنے والا پھول بھی اسی کا ظہور ہے اور اس باغیچہ کو دیکھنے کے لیے آنے والا بھی اسی کا ظہور ہے اسی کی تجلی ہے۔

انسان جو کہ کارگہِ تخلیق کا ذروۂ سنام ہے۔ صفات الٰہیہ کا مظہر تام ہے اور ذاتِ حق کی شدید ترین محبت کا طوفان اپنے باطن میں لیے پھرتا ہے۔ عشق الٰہی کی موجیں جب اس کے باطن میں زور پکڑتی ہیں تو انسان جستجوئے حق میں سخت بے چین ہو جاتا ہے۔ پھر موجودات کائنات میں ہر شے چونکہ مظہر تجلیات حق ہے اس لیے وہ ہر شے سے جلوۂ صفاتِ حق دیکھتا ہے اور اسی کی طرف کشش محسوس کرتا ہے۔ ایسا ہی انسان جب باغیچہ کے حسن میں حسن صفاتِ خداوندی دیکھتا ہے تو اس کی محبت جوش مارنے لگتی ہے۔ وہ ذات حق تک پہنچنے کے لیے بے چین ہو کر گریہ وزاری کرتا ہے اور جب کہیں باغ میں پہنچ کر مظاہر صفات خداوندی (باغیچہ کے گل و بلبل اور پھول، پھل، پات) غرض ہر شے کے پیچھے حسن ذاتِ حق کو جلوہ گر دیکھتا ہے تو اسی جلوۂ ذات میں گم ہو کر گرد و پیش سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ یہ خلاق عظیم ہی ہے جو اس گلشن کائنات میں کہیں باغیچہ لگاتا ہے اس کو پالتا ہے۔ اس کی دیکھ بھال کرتا ہے اور کہیں اس باغیچے کے برگ و بار کو خود ہی توڑتا ہے۔ بھلا پیدا کرنے والا اور باغیچہ لگانے والا پھول اور پھلوں کو حسن وجود بخشنے والا جب خود ہی اس کو توڑے تو اس کے توڑے کو کون جوڑ سکتا ہے۔

تاریخ عالم گواہ ہے کہ جو قومیں عذاب الٰہی میں گرفتار ہو کر تباہ و برباد ہو گئیں اور صفحہ ہستی سے ناپید ہو گئیں انہیں دوبارہ عروج کوئی نہ دے سکا۔ جن دلوں کو نورِ ہدایت سے وہ منور کر دے انہیں کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جن کو وہ گمراہ کر دے انہیں کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

موجودات عالم میں ظہور کے رنگ اتنے مختلف ہیں کہ تصور اور بیان سے باہر ہیں۔ کوئی باغ کے پھول کو توڑ کر اپنے سر میں سجا رہا ہے اور کہیں خود ہی مالی بن کر پھول توڑنے والوں کو مار رہا ہے، باغ سے دور ہٹا رہا ہے، کہیں دوشیزہ کے روپ میں باغ سے پھول توڑ کر مانگ میں سجا رہا ہے اور اپنے حسن سے دوسروں کو مبتلائے عشق و محبت کر کے غم فراق سے دوچار کر رہا ہے اور کہیں خود محبت میں گرفتار ہو کر صدمۂ فراق سے اپنے سرخ و

سفید رنگ چہرے کو سیاہ کیسے لیتا ہے۔ وحدت سے اصدار پاتی اور وجود لیتی ہوئی موجودات کی یہ رنگارنگی دراصل عشق ومحبت کی داستانِ لازوال ہے۔ موجودات کے تنوع اور حسن ظہور میں حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نورِ پاک کا پھول اس تمام داستانِ عشق ومحبت کا مرکزی نقطہ ہے۔ اسی نور سے تمام موجودات کا بہاؤ ہے جسے دیکھ کر صاحب نظر حضرت میراں سید بھیکھ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی سدھ بدھ سب گم کردی۔

عالم موجودات میں نور محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت اس طرح سرایت کرچکی ہے جیسے رگوں میں دوڑتا ہوا خون کسی جسم کو زندگی عطا کرتا ہے۔

بند نمبر ۳۲

یہ پھلوار ساکھ بن مولا　　　سدا بسنت رہے جا پھولا
ان بھانت کو پھول جو لاوے　　　نت پھولے اور نہ کملاوے
یا کو پھول نہ یاکو پایو　　　جن پایو تن آپ گنوایو
سادہو کی گت کھوجت ہارے　　　کہا سپھل بدھ بھیکھ تہارے

کہوں مالی پھلوار ہے کہوں سیوتے پھول
کہوں آوت ہے دیکھنے دیکھ جات کہوں بھول

فرہنگ

بن مولا: بیش بہا قیمت، جا پھولا: جہاں بھی یہ کھلا ہے، ان بھانت: بے پایاں یا بے حد وحساب طریقوں والا، یاکو: اس کو، کھوجت ہارے: سراغ لگاتے لگاتے تھک ہار گئے، سپھل: کامیاب، فائدہ مند، بدھ: طریقہ، قانون، اتہارے: تمہارے۔

ترجمہ

یہ (معرفت حق کی) پھلواری اور اس کی شاخیں (بیل، بوٹے) بیش بہا قیمتی ہیں۔ (معرفت کا پھول) جہاں بھی کھلتا ہے سدا بہار رہتا ہے۔

لامحدود اور لامکاں جب (معرفت کا پھول) لگاتا ہے تو وہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے اور کبھی نہیں کملاتا۔

اس (معرفت کے) پھول کو کسی نے نہیں پایا جس نے بھی پایا ہے اس نے اپنا آپ گنوایا ہے۔ (پھر پایا ہے)

درویش کا حال یہ ہو گیا کہ وہ (معرفت حق) کا سراغ لگاتے لگاتے تھک ہار گئے۔ یہ کوشش اے بھیکھ (مرشد، راہنما) تمہارے بغیر کیسے فائدہ مند ہو سکتی ہے۔

کہیں اس باغیچہ کا مالی بنا ہوا ہے اور کہیں خود ہی چنبیلی کا پھول ہے۔ کہیں خود ہی اس باغیچے کو دیکھنے آتا ہے اور کہیں خود ہی دیکھ کر (اپنے آپ کو) بھول جاتا ہے۔

تشریح

موجودات عالم میں ظہور حق کے انوار معرفت الٰہی کا راستہ ہیں۔ حضرت میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ نے اس بند میں پھول کو معرفت الٰہیہ سے تشبیہ دی ہے۔ معرفت حق پر کچھ مباحث بند نمبر ۹ اور بند نمبر ۲۴ میں گزر چکے ہیں۔

اس کائنات میں حضرت انسان کو خلاصہ تخلیق کہا گیا ہے۔ قرآن نے اسے احسن تقویم کا مقام عطا کیا ہے چونکہ تمام آثار و موجودات کا اصدار ذات حق سے ہوا ہے۔ اس کائنات میں ایک ایک ذرہ حق تعالیٰ کی محبت رکھتا ہے اور اسی کی طرف کشاں کشاں جا رہا ہے۔ انسان چونکہ کارگہِ تخلیق کی چوٹی ہے اسے شعور اور ارادہ سے سرفراز کیا گیا ہے اور ساتھ ہی چوائس دیدی گئی ہے کہ وہ عملی طور پر شکر کا راستہ اختیار کرے یا کفر کا۔ یہ الگ بات کہ جستجوئے حق انسان کا مقدر بنا دیا گیا ہے، چاہے اُسے اس کا شعور ہو یا نہ ہو مگر وہ جا رہا ہے اپنے رب کے راستے ہی کی طرف۔

قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے: وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (سورۃ البقرہ: آیت ۳۱) (اور آدم کو سب اسماء (صفات) کا علم دیدیا گیا ہے)۔

اب اس کائنات میں کسی چیز کو جاننے کا معروف طریقہ اور راستہ اس چیز کی صفات کو سمجھنا ہی ہے۔ کسی سے معرفت حق کے بارے میں سوال کیا گیا تو اس نے جواب دیا معرفت حق یہ ہے کہ بندہ اس کی وحدانیت کو اس طرح معلوم کر لے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس وحدانیت کو مخلوق کے سامنے پیش کیا ہے۔ یعنی موجودات پر تجلیات، اسماء وصفات الٰہیہ کے ذریعے (۳۶)۔ عارف اپنے قلب کے ذریعے عالم موجودات کے ہر فرد پر تجلیات الٰہیہ کا نظارہ کرتا ہے۔ ہر موجود میں اسماء وصفات کا ظہور دیکھتا ہے حتیٰ کہ اپنی ذات میں بھی تجلیات کا ظہور دیکھتا ہے۔ کائنات میں ہر طرف جلوۂ ظہور اسماء وصفات الٰہیہ بھی کارفرما ہے۔

شرح کلام

چنانچہ میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معرفت کی پھلواری اور اس کے شاخ پھل پھول کسی قلب میں کھل جاتے ہیں تو یہ ایک متاع بے بہا اور ایک انمول تحفہ خداوندی ہے۔ یہ ایک عظیم نعمت ہے جو اللہ کی طرف سے بندے کو عطا ہوتی ہے۔ یہ تحفہ مقدرِ انسانی کی تکمیل کا تحفہ ہے جو اللہ تعالیٰ کسی کو دے دیتے ہیں۔ یہ پھلواری تو ایسی سدا بہار ہے جس کے مقدر میں خزاں نہیں، اس پھلواری کا حسن سدا جواں اور دائماً دیدہ زیب ہے۔

مالک لامکاں اور لامحدود شانوں کا رب جب کسی خوش نصیب کے اندر اپنی معرفت کا پھول کھلا دیتے ہیں تو وہ سدا بہار ہوتا ہے۔ پژمردگی اور کملاہٹ اس پھول کے نزدیک نہیں پھٹکتی۔

معرفت کے پھول کا حصول بحیثیت تجلیات اسماء وصفات میں ممکن ہے چونکہ عالم موجودات کے تمام مظاہر اسماء الٰہیہ کے مظاہر اور ان کی تجلیات ہیں اور تمام اسماء و صفات الٰہیہ ذات الٰہی میں گم ہیں۔ اس لیے عالم موجودات کی یہ کثرت اسمائی بھی وحدت الٰہی میں گم ہے۔ چنانچہ معرفت حق بحیثیت تجلیات اسماء وصفات ممکن ہے۔ ان تمام مظاہر کی حقیقت اور باطن جو ذات حق ہے اس کا ادراک غیر حق پر ممتنع ہے کیونکہ جیسے اس کا ادراک

ہو وہ خود ذات حق میں مستہلک اور محو ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ''جن پایو تن آپ گنوایو'' والی صورت پیش آ جاتی ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے:

آنرا کہ خبر شد خبرش باز نیامد

یعنی جس کو اس کی خبر ملی اس کی اپنی خبر ہی نہ آئی۔

(۴۷)(ماخوذ از فصوص الحکم،تنبیہات وتشریحات،صفحہ ۴۹ تا ۵۲)

معرفت حق کی راہیں نہایت دشوار گزار ہیں۔ یہ پھول جس قدر حسین اور جتنا قیمتی ہے اس کے حصول میں قوائے نفسانی اور شیطانی بھی اسی قدر قوت سے سرگرم عمل ہیں۔ قدم قدم پر سالک کے لیے نفسانی اور شیطانی خواہشات کے پرکشش جال پھیلائے جاتے ہیں۔شہوت وحسن، مال ودولت اور اقتدار کے نہایت دلکش پھندے راہِ معرفت میں حائل ہوتے ہیں، کتنے درویش اور سالک ایسے ہوئے جو اپنی سرتوڑ کوشش کر کے تھک ہار گئے مگر منزل نہ ملی۔ راہِ سلوک میں کامیابی وکامرانی اگر نصیب ہوتی ہے تو کسی مرشدِ کامل کی توجہ اور راہنمائی سے ہی ہوتی ہے۔ اس راہ میں کی گئی کوششیں اگر بارآور اور سودمند ہوتی ہیں تو بھیکھ جیسے مرشد کامل کے بتائے ہوئے طریقے پر چلنے سے ہی ہوتی ہیں۔

یہ سارے رنگ ظہور اس باغ جہاں کے عظیم المرتبت مالی کی شانوں اور اس کی صفات کے حسین وجمیل رنگ ہیں۔ کہیں پھلواڑی کے روپ میں اور کہیں چنبیلی کے پھول کی شکل میں۔ کہیں وہی سالک بن کر کائنات کی پھلواڑی میں رنگہائے ظہور دیکھ کر شادمان و شادکام ہوتا ہے اور کہیں ظہور کی اس جلوہ آرائی سے متاثر ہو کر حسن ظہور حق میں اس قدر مدہوش ہو جاتا ہے کہ اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھتا ہے۔

بند نمبر ۳۴

نیبو آنب کہوں ہو آوے　　　کہوں کوئل ہو شبد سناوے
کہوں ہو نیب نیبو رے آوے　　　کہوں روگی ہو گھس گھس لاوے
کہوں تو سیب توت ہو پاکا　　　کہوں تلیر ہو کھانے لاگا
بھیا بدام کہوں بھیا آڑو　　　کہوں توڑے کہوں کرے پکارو
ناگر بیل اور داکھ لگاوے　　　رسنا لال کرے کہوں کھاوے
کہوں چوہارا کھوپڑا کہوں کیلا ہو جائے
چاکھے کہوں چورائیکے کہوں مول لے کھائے

فرہنگ

نیبو: لیموں، آنب: آم، شبد: حمدیہ کلام، نیب: نیم، نیبو رے: نمولی، روگی، بیمار، گھس گھس: گھسٹ کر چلنا، ناگر بیل: پان کے پتے کی بیل، داکھ: انگور، رسنا: زبان، چوہارا: چھوہارا، کھوپڑا: ناریل، گری۔

ترجمہ

(دنیا کے باغ میں) کہیں لیموں اور کہیں آم کا ظہور ہے اور کہیں (باغ میں) کوئل حمدیہ ترانے گا رہی ہے۔

کہیں نیم کا درخت ہے اور اس پر نمولیوں کا پھل لگ رہا ہے اور کہیں (دوسرے رنگ میں) بیمار پڑا ہے اور گھسٹ گھسٹ کر چل رہا ہے۔ (نیم کا پھل جلدی امراض میں استعمال کیا جاتا ہے)۔

کہیں سیب اور توت کے پھل پکے ہوئے ہیں اور کہیں تلیر ان پھلوں کو کھا رہا ہے۔

کہیں بادام اور آڑو کے روپ میں ہے اور کہیں خود ان پھلوں کو توڑ رہا ہے اور کہیں (توڑنے والے چوروں کو) بھگا رہا ہے۔

کہیں پان کی بیل اور انگور کی بیل لگا رہا ہے اور کہیں پان کھا کر زبان کو لال کر رکھا ہے اور انگور کھا رہا ہے۔

کہیں چھوہارا، کھوپرا اور کیلے کی شکل میں ظہور ہے اور کہیں چور بن کر چرا کر پھل کھا رہا ہے اور کہیں خرید کر کھا رہا ہے۔

شرح کلام

مختلف پھلوں اور پرندوں میں شان ہائے ظہور کا ذکر

وہ خلاق عظیم جس نے عالم موجودات کی تصویر کشی کی اور اُسے اپنے اسماء وصفات کی تجلیات سے ظہور بخشا اس عالم موجودات کے ذرے ذرے سے اس کی شانوں کا ظہور ہو رہا ہے۔

باغوں میں مختلف قسم کے پھل اسی کی صفات کے مختلف رنگ ہیں۔ کہیں لیموں ہیں، کہیں آم ہیں، کہیں سیب اور توت ہیں کہیں بادام اور آڑو ہیں۔ کہیں پان کی بیل ہے، کہیں انگوروں کی بیل ہے، کہیں چھوہارے، کھوپرا اور کیلے کے رنگ ہیں۔

کہیں باغوں میں کوئل حمدیہ نغمے الاپ کر ماحول کو ترنم دے رہی ہے کہیں تلیر باغ سے پھلوں کو نوچ کر کھا رہا ہے۔ کہیں مالی کے روپ میں پکے پھلوں کو توڑ رہا ہے اور کہیں چوری توڑ کر کھانے والوں کو آواز لگا کر روک رہا ہے۔

کہیں پان کھا کر لبوں کو سرخ کر رہا ہے اور کہیں پھل توڑ کر کھا رہا ہے، کہیں چرا کر پھل کھا رہا ہے اور کہیں خریدار بن کر خرید رہا ہے اور کھا رہا ہے۔

یہ سارے رنگ بڑے دلکش اور فرحت انگیز ہیں مگر ایک روپ ان سب سے مختلف ہے وہ ہے بیمار آدمی کا رنگ، بیماری سے انتہائی لاغر اور کمزور، چلنے سے معذور مگر گھسٹ کر چل رہا ہے۔ جلدی امراض میں نیم کا پھل علاج کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔

یہ سارے ظہور اس کی شانوں کے ہیں۔ یہ سارے ظہور اس کی صفات کے ہیں، وہ خود لامحدود ہے اس کی صفات حدودِ حصر سے ماوراء ہیں۔

بند نمبر ۳۴

کہوں بہی بادام چرونجی ناسپتی ات لگی کلونجی
کٹھل بڑھل گولر کہوں لائے کہوں راکھے کہوں توڑ جو کھائے
کہوں انجیر کروندا چھایا کہوں آنورا کہوں بیر کہایا
کہوں نودھا پودھا پھل لایا کہوں سارو سُوا ہو دھایا
کہوں للچاوے توڑ پھل چاکھا توڑت کہوں، کہوں بھیا راکھا
سوئے جوترے جائے پھل سوئے لونگ وا مول
ایکو نیچے جانیے تین دیکھ مت بھول

فرہنگ

کٹھل: پھلدار درخت، بڑھل: ایک پھلدار درخت، پودھا: نیا درخت، نودھا: پودے کی نئی ٹہنی، کونپل، سارو: مینا، سُوا: طوطا، جوتری: جاوتری، جائپھل کے بیجوں کا سوکھا ہوا چھلکا جو عموماً پیس کر کھانا پکانے یا اچار ڈالنے کے کام آتا ہے۔ جائے پھل: خوشبودار بیج جسے مصالحے کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ سوئے: سونف، بادیان، نیچے: اصل، وا: یعنی یا۔

ترجمہ

کہیں بادام اور چرونجی کی شکل ہے، کہیں ناشپاتی اور کلونجی ہے۔ کہیں پھلدار درخت ہے کہیں دوسرے درخت اور کہیں گولر کا درخت ہے۔ پھر کہیں خود ہی رکھوالا ہے اور کہیں خود ہی توڑ کر کھا رہا ہے۔ کہیں انجیر اور کروندا ہے کہیں آملا ہے اور کہیں بیر کی شکل ہے۔ کہیں پھلدار درخت پہلی دفعہ بار آور ہو رہا ہے اور کہیں پودے کی نئی کونپل نکل رہی ہے اور کہیں مینا اور طوطا بن کر درختوں پر چہچہار ہے ہیں۔

کہیں پھل توڑ کر کھانے کو للچا رہا ہے اور کہیں خود ہی توڑ رہا ہے اور کہیں خود ہی رکھوالا بنا ہوا ہے۔

سونف، جاوتری، چاہے پھل، چاہے لونگ کی جڑ یہ سب ایک ہی نسل سے تعلق رکھتے ہیں، انہیں تین دیکھ کر کثرت میں نہ پڑ جا۔

شرح

درختوں، پھلوں اور مصالحے دار درختوں کی مختلف قسمیں گنوا کر، ظہور حق کی مزید شانوں کا ذکر ہے، درختوں، پودوں، پھلوں، پھولوں کی مختلف قسمیں یہ سب ظہور کے مختلف رنگ ہیں بلکہ کائنات میں کثرت، سب آثار و موجودات ایک ہی اصل سے ان کا اصدار ہوا ہے۔ یہ کثرت دیکھ کر اس کثرت میں کھو نہیں جانا چاہیے بلکہ اس کثرت کی بنیاد جو وحدانیت ہے اس پر ہمیشہ نظر رہنی چاہیے۔

بند نمبر ۳۵

کہوں گاہک ہو لینے آوے ۔ آپے اپنا مول چوکاوے
کہوں تو بیٹھ ہاٹ جا پڑے ۔ بیوپاری ہو لینے چڑھے
کہوں سے لیاوے کہوں لے جاوے ۔ کہوں بکاوے بیچ گھر آوے
کہوں ٹھاکر ہو مول بسا ہے ۔ کہوں نردھن ہو مانگا چاہے
کہوں کوڈی کا سیر بکاوے ۔ کہوں مہنگا ات ہاتھ نہ آوے

گاہک آپے آپ ہے او پھل آپے جون
جہان تو ایکو ایک ہے بھیکھ دوسرا کون

فرہنگ

پیٹھ: چوکی، تختہ، اندر گھسنا، ہاٹ: ہٹی، دکان، ٹھاکر: سردار، بسا ہے: خریدے، نردھن: مفلس، کنگال، جون: جنم، پیدائش۔

ترجمہ

کہیں گاہک بن کر خریداری کرنے آ جاتا ہے اور اپنی قیمت آپ ہی طے کرتا ہے۔
کہیں دُکاندار بن کر دُکان کے اندر بیٹھتا ہے اور کہیں تاجر بن کر سودا لیتا ہے۔
کہیں سے سودا لے آتا ہے کہیں لے جاتا ہے۔ (تجارت کا عمل) کہیں سودا بیچتا ہے اور پھر (فارغ ہو کر) گھر آ جاتا ہے۔
کہیں سردار (سیٹھ) بن کر نقد خریدتا ہے اور کہیں مفلس و نادار بن کر بھیک مانگتا ہے۔
کہیں ٹکے سیر (بہت سستا) بکتا ہے اور کہیں اتنا مہنگا کہ ہاتھ نہیں لگنے دیتا۔
خود ہی گاہک ہے خود ہی پھل ہے اور خود ہی (پھول پودے بن کر) پیدا ہوتا ہے (جنم لیتا ہے) ہر طرف ایک ہی ایک ہے یہاں دوسرا کون ہے۔

شرح

رنگِ ظہور صفات حق اب بدل رہا ہے۔ پھول پھلواڑی درخت اور پودوں سے اب بازار اور خریداری، گاہک، تاجر اور سودے کا ذکر ہے۔ یہاں بھی ہر شے چونکہ صفات الٰہیہ کی تجلیات سے اپنا وجود مستعار لے رہی ہے اس لیے فرمایا گیا ہے کہیں گاہک بن کر خریداری کرنے آ رہا ہے اور مال بھی رنگ ظہور ہے گویا خود ہی گاہک خود ہی سودا اور خود ہی اس کا بھاؤ تاؤ کر رہا ہے۔ کہیں دُکاندار بن کر دُکان کے اندر بیٹھا ہے اور کہیں بیوپاری بن کر مال خریدنے آ رہا ہے۔ تاجر کے روپ میں ظاہر ہو کر مال تجارت کہیں سے خرید کر لا رہا ہے اور کہیں لا کر بیچ رہا ہے۔ کہیں سودا بن کر خود ہی بک رہا ہے اور کہیں تاجر بن کر سودا بیچ کر گھر آ رہا ہے۔ رنگہائے ظہور میں عجیب تنوع ہے اور یہی تنوع حسن کائنات کو نہ صرف قائم رکھتا ہے اور بلکہ نظم کائنات کی بنیاد بھی ہے۔ کہیں ٹھاکر اور سیٹھ بن کر نقد خرید رہا ہے، دوسرا مفلس اور نادار بھیک مانگ رہا ہے۔ پھر مال تجارت میں بھی تنوع ہے، کہیں اتنا سستا کہ ٹکے سیر بکتا ہے اور کہیں اتنا مہنگا کہ ہاتھ نہ رکھنے دے۔

یہ سب گرم بازاری یہ سب رونقیں، بس ایک ہی ذات رحمٰن ورحیم کی صفات کے جلوے ہیں۔ اُسی ذات سے یہ سب صدور ہو رہا ہے۔ وہی خود ہی گاہک ہے خود ہی پھل پھول ہے اور خود ہی گویا جنم لے رہا ہے۔ یہاں تو ہر طرف ایک ہی ذات حق کی شانوں کا ظہور ہے۔ یہ کثرت ایک ہی وحدت سے نکلی ہے یہاں کوئی ثنویت نہیں ہے۔

بند نمبر ۳۶

یہ گت میٹھی داکھ چھوہارا چاکھے کنہے نہ سب جگ ہارا؟
گت اپار کو پار نہ لہیئے پار پار ہے جہاں لو جیئے
یہ گت تپ سی منی نہ پائی سدھ سادھو سب تھاکے بھائی
یا گت کو کچھو کھوج نہ پایا کھوجت کھوجت جنم گنوایا
گت پھل مہا سہاونا ات انوپ بہو دور
سینساری کیسے لہے رکھ چاٹت ہے دُھوڑ

فرہنگ

کنہے: کی وجہ سے، اپار: بے کنار، ناممکن العبور، پار: کنارا، لہیئے: سمجھے، تپ سی: تپسی، تپسیا، خالص عبادت گذار۔ جیئے: چلا جائے، جہاں لو: جہاں تک چلے جاؤ، مُنی: درویش عارف، معرفت کا حاصل، تپ سی: عبادت کرنے والا، سدھ سادھو: کامل درویش، پھل: ثمر، نتیجہ، رُکھ: ولی، عابد، زاہد، دُھوڑ: مٹی، لہے: سمجھے، انوپ، انوپم: انوکھا، بے مثال۔

ترجمہ

انگوروں کی بیل اور چھوہارے، ظہور حق کی یہ شان بہت میٹھی ہے۔ (کیا یہ حقیقت نہیں؟) کہ سارا جگ انگور اور چھوہارے چکھے بغیر نہ رہ سکا۔

اللہ تعالیٰ کے ظہور کی شانیں بے حد اور ناپیدا کنار ہیں انہیں پیدا کنار یعنی معلوم کی حدیں نہیں پا سکتیں۔ فکر انسانی جہاں تک بھی پہنچ جائے۔ (ناقابل عبور، قابل عبور نہیں بنتا)۔

شان ظہور حق کی گہرائی اور گیرائی، کسی عبادت گزار اور کسی عارف کامل کو حاصل نہ ہوسکی۔ یہاں تو سب کامل درویش (کوشش کر کے) تھک ہار چکے ہیں۔

ظہور حق کی شانوں کی حقیقت کا کسی کو کچھ نشان نہ مل سکا۔ بہت سارے (عارفین اور سالکین) حقیقت ظہور کو تلاش کرتے کرتے اپنی زندگیاں ہار گئے۔ (مگر کچھ پتہ نہ چل سکا)

ظہور حق کی یہ شانوں کا پھل بہت دلکش اور خوبصورت ہے۔ ان بے مثال (شانوں کی حقیقت کو سمجھنا) بہت دور کی بات ہے۔ (ان شانوں کو) دنیا دار کیسے سمجھیں، یہاں تو بڑے بڑے زاہد و عالم خاک چاٹتے پھر رہے ہیں۔

تشریح

حق تعالیٰ کی شانوں کے ظہور کے بیان کا ایک نہایت ہی دلچسپ اور انوکھا رنگ، تخلیق کائنات میں شان ربوبیت کا رنگ، جہان میں حقیقی ہستی ذات حق تعالیٰ کی ہے اور جتنے شیون و اعتبارات (اشیائے موجودات) ہیں وہ ذات حق کی صفات کے رنگ اور شانیں ہیں جن کے لباس میں ذات حق تعالیٰ نے اپنے آپ کو ظاہر کیا ہے اور جس طریقے سے اس نے اپنے آپ کو ظاہر کیا ہے اسے افعال و آثار کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی شانوں کو مظاہرِ کائنات میں ظاہر کیا ہے۔

تخلیق کائنات میں اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کی صفت رحمانیت کارفرما ہے۔ اس کارگہِ موت و حیات میں ہر ہر ذرے کو اس کی رحمانیت نے اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے۔ جیسا کہ خود فرمایا ہے:

وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (سورۃ الاعراف: آیت ۱۵۶)

ترجمہ: ''اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے میں لیے ہوئے ہے۔''

چونکہ ہر شے کا صدور ذات حق تعالیٰ سے ہے اور اسی کی شانوں کے مختلف رنگ ہیں موجودات میں۔ لہٰذا ظہور حق کی ہر شان رحمت و محبت کی چاشنی اپنے اندر لیے ہوئے

ہے جس سے موجودات کی ہر شے مستفیض ہو رہی ہے۔ گویا یہ ایسی مٹھاس اور چاشنی ہے جسے چکھے بغیر اس کائنات میں کوئی شے نہ رہ سکی۔ انگور اور چھوہارے تو اس مٹھاس کا مظہر ہیں مگر یہ مٹھاس ہر ذرۂ موجودات میں مؤثر ہے، جاری وساری ہے۔

ذات و اسماء وصفات و افعال الٰہی کا کسی پر پھینکا جانا تجلی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ لغت میں تجلی، ظاہر کرنے اور ظاہر ہونے کو کہتے ہیں۔ ذات مطلق کا اظہار لباس تعین میں ہی ممکن ہے۔ لباس تعین کا نام ہی تجلی ہے۔ ہر وہ شان اور وہ کیفیت ہر وہ حالت جس میں باری تعالیٰ کا یا اس کی کسی صفت یا اس کے کسی فعل کا اظہار ہو تجلی ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کے ظہور کی شانیں لا انتہا ہیں۔ لہٰذا تجلیات بھی متعدد اور خارج از حدودِ حصر ہیں۔ ہر فرد پر اس کی استعداد کے مطابق جداگانہ تجلیات ہوتی ہیں جو تجلی ایک فرد پر ایک مرتبہ ہوتی ہے وہ پھر دوبارہ اس پر یا کسی اور پر نہیں ہوتی۔ تجلیات میں تکرار نہیں، ہر دم، ہر لحظہ وہ نئی آن میں متجلی ہوتا رہتا ہے جیسے اس کی ذات لامتناہی ہے ویسے ہی اس کی تجلیات کا بھی نئی نئی شان میں وارد ہونا کوئی انتہا نہیں رکھتا۔ (۳۸) (الٰہیات، تصوف، علم الکلام ص ۸۵)

چنانچہ ظہور حق کی لامتناہیت کی حدود فکر انسانی سے وراء ہیں۔ یہ حدودِ حصر میں نہیں آ سکتی۔ غور و فکر کی جتنی چاہو کمندیں ڈالو یہ شانیں ورائے فکر ہی رہیں گی۔

فکر کے گھوڑے دوڑانے والے فلاسفہ اور من کی دنیا میں جھانکنے والے درویش سب اس میدان میں کوشش کر کے تھک ہار چکے ہیں مگر اس لامحدود کی حد معرفت کا کوئی کنارا نہ ملا۔

اس ذات رحمٰن و رحیم نے اپنی ربوبیت کی عظیم الشان مثال بنا دی ہے۔ یہ کارگہِ خلق، جہاں ہر طرف اعتدال و مناسبت کی کارفرمائی ہے۔ یہ کائنات اس مرقعہ حسن و جمال کی حسین ترین کاوش ہے جو ہر نقص اور بدصورتی سے کوسوں دور ہے۔ قرآن کریم خود اس بات کا دعویٰ کر رہا ہے:

الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ۝ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّ هُوَ حَسِيْرٌ ۝

(سورۃ الملک: آیت ۳-۴)

ترجمہ: ''جس نے سات آسمان طبق در طبق پیدا کیے تو خدا کی اس صنعت میں کوئی خلل نہ دیکھے گا۔ سو تو (اب کی بار) پھر نگاہ ڈال کر دیکھ لے کہیں تجھ کو کوئی خلل نظر آتا ہے؟ پھر بار بار نگاہ ڈال کر دیکھ (آخرکار) نگاہ ذلیل اور درماندہ ہو کر تیری طرف لوٹ آئے گی۔''

کارگہ ظہور حق لامتناہی ہے ناپیدا کنار ہے اسے محدود فکری صلاحیتوں کا حامل کیسے کھوج سکتا ہے۔ بے شمار فکر کرنے، غور کرنے والے اپنی زندگیاں اس میں کھپا گئے مگر نتیجہ نہ پا سکے۔

وہ ذات جس کے اسماء و صفات لامتناہی ہیں اس نے اپنی ذات پر ظہور و تعین کا لباس اوڑھ رکھا ہے اور خود کو حجابات ظلمت و نور میں چھپا رکھا ہے۔ انسان اسماء و صفات حق کے ادراک میں کتنا بھی زور لگا لے وہ حق تعالیٰ کو ایسا ادراک نہیں کر سکتا جیسا حق تعالیٰ خود اپنے آپ کو کر رہا ہے۔ ممکن اور حادث کبھی ذات حق کا ادراک نہ کر سکے گا۔ حق تعالیٰ وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے اور رہے گا۔ اس گھاٹی کو بڑے زہاد اور عابد سر نہ کر سکے وہ اس میدان میں ڈھول پھانکتے پھرتے ہیں، بیچارے دنیادار یہاں کیا دم مار سکتے ہیں؟

بند نمبر ۳۷

کہوں کھر بوجا لگا ہدوانا کہوں کھات سبھ کاٹ سرانا
کہوں ککڑی بینگن ہو لاگا کہوں رکھوار ہونس دن جاگا
کہوں کھیرا کیوں بھیا کریلا کہوں سبھے کہوں آپ اکیلا
کہوں کچا لو امرقند ہوئی آپ آپ سبھ اور نہ کوئی
کہوں بیلی کہوں پھول ہے کہوں ہوت پھلہار
بھیکھ نہ بوجھے تل رتی اوبہت گت کرتار

فرہنگ

سرانا: ٹھنڈا کرنا، رکھوار: رکھوالا، نس دن: ہر روز، امرقند: شکرقندی، پھلہار: پھل، اوبہت: دشوارگزار، ناقابل غور، کرتار: صانع، خالق۔

ترجمہ

کہیں خربوزہ اُگا ہوا ہے اور کہیں تربوز ہے اور کہیں انہیں کاٹ کر ٹھنڈا کر کے کھاتا ہے۔

کہیں ککڑیاں اور بینگن کا روپ ہے، کہیں (خود ہی) ان کا رکھوالا بن کر دن رات جاگ کر (پہرہ دیتا ہے)

کہیں کھیرا ہے اور کہیں کریلے کا روپ ہے، کہیں موجودات کے لباس میں سب کے ساتھ ہے اور کہیں اپنی ذات میں خود اکیلا ہے۔

کہیں کچالو اور شکرقندی کی شکل میں ہے۔ غرض سب کچھ آپ ہی آپ ہے اور دوسرا کوئی نہیں۔

کہیں بیل ہے کہیں پھول ہے اور کہیں پھل ہے۔ بھیکھ کو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ خالق کائنات کی شانیں اس قدر ہیں کہ سمجھ میں آنے والی نہیں۔

تشریح

موجودات میں ظہورِ حق تعالیٰ کی شانوں کے کچھ مزید رنگ بیان ہورہے ہیں۔ مختلف پھلوں، سبزیوں اور پھولوں میں حسنِ ظہور، کہیں خربوزہ اور تربوز کا روپ ہے اور کہیں ان پھلوں کو کاٹ کاٹ کر ٹھنڈا کر کے کھانے والے اور اس خوراک پر گزر بسر کرنے والے کا روپ ہے۔ کہیں ککڑی اور بینگن کی شکل ہے اور کہیں رکھوالا بن کر دن رات اس کی خبر گیری اور رکھوالی میں لگا ہے، کہیں کدو ہے، کہیں کریلے کا روپ ہے۔ موجودات کے لباس میں سب کے ساتھ ہے اور اپنی ذات میں ایسا اکیلا کہ غور و فکر کی تمام گہرائی اور گیرائی اُسے پانے اور سمجھنے میں ناکام ہے۔ ذاتِ یکتائے حق تعالیٰ کا ادراک اس کے غیر کے لیے قطعی ناممکن اور ممتنع ہے۔ اسماء وصفات کے واسطے سے ادراک بھی مدرک کی استطاعت اور قابلیت کے مطابق ہوگا۔ مگر ذات حق جیسا کہ حق تعالیٰ کے لیے مدرک ہے وہ کسی غیر حق کے لیے ہمیشہ وراء الوراء ثم وراء الوراء رہے گی۔

کچھ مزید رنگوں کا ذکر ہورہا ہے۔ کہیں کچالو ہے کہیں شکر قندی ہے، کہیں بیل ہے کہیں پھول ہے اور کہیں پھل ہیں۔ یہ سب موجودات کے رنگ ہیں جن کی حقیقت سوائے حق تعالیٰ کے اور کچھ نہیں۔ یہ وحدت سے کثرت موجودات اور رنگہائے صفات سے ذات حق تعالیٰ تک کا سفر اس قدر مشکل اور پر پیچ ہے کہ بھیکھ جیسے جنہیں رتی اور تل جتنی سمجھ نہیں وہ اس صنعت اصدار وجود کو کیسے جان لیں۔ عقل انسانی عالم شہادت میں کارفرما ہے جہاں اسماء وصفات حق کی تمام موجودات میں جلوہ گری ہے۔ چنانچہ عرفان حق باعتبار اسماء وصفات بقدر استعدادِ مُدرِک ممکن ہے اور یہ بھی علم حصولی سے نہیں علم حضوری سے ممکن ہے۔ جیسا کہ حضرت بابا ذہین شاہ تاجی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح فصوص الحکم میں فرمایا ہے۔

کشف وشہود، علم وذوق کا دائرہ عرفانِ صفاتی تک محدود ہے اور بس۔ (۳۹)

(شرح فصوص الحکم، تنبیہات وتشریحات، صفحہ ۴۹)

بند نمبر ۳۸

کہوں تو موٹھ مونگ ہو جیوے　　　کہوں روگی ہو پچھ جو پیوے
کہوں باجرا بھیا جوارا　　　کہوں بھیا چڑی اڈاون ہارا
کہوں روانس ماش ہو آیا　　　کہوں ہو بڑا جو آپ تلایا
کہوں گیہوں ہو بال جولایا　　　چھڑے آپ کو آپ پسایا
کہوں چنا ہو پھولے گھنا　　　کہوں بونٹ کہوں ہولا بنا
ساٹھی مونجی دھولوا جھنوا بہت نبان
سہس نام سنسار پے مول ایک ہے دھان

فرہنگ

روانس: رواں کی پھلی، بال: گندم کی بالی، بونٹ: سبز چنا، چھولیا، ہولا: کچا بھنا چھولیا (پنجابی، ہولاں)، ساٹھی: چاولوں کی ایک قسم، مونجی: مونج جس سے رسی بنتی ہے، بغیر چھڑے چاول، دھولوا: چاولوں کی ایک قسم، جھنوا: چاولوں کی ایک قسم، سہس: ایک ہزار۔

ترجمہ

کہیں موٹھ اور مونگ کی شکل میں ظاہر ہے اور کہیں بیمار پڑا ہے اور چاولوں کی پچھ پیتا ہے۔ (علاج کے لیے)

کہیں باجرا اور جوار کی شکل ہے اور کہیں (خود ہی ان فصلوں پر آنے والی) چڑیوں کو اُڑانے والا بنا ہوا ہے۔

کہیں رواں کی پھلیوں اور کہیں ماش کی شکل میں ظاہر ہے۔ کہیں (دالوں سے) بڑا بن کر اپنے آپ کو (تیل میں) تلا رہا ہے۔

کہیں گیہوں کا پودا بن کر او پر سٹا (بال) بنا ہے اور پھر گندم کو چھڑ کر خود ہی پسوا بھی رہا ہے۔

کہیں (چنا جب بھونا جاتا ہے) تو بہت پھول جاتا ہے (کھِیل بن جاتا ہے) اور کہیں سبز چھولیا (آگ پر سینکنے کے بعد) ہولان یعنی کچا بھنا ہو جاتا ہے۔(جسے شوق سے کھایا جاتا ہے)

کہیں (چاولوں کی مختلف قسموں) ساٹھی، مونجی، دھولوا، جھنوان کی شکلوں میں ظاہر ہے۔ دنیا نے ہزار نام رکھ چھوڑے ہیں مگر اصل میں تو چاول (دھان) ہی ہے۔

تشریح

موجودات میں اجناس کی مختلف شکلوں کا ذکر ہے، کہیں موٹھ اور مونگ ہیں، کہیں باجرا اور جوار ہے، کہیں رواں کی پھلیوں کا روپ ہے اور کہیں ماش کی شکل ہے۔ دالوں سے مختلف کھانے کی شکلیں بنتی ہیں، بڑے بنتے ہیں۔ ان اجناس میں ظہور بھی ذات حق کا ہی ہے اور پھر رکھوالا بن کر ان فصلوں سے چڑیوں اور پرندوں کو اُڑانے والے کا روپ بھی اسی کا ظہور ہے۔ کہیں ماش ہے اور کہیں بڑے کا روپ ہے جسے تیل میں تلا جا رہا ہے، خود ہی گیہوں کی بال ہے۔ خود ہی اُسے چھڑتا ہے اور خود ہی پسواتا ہے۔ ہر رنگ ظہور جس سے جہان حیات رواں دواں ہے اسی ذات کریم کا ہے۔ چنے کے مختلف روپ ہیں، کہیں چنا دال بنتا ہے اور کہیں سبز چھولیا ہے جسے آگ پر سینک کر ہولان بناتے ہیں اور کھاتے ہیں۔

چاول کی بے شمار اقسام ہیں: دنیا نے ہزاروں نام دے رکھے ہیں مگر اصل میں دھان ہی ہے۔ اس کے روپ اور شکلیں مختلف ہیں۔ غرضیکہ عالم شہادت میں تمام آثار و موجودات اسماء و صفات الٰہیہ کی کاریگری ہے۔ وجودِ حق تمام موجودات کا سرچشمہ ہے اور تمام کائنات اس کے فیضان کا ظہور ہے۔ وجود ایک ہی ہے۔ رنگہائے صفات بے شمار اور لباس تعین میں ظہور لاتعداد۔

بند نمبر ۳۹

کہوں تو کاٹ پیاج پکاوے   کہوں کو پھانک پھانک کر کھاوے
کہوں پھول ہو بالک برماوے   ہو برتی پھلہار جو کھاوے
کہوں بھیا آپے ان کا داتا   کہوں روٹی کہوں بھیا جو کھاتا
کھان ہار ہو جو کوئی آوے   کہوں کھانے کے سنگ نجاوے
کہوں کھاوے اوگن چیت دھرے   کہوں کھائے سمرن نت کرے

ترکاری بیوپار ہے کہوں ہے کھانے ہار
ان کہوں آپے بھیا پران مول آدھار

فرہنگ

برماوے: بہلائے، بالک: بچہ، سمرن: ذکر، اوگن: گناہ، فسق و فجور، آدھار: سہارا، خوراک، پران: سانس، روح، جان، مول: بنیاد، اصل۔ کھان ہار: کھانے والا (مہمان)۔

ترجمہ

کہیں پیاز کاٹ کر (سالن) پکاتا ہے اور کہیں اس کی پھانکیں کاٹ کر کھاتا ہے۔ کہیں پھل کے بھیس میں بچوں کو بہلاتا ہے اور کہیں روزہ دار بن کر پھلوں سے روزہ افطار کرتا ہے۔

کہیں روزی دینے والا ہے، کہیں خود روٹی (رزق) ہے اور کہیں خود رزق کھانے والا ہے۔

کہیں کھانے والا (مہمان) بن کر آ جاتا ہے اور کہیں کھانے کے نزدیک نہیں جاتا۔

کہیں رزق کھا کر برے کام کرتا ہے اور کہیں رزق کھا کر ہر وقت اللہ کا ذکر کرتا ہے۔

کہیں ترکاری کا بیوپاری بنا ہوا ہے اور کہیں اُسے کھانے والا ہے۔ کہیں خود ہی رزق بنا ہوا ہے جو جان کو باقی رکھنے کا سہارا ہے۔

تشریح

اشیائے خورد و نوش کے متعلق رنگہائے ظہور کا مزید بیان ہے۔

کہیں پیاز کا سالن پکانے والے کا روپ ہے اور کہیں اُسے پھانک پھانک کاٹ کر کھانے والے کی شکل میں ظاہر ہے۔ پھلوں میں ظہور لے رہا ہے جس سے بچے بہل جاتے ہیں اور روزہ دار اس سے روزہ افطار کرتے ہیں۔ کہیں خود رزق دینے والا هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ (سورۃ الذاریات: آیت ۵۸) ہے۔ کہیں خود ہی رزق کے روپ میں ہے اور کہیں اسے کھانے والے کے رنگ میں۔ کھانا کھانے والوں کا ایک روپ یہ ہے کہ ادھر اُدھر مانگتے پھریں اور کہیں یہ شان کہ کھانے کے قریب بھی نہ پھٹکیں۔ کہیں یہ شان ہے کہ اُسی کا دیا کھائیں اور اسی کے حکم سے بغاوت کریں، نافرمانی کریں اور گناہ کمائیں۔

اور دوسرا رنگ یہ ہے کہ اس کا رزق کھا کر اسی کی حمد کے ترانے دن رات گائیں۔

کہیں ترکاری کا بیوپار کر رہا ہے اور کہیں اُسے کھانے والے کے روپ میں ہے۔ کہیں خود ہی رزق بن کر تارِ حیات کو قائم رکھنے والا ہے۔

گویا عالم شہادت کے ہر ذرے میں صفات الٰہیہ کی تجلیات کا ظہور ہے۔ یعنی صفات الٰہیہ کے عالم اجساد میں کارفرما ہونے کے لیے مادی لباس میں ظہور ضروری ہے۔ اس لیے ہر شے، ہر فرد موجودات ذات حق کی صفات و تجلیات کا مرہون منت ہے۔

بند نمبر ۴۰

کہوں باڑی ہو بھنور جو آیو　　کہوں گنجار مہا اِت لایو
پھول انوپ دیکھ اس باڑی　　کہوں ہو بھنور ہوت بلہاری
اس باڑی امرکھ پھل ہوئی.　　سو پھل چاکھے ناہیں کوئی
جے چاکھے تے سبھ بورائیں　　بدھ بورائی جانہہ سو جائیں
جن چاکھو تن آپ بھلایو　　بھول گیو پھر آپ نہ پایو
یا پھل چاکھے جا کا ہو اور نہ جان
یاہو یاہو من بسے یاہو میں گلتان

فرہنگ

باڑی: پھلواڑی، گنجار: گونجنے والا، انوپ: بے مثال، امرکھ: (امرت)، آب حیات، گلتان: ڈوبا ہوا، کھویا ہوا۔

ترجمہ

کہیں پھولوں کی کیاری کا روپ ہے جس پر بھنورا اپنی گونجدار آواز کے ساتھ منڈلا رہا ہے۔

اس پھلواڑی کے بے مثال پھولوں کو دیکھ کر بھنورا اس پر واری صدقے ہو رہا ہے۔

اس پھلواڑی کا پھل آب حیات ہے جس کو کوئی چکھتا نہیں ہے جو اس پھل کو چکھ لے اس کی سوجھ بوجھ جاتی رہتی ہے اور اپنے ہوش گنوا کر اپنی جان سے بھی جاتا رہتا ہے۔

(اس آب حیات کے پھل کو) جس نے بھی چکھا اُسے اپنے تن کا ہوش نہ رہا وہ ایسا گم ہوا کہ اپنے آپ کو بھی نہ پا سکا۔

یہ پھل جس کسی نے بھی چکھا اُسے کسی اور چیز کی سمجھ بوجھ نہ رہی۔ اس کے من میں تو پھر اللہ ہی اللہ بس گیا اور پھر وہ اسی کی یاد میں ڈوب گیا۔

تشریح

معرفتِ حق آبِ حیات ہے جو حیاتِ دائمی بخشتا ہے۔

اس بند میں دنیا کو نہایت خوبصورت اور بے مثال پھولوں کی کیاری سے تشبیہ دی گئی ہے اور دنیا چاہنے والے بھنورے اپنی پوری گونجدار آوازوں کے ساتھ اس دنیا کی پھلواڑی پر واری نیاری ہوتے پھر رہے ہیں۔ اس دنیا کے ظاہری حسن پر مرمٹے ہیں اور حیاتِ دنیوی کے اصلی مقصود و مطلوب امر سے غافل ہو کر صرف مادی جاہ وجلال اور مال و اقتدار کے حصول میں دن رات کھپ رہے ہیں۔

لیکن اس پھلواڑی کا جو اصل پھل ہے وہ تو حیاتِ دائمی عطا کر دیتا ہے مگر اس طرف کوئی آتا نہیں، اُسے کوئی حاصل کر کے چکھنے کی سعی و کوشش ہی نہیں کرتا۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے:

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ

(سورۃ الملک: آیت ۲)

ترجمہ: ''موت اور زندگی کو پیدا ہی اس لیے کیا گیا ہے کہ تمہیں آزمایا جائے کہ تم میں سے اچھے عمل کون کرتا ہے۔''

انسان اس کائنات کا دولہا ہے۔ زمین پر اللہ کا نائب ہے اس کا مقصدِ حیات یہی ہے کہ وہ یہاں پر زندگی اللہ کے بتائے قاعدے اور قانون کے مطابق گزارے۔ اسی کی محبت اور اسی کا ذکر اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لے۔ اس دنیا میں حق تعالیٰ نے اپنی صفات کی تجلیات سے تمام موجودات کی پھلواڑی لگائی ہے۔ گویا موجودات کا لباس اوڑھ کر اس میں ذاتِ حق چھپ گئی ہے۔ حتیٰ کہ انسان خود بھی صفاتِ الٰہیہ کا مظہرِ تام ہے۔ اسے اس دنیا میں رہ کر ذکر و عبادت اور انتہائے خلوص و محبت سے ذاتِ حق کو تلاش کرنا ہے، اُسے پانا ہے اور اس کی معرفت حاصل کرنا ہے۔ یہی معرفتِ حق اس دنیا کا پھل ہے،

انعام ہے جو آب حیات ہے جس کو پی کر انسان کو انعامات بھری ایسی حیات اخروی نصیب ہو جاتی ہے جس کا اختتام نہیں۔

انسان کا مطلوب و مقصود حیات معرفت حق ہے۔اس کی صفات میں اپنے آپ کو اس طرح رنگنا ہے کہ موجودات کے لباس میں چھپی ذات حق اس پر عیاں ہو جائے۔ وہ ذات حق کے مشاہدہ میں اس قدر کامل ہو جائے کہ ہر طرف نظارہ حق کرے۔اپنی ذات میں اسے حق کا ظہور نظر آئے۔اس مقام پر سالک تجلیات حق میں اس قدر محو ہو جاتا ہے کہ اُسے سب کچھ بھول جاتا ہے۔اپنے تن من میں بھی ذات حق کا ظہور دیکھتا ہے اور پھر اُسے نہ اپنی ذات یاد رہتی ہے نہ کچھ اور۔بس:

جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تو ہے

کا منظر ہوتا ہے۔سیر الی اللہ میں فنا فی اللہ کے مقام سے گزر کر بقاباللہ تک جب سالک پہنچ جاتا ہے تو اس کا ذکر، فکر اور عمل سب رضائے محبوب کے تابع ہو جاتا ہے۔پھر ذات حق ہی اس کے ہاتھ، کان اور پاؤں بن جاتی ہے۔اس کی ہر حرکت، مظہر رضائے محبوب حقیقی ہو جاتی ہے۔گویا معرفتِ حق کا پھل جس نے چکھ لیا اُسے تو آبِ حیات مل گیا اور حق کا ہی ہو گیا۔

بند نمبر ۱۴۱

ہو مالی یہ کھیرت کھیلی | کہوں بھیا باگ کہوں بھیا بیلی
آپے باگ آپے بھیا کیاری | بیل پات پھل پھول سنواری
سبھ بدھ جگت باگ ہو لاگا | لتا بیل ہو چھوں دِس لاگا
یہ گت سادھو اپرم پاری | کہوں داتا کہوں بھیا بھکھاری

چترا مالی ات مہان چترائی کو مول
بھیکھ بیج پچھانیئے یاکو یہ پھل پھول

فرہنگ

کھیرت: کھیل، سبھ بدھ: کل دانش وحکمت (اللہ)، لتا بیل: پھیل جانے والی بیل، دِس (دِش): سمت، طرف، چھوں دِس: چاروں طرف، اپرم پار: لامحدود، بے انتہا، اَت مہان: سب سے بزرگ و برتر، چترائی: ہوشیاری، عقل مندی، کومول: بیش بہا، یاکو: جس کا۔

ترجمہ

(خالق کائنات نے) خود مالی بن کر (تخلیق کا) یہ کھیل رچایا ہے۔ کہیں باغ کا روپ ہے کہیں بیل کا بھیس ہے۔

(موجودات میں شانِ ظہور کے سبب) خود وہی باغ ہے اور خود ہی کیاری ہے۔

(کائنات کے باغ کے) سب بیل بوٹے (اسی نے) سنوارے ہیں۔

(کل حکمت و دانش کے مالک نے اپنی ہی صفات کی تجلیات سے اس کائنات کے باغ کو وجود بخشا) گویا مالک کل حکمت و دانش نے دنیا کے باغ کا روپ لے لیا۔

(اپنے ظہور کے سبب) چاروں طرف پھیل جانے والی بیل بن کر پھیل گیا۔

(موجودات میں ظہور کی) شانیں بہت لامحدود اور بے انتہا ہیں۔ کہیں داتا یعنی رزق دینے والا ہے اور کہیں خود بھیک مانگنے والا بن کر ظاہر ہو رہا ہے۔

کائنات کے باغ کا مالی (خالق) بہت ہوشیار اور بہت بزرگ و برتر ہے جس کی حکمت و دانش مندی بے کنار و بیش بہا ہے جس بیج سے (کائنات کے باغ) کے یہ پھل پھول نکلے ہیں اس بیج کو پہچانو۔

تشریح

مراتب وجود میں مرتبہ خلق عالم اجساد کا ذکر بہت خوبصورت پیرائے میں ہو رہا ہے۔

آئینہ کائنات میں وجود نے مرتبہ ورائے تعین سے پہلا تعین اطلاق میں فرمایا اور اس اطلاق کی نشاندہی وحدت سے فرمائی۔ ذات میں صفات مخفی تھے۔ وحدت میں ذات مخفی ہوئی اور صفات نے ظہور اجمالی کیا۔ وحدت میں ظہور و بطون ہر دو شامل ہیں۔ احدیت بطون ہے، واحدیت ظہور ہے اور وحدت دونوں کے درمیان برزخ جامع و فاصل ہے۔ احدیت سے ذات کی جانب اشارہ ہے اور واحدیت سے صفات کے ظہور علمی اجمالی کی جانب اور تعین اوّل میں احدیت، وحدت اور واحدیت کی شمولیت ہے۔ یہ مراتب، حقّی بھی کہلاتے ہیں۔

تعین اوّل کے اجمال کی تفصیل تعین ثانی میں اس طرح واقع ہوئی کہ پہلے اسماء و صفات کے آثار مفصل طور پر اجزائے عالم میں ظاہر ہوئے۔ پھر ان تفاصیل کا اجمال آدم میں ہوا اور اس طرح تجلی ثانی تکمیل کو پہنچی اور کمال ذاتی کا ظہور پوری شان و شوکت کے ساتھ ذہناً اور خارجاً حاصل ہوا۔

جو کچھ تعین اوّل میں تھا وہی تعین ثانی میں ہے۔ صرف اجمال و تفصیل اور بطون و ظہور کا فرق ہے تعین اوّل میں احدیت، واحدیت اور برزخ (وحدت) ہے جب کہ تعین ثانی میں وحدت، کثرت اور برزخ ہے۔ تعین ثانی میں مرتبہ ذات سے باطن متنفس ظہور میں آیا اور جو کچھ باطن تھا، ظاہر ہوا۔ باطن میں تمیز نہ تھا، ظہور ہوا تو لفظ ظاہر و باطن پیدا ہوئے۔ نفس با اعتبار باطن اوّل تھا اور با اعتبار ظاہر آخر ہوا۔ اطلاق اور تعین اوّل میں جو شیونات

ذاتیہ مخفی تھے انہوں نے تجلی ثانی میں آ کر پہلے حقائق الٰہیہ اور حقائق کونیہ کا امتیاز حاصل کیا۔ بعدازاں انسان میں پہنچ کر حقائق الٰہیہ اور حقائق کونیہ کو جامعیت ملی۔

عالم تفصیل (عالم شہادت) کے جزویات میں سے ہر جزو اسباب و مسببات کے بالترتیب سلسلہ پر سے گزرتا ہوا اسباب اسمائی پر جا کر منتہی ہوتا ہے۔ یہ اسباب اسمائی بلحاظ اپنے مخفی ہونے کے نفس سے مشابہ ہیں۔

حقائق کونیہ اور حقائق انسان کا بھی یہی حال ہے کہ اسباب و مسببات کے سلسلہ پر سے ترتیب وار گزرتے ہوئے اسباب اسمائیہ پر منتہی ہوتے ہیں اور احدیت میں جا کر مخفی ہو جاتے ہیں۔ اس مرتبہ پر اسماء وصفات ذات میں گم ہیں۔ عالم شہادہ (کثرت) جو اسماء و صفات کی تجلیات ہیں ان میں ذات گم ہے۔ (۴۰)

(الٰہیات، تصوف اور علم الکلام ص ۸۱،۸۰ اور سرِّ دلبراں ص ۳۵۴،۵۴۲)

الغرض سب مراتب ظہور کا صدور ذات حق تعالیٰ سے ہوا۔ خواہ وہ مراتب حقی یعنی احدیت، وحدت اور واحدیت ہوں یا مراتب خلقی یعنی عالم ارواح، عالم مثال یا عالم اجساد ہوں۔

درج بالا حقائق و تفصیل کے بعد کلام سمجھنا نہایت آسان ہو جاتا ہے یعنی ذات حق نے مالی کے روپ میں یہ باغ کون و مکان سجایا ہے۔ کہیں خود باغ کا روپ دھارا ہے اور بیل بن کر عیاں ہے۔

باغ بھی اسی ذات کی صفات کی تجلیات ہیں اور باغ کی کیاری بھی اسی کی شانوں کا ظہور ہے۔ اسی ذات حق نے اپنی ربوبیت سے اس جہاں کے گلشن کو آباد کیا اور اس میں پات پھل پھول، بیل بوٹے سب لگا رہا ہے اور انہیں بلکہ کائنات کی ہر شے کو قائم رکھے ہوئے ہے۔

وہی ذات کل حکمت و دانش کی مالک ہے۔اس نے اپنی حکمت بالغہ کے تحت اس کائنات کو وجود بخشا ہے اور اپنے طے شدہ پروگرام کے مطابق اپنی شان ربوبیت کے زیراہتمام اس کارخانہ تخلیق کو اس طرح چلا رہا ہے کہ اس کی پلاننگ ہمیشہ اپنے طے شدہ مقاصد اور اہداف کو پالیتی ہے اور یہ پروگرام ناکامی کے تصور سے قطعی مبرا اور پاک ہے۔ عوالم حقی ہوں یا عوالم تخلیق سب کو ذات حق کے وجود بسیط نے مکمل طور پر گھیرا ہوا ہے۔اس طور پر کہ وہی ظاہر ہے وہی باطن وہی اوّل ہے اور وہی آخر۔ وہ ہرسُو، ہرسمت موجود ہے جیسے کوئی پھیلنے والی بیل کسی ماحول میں ہرسمت پھیل جائے۔تمام عالموں میں ذات حق کے ظہور کی شانیں اس قدر بے انتہا اور حدودِ حصر سے ماوراء ہیں کہ محدود صلاحیتوں کے حامل انسان کو عقلی طور پر ان مراتب کو سمجھنا بہت مشکل ہے۔موجودات کا ہرفرد اس کی تجلیات کا مظہر ہے، کہیں وہ خود ہی داتا بن کر رزق دیتا ہے اور کہیں خود ہی بھکاری بن کر مانگتا ہے۔

یہ کارگہِ تخلیق اس ذات کی عظیم الشان حکمت کا اظہار ہے۔وہ حکمت و دانش جو بے پایاں ہے، بے حدوحساب ہے، انمول ہے۔ چنانچہ ضرورت تو اس بات کی ہے کہ جس بیج سے یہ باغ تخلیق نکلا ہے اس بیج کی معرفت حاصل کی جائے اور انسان کا اس دنیا میں مقصد حیات ہی معرفت حق کا حصول ہے۔اس نے اس باغ عالم کو برپا کر کے اپنے اسماء و صفات کی تجلیات کا مظہر بنا دیا اور اپنی ذات کو اس میں چھپالیا ہے۔حضرت انسان کو اسماء و صفات کی تعلیم بھی اسی خاطر دی گئی تھی کہ موجودات کے لباس میں چھپی ذات کو تلاش کرے، اسے پہچانے اور واصل باللہ کی منزل مقصود پالے۔

بند نمبر ۴۲

بدھ ونتا نکھ سکھ لوسارا　　جس مالی کا یہ بستارا
اِت نیکی کر سانوں کری　　باگ لگاون کی سدھ دھری
ہل پھالی ہور بیل نہ کائی　　سینج سوت چاہے نہیں بھائی
بھیا اپنے کا آپے سیری　　آپے دیت آپ کو ڈھیری
آپے مالی آپ کمیرا　　ہو مالی ہے ستگر میرا
مالی پھالی ہل بنا سینج سوت بن کھیت
اوگھٹ باگ لگائیکے دیا نہ کاہو بھیت

فرہنگ

بدھ ونتا: اعلیٰ ترین حکمت پر مبنی، نکھ سکھ: سر سے پاؤں تک، لَو: تجلی۔ بستارا: پھیلاؤ، کثرت، ظہور، کرسانوں: کسان، سُدھ: خیال، سینج: سینچنا، سُوت: پانی دینا، سیری: ہل چلانے والا، حصے دار، شریک، کمیرا: کھیتوں میں کام کرنے والا مزدور، محنتی، اوگھٹ: مشکل۔

ترجمہ

جس مالی نے اس جہان کو پھیلایا ہے وہ سر سے پاؤں تک نور اور تجلی ہے اور حکمت و دانش کی انتہاؤں کا مالک ہے۔

ایک کسان (کے روپ میں) یہ بھلا کام کیا اور باغ (جہان) لگانے کا منصوبہ بنایا۔

(اس جہان کے باغ کو مالی نے اس طرح لگایا) کہ اُسے ہل، پھالا، پھاوڑا اور (قلم کے لیے) بیل کی ضرورت نہ پڑی۔ اس باغ کو سینچنے کے لیے اُسے کنواں نہیں کھودنا پڑا۔

وہ مالی تو اپنا خود ہی حصے دار ہے اور اپنا حصہ (فصل کا) خود ہی حصہ دار بن کر اپنے آپ کو ہی دے رہا ہے۔

وہ خود ہی باغ کا مالی ہے اور خود ہی باغ میں کام کرنے والا مزدور ہے اور یہی مالی میرا سچا مرشد اور ہادی ہے۔

(وہ ایسا مالی ہے جسے باغ لگانے کے لیے) کسی ہل پھالے اور باغ کو پانی دینے اور سینچنے کی ضرورت نہیں۔ جس مشکل طریقے سے اس نے باغ لگایا ہے اس کا بھید بھی کسی کو نہیں دیا۔

تشریح

پچھلے بند میں تخلیق کائنات میں احسن الخالقین کی کارفرما حکمت بالغہ کے مختلف حسین رنگوں کا ذکر ہوا۔ اس بند میں صفات خالق کائنات کا ذکر ہے کہ جس ذاتِ برحق نے یہ تخلیق بالحق کی ہے وہ سراپا نور، تمام حکمت و دانش کا سرچشمہ ہے۔ کارگہِ تخلیق میں ہر خوبی، ہر خیر اور تمام حسن و زیبائش کی حتمی انتہاؤں کا مالک ہے، وہی احسن الخالقین ہے، وہی مصور ہے اور وہی **حکیم الخبیر** ہے۔ ''عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر'' ہے اس کائنات کا وجود عطا کرنے کے بعد اسے اپنی ربوبیت کاملہ سے پال بھی رہا ہے۔ یہ تخلیق ایک کار عبث نہیں ہے اسے کسی کھیل تماشے کے لیے وجود نہیں بخشا، یہاں ہر چیز بامقصد ہے اور قوانین فطرت کی پابند۔ یہاں قانون مجازات (یعنی جزاء و سزا کے قانون) کی حکمرانی ہے۔ ہر عمل اپنا اثر رکھتا ہے اور ہر سبب اپنا نتیجہ۔ پھر ایک دن جب تخلیق کی یہ بساط لپیٹ دی جائے گی تو پھر ہر فرد کو اپنی بتائی ہوئی دنیوی زندگی اور یہاں کیے اعمال کا حساب دینا ہوگا۔ یہ سب باتیں غور و فکر کرنے والوں کے لیے عقل و فکر کی راہیں کھولتی ہیں اور حکمت و دانش کی دولت کے سزاوار یہی لوگ ہوتے ہیں۔

اس خداوند حکیم و خبیر نے جب اس کائنات کا باغ لگانے کا ارادہ کیا تو اُسے اپنی حکمت بالغہ اور مقصدیت کا بھرپور شاہکار بنایا۔ اس کائنات کے ذرے ذرے سے اسماء و صفات الٰہیہ کی تجلیات کا ظہور ہو رہا ہے۔

دنیا میں باغ لگانے کے لیے مالی کو پھول، پھل، بیج اور بیل کی ضرورت ہے۔ کسان کے لیے ہل اور پھاوڑا درکار ہیں اور فصل کو سینچنے کے لیے کنویں کی ضرورت ہے مگر اس خلاق عظیم کی یہ شان کہ وہ سب احتیاجات سے مبرا ہے۔ وہ تو جب کسی شے کو وجود بخشنے کا ارادہ فرماتا ہے تو اُسے کہتا ہے ''ہو جا'' پس وہ ہو جاتی ہے۔ وہ رزاق عالم ہے اور رزق عطا کرنے پر مکمل قدرت رکھتا ہے۔ وہ رازق بھی خود ہے اور جسے رزق عطا کر رہا ہے وہ بھی مخلوقات میں اسی کی صفات و اسماء کی تجلیات کا ظہور ہے، وہ مالک دو جہاں ہے، رب بن کر پالتا ہے اور کھیتی و کھلیان میں کام کرنے والوں کو وجود بھی خود ہی عطا کرتا ہے۔ گویا مالک بھی خود اور کھیت سے حصہ لینے والا حصہ دار بھی خود، وہ وجود بسیط جو اس کائنات کو گھیرے میں لیے ہوئے ہے جو ہر شے پر چھایا ہوا ہے جس نے ہر شے کو وجود بخشا ہے وہ سچا گرو ہے، وہی مرشد حقیقی ہے۔

یہ اسی کی ذات کریم ہے جو عالم غیب اور عالم شہادت کا مالک ہے جو اس عظیم تخلیق کے لیے کسی اسباب کی محتاج نہیں۔ بس ارادہ فرمایا اور موجودات وجود میں آ گئیں۔ اس کے ارادہ اور اس کے روبعمل ہونے میں کیا تعلق ہے۔ ''کن'' سے ''فیکون'' کیسے ہوتا ہے؟ یہ ایسا بھید ہے جو آج تک کسی کی سمجھ میں نہ آ سکا۔

حق سبحانہ تعالیٰ کی ابداع اور خلق کی شانیں سمجھنا بہت مشکل ہے۔ ہم ''ارمغانِ شاہ ولی اللہ'' سے ایک اقتباس درج کرتے ہیں جس سے ''اوگھٹ باغ لگائیکے دیا نہ کاہو بھیت'' پر کسی حد تک روشنی ڈال سکیں گے۔

''کائنات کی کثرت پر غور کرنے کے بعد عقل اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ ایک نفس کلیہ یا جنس الاجناس ہے جس سے ساری موجودات کا سرچشمہ پھوٹتا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب کے نزدیک یہ نفس کُلیّہ ''بطریق ابداع'' نہ کہ بذریعہ خلق ذاتِ حق سے صادر ہوا ہے۔ ابداع سے مراد مادہ کے بغیر عدم سے وجود کا صدور ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوا کہ ذاتِ

حق اس عالم سے ماوراء ہے۔ شاہ صاحب نے اپنی تصنیفات، بدورِ بازغہ، تفہیمات اور الطاف القدس میں اس طریق ابداع پر بحث کی ہے۔ فرماتے ہیں مُبدِ ع یعنی جس سے اِبداع کا عمل صادر ہوا اور مُبدَ ع جو ابداع کے عمل کا نتیجہ ہے ان دونوں میں جو نسبت ہے اس کی مثال عالم مادی سے نہیں دی جاسکتی ہے۔ بے شک نفس کلیہ اور ذات باری تعالیٰ دوسرے لفظوں میں مُبدِ ع اور مبدَ ع میں ایک طرح کی وحدت پائی جاتی ہے مگر وہ وحدت حقیقی نہیں۔ انسانی عقل نفس کلیہ تک تو پہنچ جاتی ہے اور موجودات کی کثرت کو ایک نقطے پر جمع بھی کر لیتی ہے لیکن اس سے آگے اس کی پرواز نہیں۔ چنانچہ نفس کلیہ اور ذاتِ الٰہی کے درمیان جو نسبت ہے اور جسے شاہ صاحب نے ''ابداع'' سے تعبیر کیا ہے، عقل اس کے احاطے سے یکسر عاجز ہے اور وہ مُبدِ ع اور مبدَ ع کے درمیان کسی قسم کا امتیاز قائم کرنے پر قادر نہیں اس لیے بعض دفعہ مُبدَ ع اور مُبدِ ع یا ذاتِ الٰہی اور نفس کلیہ پر مجازاً وحدت یعنی باہم ایک ہونے کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

غرض کائنات کی ہر چیز ایک اعتبار سے نفس کلیہ کی عین ہے اور صوفیاء اسی کے لیے بحر اور موج کی مثال دیتے ہیں لیکن اس سے اوپر نفس کلیہ سے لے کر واجب الوجود تک جو منزل ہے اس کی کیفیت معلوم کرنا عقل کے بس کی بات نہیں۔ یہ مقام چونکہ عقل کے احاطے سے خارج ہے اس لیے اس کی تعبیر میں ہر قسم کے مشتبہ الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔'' (۴۱) (ارمغانِ شاہ ولی اللہ، از پروفیسر محمد سرور، صفحہ ۲۴۴۔۲۴۵)

بند نمبر ۴۳

جن مالی جگ باگ لگایا	چھوں کیاری کا بیج جمایا
کہوں بیج اُنگر ہو آیا	انگ بھیو کہنوں نہیں پایا
انگر آپے بھوم سیں جاگے	میں تو لائے تو ساکھا لاگے
دو ساکھا کا یہ بستارا	جہاں لو ویسے سبھ سنسارا
سبھ سیں نیڑے سب سے دورا	سو انگر ہو آپ انگورا

بہہ رنگی سبھ رنگ مانہہ بھیکھ رہو بھرپور
گھٹ گھٹ میں انگریو کہاں بتاؤں دور

فرہنگ

چھوں کیاری: چا کیاریاں مراد چاروں سمت، مشرق، مغرب، شمال، جنوب گویا ہر طرف، اُنگر: (اَنکُر) بیج بونے کے بعد پہلے پہل جو اکھوا نکلتا ہے۔ انگورنا: گرم کرنا، خبر لینا، بھید: راز، بھوم: زمین، لائے: لیے، واسطے، بستارا: پھیلاؤ، پسارا، دِیسے: دِکھتا ہے، معلوم ہوتا ہے، تو: پرتو، تجلی، گھٹ گھٹ: ہر بدن، ہر دل، انگریو: پھوٹا ہوا ہے، ظہور پذیر ہے۔

ترجمہ

جس مالی نے (خالق نے) باغ جہاں تخلیق کیا تو چاروں کیاریوں میں (چاروں اطراف میں) اس کا بیج بو دیا۔ (پھیلا دیا)

کہیں (بویا ہوا) بیج اکھوا (شاخ) بن کر (زمین سے) نکلا ہے۔ بیج سے انگر (اکھوا، نال) کیسے بنتا ہے یہ بھید کسی کو معلوم نہیں۔

بیج (اکھوا، نال) کا روپ دھار کر زمین سے اُبھرتا ہے اور میرے تیرے لیے تو یہ دو شاخہ ہے جو بیج سے نکلا ہے۔ (اس عمل کے پیچھے قدرت کا جو نظام ہے اس کا پتہ نہیں)

بیج سے انگر، دوشاخہ نکلا اور اسی انگر کا یہ پھیلاؤ ہے جس سے جہان منور معلوم ہوتا ہے۔(جہاں تک اس کائنات کا پھیلاؤ نظر آتا ہے)

(اس باغ کا مالی جس نے موجودات کا بیج بویا ہے) وہ سب سے زیادہ نزدیک اور سب سے زیادہ دور بھی ہے۔ بیج بنا ہوا انگر بھی خود ہے (اسی کا ظہور ہے) اور وہ اس انگر کا رکھوالا بھی ہے۔

(اس باغ کے مالی کی شانوں کی کثرت) یعنی لاتعداد شانوں کے ساتھ ہر رنگ (موجودات کے ہر رنگ) میں موجود ہے۔ اے بھیکھ! ان رنگوں (اللہ تعالیٰ کی شانوں) کی تجلیات سے بھرپور رہو یعنی معمور رہو۔

اس باغ کے مالی کی شان تو یہ ہے کہ ہر ہر روح اور ہر ہر قلب میں اس کا ٹھکانہ ہے اسے دور کیسے سمجھا جائے۔

تشریح

پچھلے تین بند یعنی بند نمبر ۴۱، ۴۲ اور ۴۳ میں مراتبِ وجود (مراتب حقی اور مراتب خلقی) کا ذکر ہے۔ (دیکھئے شرح بند نمبر ۴۱) وہ صورِ علمیہ اور صورِ معانی جو کہ علم الٰہی میں موجود تھے قبل ابداع و تخلیق عالم غیب اور عالم شہادہ کے۔ جب ارادۂ الٰہی ان کے ظہور کا ہوا تو ایک کلمہ ''کن'' ارشاد ہوا جس کے جواب میں شجرۃ الکون وجود میں آ گیا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے:

اِنَّمَآ اَمۡرُهٗۤ اِذَآ اَرَادَ شَیۡـًٔا اَنۡ یَّقُوۡلَ لَهٗ كُنۡ فَیَكُوۡنُ ﴿۸۲﴾

(سورۃ یٰسین: آیت ۸۲)

ترجمہ: پس اس کا معمول یہ ہے کہ جب کسی شے کا ارادہ کرتا ہے تو اُسے کہتا ہے ''ہو جا'' پس وہ ''ہو جاتی ہے۔''

پس ارادۂ الٰہی (جس سے مراد تجلی ذات برائے ایجاد معدوم ہے) کو حرکت کلمہ کن نے دی ہے۔ شجرۃ الکون کی جڑ دانہ کن سے پیدا ہوئی جس سے عالم غیب والشہادہ کا ظہور ہوا۔

حق تعالیٰ نے سب سے پہلا تنزل حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں فرمایا۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِی'' (یعنی پہلی چیز جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ میرا نور ہے) اور نیز فرمایا:

''کُنْتُ نَبِیًّا وَّ آدَمُ بَیْنَ الْمَآءِ وَالطِّیْنِ''

میں اس وقت بھی نبی تھا جب ابھی آدم علیہ السلام مٹی اور پانی میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کل موجودات سے اسبق اور کل مخلوقات سے اکمل ہیں۔ بلحاظ تخلیق کے آپ اوّل ہیں اور بلحاظ ظہور کے آپ آخر ہیں۔ بلحاظ حقیقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم خلق اوّل، تعینِ اوّل، برزخ کبریٰ اور رابطہ بین الظہور والبطون ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کا وہ نور ہیں جو سب سے پہلے چمکا اور جس سے تمام کائنات کی تخلیق ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اصل ہیں جملہ کائنات کی۔ آپ خلاصۃ الوجودات ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانِ عالم ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اجمال ہیں ان اسماء و صفات کا جن کا ظہور تفصیلی کائنات میں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی عقل اوّل ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی نورِ نبوت ہیں، آپ ہی حقیقت ہیں آدم علیہ السلام کی اور آپ ہی اصل ہیں جملہ انبیاء علیہم السلام کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا وہ نور ہیں جو اسماء و صفات کے ظہور سے پہلے درخشاں ہوا۔ زمان و مکان کے پیدا ہونے سے پہلے چمکا۔ چنانچہ اسی نور سے عالم روحانی کا ابداع ہوا اور عالم جسمانی کی تخلیق ہوئی۔ اسی نور سے عرش و کرسی اور لوح و قلم کو قیام ملا۔ اسی نور سے چاند اور سورج روشن ہوئے۔ آسمانوں کو ستاروں سے زینت بخشی۔ اسی نور سے زمین آباد ہوئی۔ (۴۲) (سرِ دلبراں: ص ۳۶۔۳۷)

کلمہ کن کی غایت

انسانِ کامل تمام موجودات کا خلاصہ ہے باعتبار اپنی روح کے ''اُم الکتاب'' ہے۔ باعتبار قلب کے ''لوح محفوظ'' ہے۔ باعتبار اپنے نفس کے ''محو و اثبات'' کی کتاب ہے۔ انسانِ کامل ہی صحیفہ مکرمہ ہے اور یہی وہ کتاب مطہر ہے جس سے کوئی چیز نہیں چھوٹی، اس کے اسرار و معانی کو سوائے ان لوگوں کے جو حجابات طلسماتی سے پاک ہیں کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔

جو نسبت عقل اوّل کو عالم کبیر اور اس کے حقائق سے ہے وہی نسبت روح انسانی کو بدن انسانی اور قوائے انسانی سے ہے۔ نفس کلی عالم کبیر کا قلب ہے اور نفس ناطقہ عالم صغیر یعنی انسان کا قلب ہے اور اسی انسان پر کتاب عالم ختم ہوئی اور یہی انسان کلمہ کن کی غایت تھا۔ (۴۳) (سرِ دلبراں: ص ۲۹۳)

صوفی خادم حسین رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب کنز العارفین شرح مرأت العارفین کے صفحہ ۱۶۹ پر فرماتے ہیں:

''تمام عالم اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہے اور حضرت انسان اللہ تعالیٰ کی ذات کا مظہر ہے۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں فرمایا گیا ہے: ''وَمَا ظَهَرْتُ تَظْهُوْرِیْ فِی الْاِنْسَانِ'' (نہیں ظاہر ہوا میں کسی چیز میں جیسا ظاہر ہوا میں انسان میں) اگرچہ شجرۃ الکون میرا ہی ظہور ہے لیکن شجر کا مقصود ثمر ہے اور وہ حضرت انسان ہے اور ثمر ہمیشہ بیج کی شکل پر ہوتا ہے۔'' (۴۴)

چنانچہ ارادہ الٰہی وہ بیج ہے جن کے ظہور کا باعث امر کن ہے اور امر کن کی غایت جیسا کہ اوپر بیان ہوا حضرت انسان ہے جو شجرۃ الکون کا ثمر ہے۔

شرح کلام

اب آتے ہیں شرح کلام کی طرف:

ذاتِ حق نے کائنات کے باغ کو تخلیق کیا تو چاروں اطراف کو تخلیق کر کے موجودات کی کثرت کو ظہور عطا کیا۔ حق تعالیٰ نے اپنی صور علمیہ یعنی اعیان ثابتہ کو اپنے کلمہ کن سے ظہور بخشا تو پہلے نور حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظاہر ہوا۔ یعنی ارادۂ الٰہی کے بیج سے جو اُنگر نکلا وہ نور حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھا، پھر اس نور سے اسماء و صفات اور عالم غیب کو بطریق ابداع ظہور عطا ہوا۔ جیسا کہ پہلے بند میں بیان ہوا۔ حق تعالیٰ سے ابداع کے ظہور پر مُبدَع کا جو ظہور ہوا اس کا احاطہ عقل انسانی سے وراء ہے۔ مُبدِع اور مُبدَع میں کیا تعلق ہے عقل انسانی اس کے احاطہ سے عاجز ہے۔ چنانچہ بیج سے اُنگر کیسے وجود میں آیا یہ بطور ابداع ذاتِ حق سے صدور ہے جس کا بیان ممکن نہیں اور یہ بھید کسی پر نہیں کھلا۔

اسی کو کہا ہے کہ انگر بھید کنہوں نہیں پایا۔

انگر آپے بھوم سیں جاگے   میں تو لائے ساکھا لاگے
دو ساکھا کا یہ بستارا   جہاں لَو دِیسے سبھ سنسارا

صور علمیہ حق نے جب ارادۂ الٰہی کے بیج سے کلمہ کن کے ذریعے ظہور پکڑا تو پہلے نور حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظاہر ہوا۔ پھر عالم غیب والشہادہ کو نور حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیضان سے ظہور عطا ہوا۔ یعنی میرے اور تمہارے لیے (موجودات عالم کے لیے) تو نور حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (ظہورِ اوّل) ہی باعث ظہور ہے اور نور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دونوں جہتیں (ظاہر اور باطن) موجودات عالم کو وجود عطا کر رہی ہیں اور پورا عالم غیب والشہادہ اسی نور کی روشنی سے منور نظر آتا ہے۔

سب سیں نیڑے سب سے دورا   سو انگر ہو آپ انگورا

گویا ابداع عالم غیب اور تخلیق عالم شہادہ کا صدور بھی ذاتِ حق سے ہوا ہے اور بطور رب العالمین ان کی حفاظت اور دیکھ بھال بھی خود ہی کرتا ہے۔ موجودات عالم کے ذرے ذرے میں اسی کا ظہور ہے جس بناء پر وہ سب سے نزدیک ہے مگر عرفانِ ذات کی نسبت سے وہ وراء الوراء ہے۔

بموجب كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ ﴿٢٩﴾ (سورۃ الرحمٰن: آیت ۲۹) اس کی شانیں اس قدر لاتعداد اور حدودِ حصر سے وراء ہیں۔ لہٰذا اس کی شانوں کی تجلیات اور ان کے ظہور کے رنگ لاتعداد ہیں۔ موجودات کا ہر ہر ذرہ اس کی تجلیات سے منور اور اس کی شانوں کا رنگ لیے ہوئے ہے مگر انسان میں حق تعالیٰ کی صفات کا اجمال ہے یہ عالم صغیر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تجلیات کو جس قدر یہ سمیٹ سکتا ہے، عالم موجودات کا کوئی دوسرا فرد یہ صلاحیت نہیں رکھتا۔ انسان تو کلمہ کن کی غایت ہے۔ شجرۃ الکون کا ثمرہ ہے۔ لہٰذا تجلیات الٰہی کا محور و مرکز یہی ہے۔ حضرت انسان جس کا قلب مسکن خداوندی ہو اور جب ہر ہر روح اور قلب میں اس کا ٹھکانہ ہو تو اُسے دور کیسے سمجھا جائے۔

بند نمبر ۴۴

اس گور مالی کون کو پاوے ترت بیل من ات لہراوے
سبد نہر کا پانی پاوے کرم آڈ دھر بیل چلاوے
کھودے راڈ ہٹ باڑ جو گاڈے پسو پانچ کو مول نہ چھاڈے
چھن چھن رچھا چھار کھنڈ اوے کپٹ بھرم نیڑے نہیں آوے
سکت کھرپ گھر اوگن کھوڈے اِک اوگن گھر مول نہ چھوڑے
چھچھا کھیت مول میں ڈارے دو بھدا بھیت کا روگ اوتارے
تب من بیل ٹھیک پھل لیاوے جاچا کہے پھر میچ نہ آوے

کال کلملی سب مٹے دبدھا بھرم نہ ہوئے
گیان امر پھل گورو سے جے جن چاکھے کوئی

فرہنگ

کون کو: جوکوئی، تُرت: فوراً، جھٹ پٹ، اَتِ: بہتات، کثرت، شبد: کلمہ، بھجن، گیت، آد: اولین، سب سے بڑھ کر، کرم: کام، فعل، اعمال، کرم آد پاوے: پاک کرنے والی، سب سے پہلا کام رحمت ازلی، راڈ: فساد، رادہٹ: فساداور سرکشی، باڑ: باغیچہ، ہٹ: سرکشی، ضد، پسو پانچ: انسان کے پانچ منفی خواص، کام، کرودھ، لوبھ، موہ، ہنکار، چھن چھن: ہرلمحہ، رچھا: رکھوالی، چھار: راکھ، گرد: غبار، کھنڈاوے: کھود نکالے، کپٹ: دھوکا فریب، بھرم: وہم، شک، کپٹ بھرم: دھوکہ اور فریب کا گمان، سکت: ملا ہوا، خواہش تمنا، سکت (شکتی) طاقت، توانائی، قوت، کھرپ: کھرپے سے گوڈی کرنا فصل سے نقصان دہ پودے، بیلیں اکھاڑنا، اوگن: برائی، اوگن گھر: برائی کا ٹھکانہ، مول: جڑ، چھچھا کھیت: خالص کھاد، ڈارے: ڈالے، میچ: موت، فنا، دو بھدا: شک، فریب، بھیت: خوف، روگ، مرض، کال: موت، کلملی: خوف، گیان: معرفت، امر پھل: بقا کا ثمر۔

ترجمہ

گلشن کائنات کے مالی (حق تعالیٰ) کو جو کوئی بھی پالیتا ہے (معرفت حاصل کر لیتا ہے) تو اُسی وقت اس کے باطن میں (یقین وایمان) کی نورانی بیل لہلہانے لگتی ہے۔

(صاحب معرفت ربانی کو) شبد یعنی حق تعالیٰ کے کلمہ کن سے جاری ہونے والی نہر کا پانی پاک کر دیتا ہے اور وہ رحمت ازلی کا فیض (اوڑھ کر) باطن کی بیل کو چلاتا ہے۔ (ترقی دیتا ہے، تہذیب نفس کرتا ہے)

نفس کی سرکشی اور فساد کو کھود کر (فیض معرفت الٰہی) کا باغ لگاتا ہے اور نفس کے پانچ منفی خواص یعنی کام، کرودھ، لوبھ، موہ اور ہنکار کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکتا ہے۔

ہر لحظہ (نفس) پر نظر رکھتا ہے اور (باطنی) گرد وغبار کو کھود کر باہر نکالتا ہے۔ پھر (شیطانی اور نفسانی) وسوسے اور فریب نزدیک ہی نہیں آتے۔

بڑی قوت اور ہمت کے ساتھ (اپنے من سے) برائی کے ٹھکانے کو اکھاڑ پھینکتا ہے، کھرچ ڈالتا ہے (اپنے من میں لہلہانے والی، معرفت حق کی بیل کی) جڑوں میں (یقین وایمان اور محبت الٰہی کی) خالص کھاد ڈالتا ہے اور (نفسانی) وسوسوں اور خوف کے مرض کو دور کر دیتا ہے۔

اس (تمام عمل کے بعد) (من میں معرفت حق کی) بیل بارآور ہو جاتی ہے۔ پھر جو (اس بیل کے) پھل کو چکھ لیتا ہے اُسے موت نہیں آتی ہے۔ (بقائے دوام مل جاتی ہے)

جو شخص اپنے مرشد سے معرفت حق حاصل کر کے بقائے دوام کا پھل چکھ لیتا ہے اس سے موت کا خوف دور ہو جاتا ہے اور (نفسانی) وسوسوں اور فریب سے بھی محفوظ ہو جاتا ہے۔

شرح کلام

اس بند میں معرفت خداوندی اور اس کے ثمرات جو عارف پر مرتب ہوتے ہیں ان کا ذکر ہے۔ اس سے پیشتر معرفت حق کا ذکر بند نمبر ۹، ۱۲، ۲۴ میں بھی ہو چکا ہے جہاں معرفت حق کے متعلق کسی قدر مفصل گفتگو ہو چکی ہے۔ مگر معرفت حق کا موضوع اس قدر وسیع ہے کہ اس کے لیے مستقل دفاتر درکار ہیں۔ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب کشف المحجوب کے باب ''کشف الحجاب الاوّل فی معرفۃ اللہ تعالیٰ'' میں معرفت حق کی دو اقسام بیان فرماتے ہیں۔ ایک معرفت علمی اور دوسرے معرفت حالی۔ علماء کرام و صوفیائے عظام میں اس موضوع پر طویل بحثیں موجود ہیں کہ ان دو اقسام میں کونسی افضل ہے مگر ظاہر ہے کہ معرفت علمی کے بغیر معرفت حالی اپنے کمال تک نہیں پہنچتی۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے: ''اگر تم کو حق تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو جاتی جیسا کہ اس کا حق ہے تو تم پانی پر چلتے اور تمہاری دعا سے پہاڑ لرز جاتے۔''

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''معرفت علمی تمام حسنات اور خیرات (نیک کام) کی بنیاد ہے اور بہت ضروری چیز ہے لیکن حق تعالیٰ کے نزدیک اہم چیز ''معرفت حالی'' ہے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ (سورۃ الذاریات: آیت ۵۶)

(ای لِیَعْرِفُوْنِ)

ترجمہ: ''نہیں پیدا کیا میں نے جن اور انسان کو سوائے میری عبادت کے۔'' یہاں عبادت سے مراد ''معرفت رب'' ہے۔

مولانا الحاج کپتان واحد بخش سیال رحمۃ اللہ علیہ کشف المحجوب کی شرح کرتے ہوئے اس مقام پر لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تفسیر میں ''لِيَعْبُدُوْنِ'' سے مراد ''لیعرفون'' ہے یعنی معرفت کا حاصل کرنا۔ ویسے ''لِيَعْبُدُوْنِ'' کے باطنی معانی بھی مقام عبدیت کا حصول ہے جسے بقاباللہ بھی کہا جاتا ہے۔

داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ معرفت حق سے مراد حیات قلب ہے اور یہی معرفت حق تعالیٰ مقصد حیات انسانی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے اولیائے عظام کے قلوب کو اپنی معرفت کے نور سے زندہ فرما دیتے ہیں اور انہیں جہالت کی تاریکی سے نکال کر انوارِ معرفت سے نواز دیتے ہیں۔ (۳۵)

معرفت حق کے متعلق صحابہ ومشائخ عظام کے اقوال

(۱) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے معرفت کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا: ''میں نے حق تعالیٰ کو اس کے فضل سے پہچانا اور غیر اللہ کو اللہ کے نور سے پہچانا۔''

(۲) حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''معرفت یہ ہے کہ عارف کو کسی چیز سے تعجب نہ ہو۔''

(۳) حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''معرفت کی حقیقت یہ ہے کہ حق تعالیٰ اپنے بندے کو اپنے اسرار ورموز سے آگاہ فرماتا ہے بذریعہ لطائفِ انوار۔''

لطائف انوار کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ قلب بندہ کو از راہِ کرم اپنے نور سے منور کرتا ہے اور تمام آفات سے محفوظ رکھتا ہے جس کی وجہ سے ساری کائنات کی قدر وقیمت اس کے سامنے رائی کے دانہ کے برابر ہو جاتی ہے۔

(۴) حضرت ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''معرفت دائمی حیرت کا نام ہے۔''

حدیث شریف میں آتا ہے:

''مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ''

(یعنی جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے رب کو پہچان لیا۔)

گویا جب اپنے آپ کو فنا سے پہچانا۔ حق تعالیٰ کو بقا سے پہچانا کیونکہ جب حالت فنا میں اس کی عقل ودانش ختم ہو جاتی ہے تو حیرت کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا۔

(۵) حضرت ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''معرفت یہ ہے کہ تجھے معلوم ہو جائے کہ تیری حرکات وسکنات حق تعالیٰ سے ہیں۔''

(۶) حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

''جس نے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر لی اس کا بولنا کم ہو جاتا ہے اور حیرت دائمی ہو جاتی ہے۔''(۴۶)

شرح کلام

اس گور مالی کون کو پاوے
ترت بیل من ات لہراوے

گزشتہ بندوں میں تخلیق کائنات کا ذکر ہے۔

مراتب وجود کا ذکر ہے جن سے خلاق العظیم کی علوشان مترشح ہے۔ ان اشعار میں ثمرات معرفت حق تعالیٰ کا ذکر نہایت خوبصورت پیرائے میں ہو رہا ہے۔ سالک کو جب معرفت حق حاصل ہو جاتی ہے تو وہ علم الیقین عین الیقین کے مراتب سے گزرتا ہوا حق الیقین کی منزل تک پہنچ جاتا ہے۔ جب سالک اللہ تعالیٰ کو اس کے ذاتی اسم اللہ سے یاد کرتا ہے تو گویا وہ اللہ تعالیٰ کو اس کی تمام صفات یا بالفاظ دیگر جملہ قرآنی آیات کے ساتھ یاد کر رہا ہے۔ جب سالک کو معرفت حق کا حصول ہوتا ہے تو انوار و معارف کا ایک شجرۃ النور اس کے قلب کے اندر قائم اور نمودار ہو جاتا ہے اور اسم اللہ ذات کی برکت سے تمام حقائق معنوی ظاہری اور باطنی اس پر روشن ہو جاتے ہیں۔ یہی وہ شجرہ طیبہ ہے جس کا ذکر قرآن میں ہے جس کی شاخیں عرش بریں تک جاتی ہیں اور جڑیں زمین میں پاتال تک ہوتی ہیں۔ اسی شجرۂ انوار کو حضرت میراں سید بھیکھ من بیل فرماتے ہیں۔ یہی کلید معرفت اور توحید ذات پروردگار ہے۔(۴۷)

شبد نہر کا پانی پاوے
کرم آذ دھر بیل چلاوے

عارف حق تعالیٰ اپنے قلب میں نمودار ہونے والے شجرۂ نور کو کلمہ کن سے جاری ہونے والی فیض مقدس کی نہر کا پانی دیتا ہے جو اُسے روز افزوں ترقی دیتا ہے۔ ارحم الراحمین کے جذبہ رحمت کے فیض ازلی کا قلادہ پہن کر معرفت کے اس نورانی شجر کی پرورش کرتا ہے۔ ذات حق تعالیٰ جب مقام احدیت میں تھی تو اسماء وصفات خالق ومخلوق کسی چیز کا ظہور نہ تھا۔ جب ذات حق نے آشکار ہونا چاہا تو کلمہ کن فرمایا۔ گویا اس سے پہلے کلمہ کن اور ذاتِ حق سب کچھ احدیت میں گم تھا۔

کلمہ کن اور اسم ذات اللہ ہی تمام کائنات بشمول حضرت انسان کی بنیاد ہے۔ انسان جو کہ خلاصہ کائنات اور کارگہِ تخلیق کا ذروۂ سنام ہے اس کی باطنی فطرت اور سرشت میں اسم اللہ ذات کا نور بطور ودیعت اور امانت روز ازل سے اللہ تعالیٰ نے پوشیدہ رکھ دیا ہے اور اسم ذات اللہ ہی وہ نوری رشتہ ہے جس سے انسان اپنے خالق کے ساتھ وابستہ ہے۔ اسی وسیلے اور ذریعے سے انسان کے اندر عالم غیبی اور باطنی دنیا کی طرف نوری روزن اور باطنی راستہ کھل جاتا ہے۔ (۴۸) (ماخوذ کتاب عرفان صفحہ ۱۲۶)

سچے مرشد کی راہنمائی میں منازل سلوک طے کرنے والا سالک بھی حقیقت میں چشمہ فیضان ربانی سے مستفیض ہوتا ہے کیونکہ مرشد بھی کلمات حق میں سے ایک کلمہ ہوتا ہے اور اس کے ارشادات (شبد بھی) فیضان حق ہی میں سے ہیں۔ حصول معرفت حق جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول سے معلوم ہوا۔ صرف اور صرف فضل ربی سے ہی ممکن ہے اور عارفِ حق بھی فضل ربی کی چادر اوڑھے بغیر راہِ سلوک طے نہیں کرسکتا۔

کھودے راڑھٹ باڑ جو گاڑے
پسو پانچ کو مول نہ چھاڑے

اللہ تعالیٰ نے انسان کو حیات دنیوی دے کر دنیا میں بغرض امتحان بھیجا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے:

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا

(سورۃ الملک: آیت ۲)

ترجمہ: ''موت و حیات کو اسی لیے پیدا کیا ہے تاکہ تمہیں آزمایا جا سکے کہ تم میں سب سے بہتر عمل کون کرتا ہے۔''

دنیا میں ہر خیر اور ہر بھلائی کی بنیاد معرفتِ خداوندی ہے کیونکہ عہد الست کے موقع پر جب اللہ تعالیٰ نے کل ارواح کو جو ہر نور اسم اللہ ذات سے لفظ کن کہہ کر پیدا کیا اور تمام ارواح کو اپنے سامنے حاضر کیا۔ ان پر اپنی ربوبیت کا اظہار فرمایا اور سوال کیا: اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ ۔ (سورۃ الاعراف آیت ۱۷۲) (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟) اس وقت چونکہ تمام ارواح کی آنکھیں نورِ اسم ذات اللہ سے منور اور سرمۂ معرفت حق سے سرگیں تھیں اور ہر کدورت و آلائش سے پاک و صاف تھیں۔ سب نے یک زبان ہو کر جواب دیا ''بلیٰ'' (بے شک تو ہمارا رب ہے) معرفت رب کا یہی بیج ہر روح انسانی میں پوشیدہ ہے۔ مگر دار دنیا میں اس لطیفہ نورانی پر مادیت کا لباس چڑھا دیا گیا ہے جس نے خالص فطرت انسانی کی نورانیت میں نارِ شیطانی، دودِ ظلمت نفسانی اور آلائش دنیائے فانی کی آمیزش کر دی۔ مگر رحمت ربی نے نظام وحی کے تحت اپنے انبیاء و رسل بھیجے جو انسانی فطرت کی اصلیت کو نکھارنے کا فریضہ ادا کرتے رہے۔ یہی کام اُمت مسلمہ میں اولیائے عظام سرانجام دے رہے ہیں۔

چنانچہ جب انسانی فطرت نور معرفت حق کی وجہ سے اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے تو انسان کے اندر عشق و محبت حق کا گلشن سرسبز ہو جاتا ہے۔ احساس معیت ربی کی فصیل ہر وسوسۂ نفسانی و شیطانی سے عارف کی حفاظت کرتی ہے اور عارف حق اپنے نفس کی سرکشی اور فساد کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتا ہے اور پانچ انسانی منفی خصلتیں کام، کرودھ، لوبھ، موہ، ہنکار۔ یعنی خواہش نفسانی، غصہ اور غضب، دنیا و جاہ طلبی، حرص و لالچ اور بے جا تکبر اور غرور کے بول یہ سب خصلتیں شیطانی اور نفسانی حربے ہیں جنہیں عارف باللہ اپنے مرشد کی توجہ اور اللہ کے فضل سے مٹا دیتا ہے اور اپنے ظاہر و باطن کو معرفت حق کے نور سے منور رکھتا ہے۔

چھن چھن رچھا، چھار کھنڈاوے
کپٹ بھرم نیڑے نہیں آوے

معرفت حق کی نعمت ایک عظیم نعمت ہے مگر جتنی بڑی یہ نعمت ہے اس کی حفاظت کے لیے بھی اسی قدر توجہ اور محنت درکار ہے۔ چنانچہ سالک اور عارف باللہ ہر وقت نفسانی اور شیطانی وسوسوں سے اپنے قلب کے بچاؤ میں لگا رہتا ہے۔ ہر گھڑی، ہر لحظہ اپنے نفس پر نظر رکھتا ہے او اس کے حملوں سے پیدا ہونے والا نفسانی گرد و غبار اپنے من سے کھود کر نکال پھینکتا ہے۔ وہ اپنی تمام قوت کے ساتھ جو کہ توفیق الٰہی اور معرفتِ حق کی برکت سے ہی اُسے دستیاب ہوتی ہے۔ اپنے من میں سے برائی کے ہر ٹھکانے اور ہر بیج کو اکھاڑ ڈالتا ہے۔ پھر فرمان حق تعالیٰ کی باڑ اس کے من کی حفاظت کرتی ہے اور معرفت کی نورانی حفاظتی فصیل کے اندر نفسانی دھوکے اور گمان کے گرد و غبار اور کدورتیں نزدیک بھی نہیں پھٹکتیں۔

سکت کھرپ گھر اوگن کھوڑے
اِک اوگن گھر مول نہ چھوڑے
چھچھا کھیت مول میں ڈارے
وہ بھدا بھیت کا روگ اوتارے

معرفت حق جب سالک کو نصیب ہو جاتی ہے تو اس کی فطرت فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (سورۃ الروم: آیت ۳۰) یعنی اللہ تعالیٰ کی وہ فطرت جس پر اس نے انسان کو پیدا کیا کے مطابق فطرۃ اللہ بن جاتی ہے۔ جس مقام پر فطری طور پر عارف حق کے فکر و عمل کے تمام گوشے نورِ حق سے منور ہو جاتے ہیں۔ غیر حق اور خلاف فرمودۂ حق ہر شے سے عارف باللہ کی فطرت ابا کرتی ہے، ہر منکر شے سے وہ دور ہٹتا ہے۔ اس کی فطرت سلیمہ کا تقاضا یہی ہوتا ہے کہ وہ اپنے نفس پر ہمہ دم چوکسی رکھے اور اپنی تمام قوتیں اپنے من کی برائیوں کو جڑ سے اکھاڑنے میں صرف کردے اور وساوس نفسانی اور شیطانی گمانوں کی آندھیوں کو پوری قوت سے دور دھکیل دے اور اس کے ساتھ ساتھ عشق و محبت حقیقی سے گندھی ہوئی ایمان و یقین خالص و کامل کی کھاد اپنے من کی بیل کی جڑوں میں ڈالے جس کی برکت سے من کے اندر کے شکوک و شبہات اور وسوسوں کے روگ بالکل کٹ جائیں گے۔

تب من بیل ٹھیک پھل لیاوے
جا چاکھے پھر میچ نہ آوے
کال کلملی سب مٹے دبدھا بھرم نہ ہوئے
گیان امر پھل گوروسے جے جن چاکھے کوئی

حامل معرفت حق جب جادۂ سلوک میں چلتے ہوئے متذکرہ بالا تمام مقامات سے گزر جاتا ہے تو اسے اپنی شعوری استعداد کے مطابق معرفت تامہ حاصل ہو جاتی ہے۔ اس کے من میں پھوٹنے والی معرفت حق کی نورانی بیل پورے برگ و بار لاتی ہے اور اپنے جوبن کو پالیتی ہے۔ یہ مقام فنافی اللہ کا مقام ہے اور جو بھی اس مقام کو حاصل کرلے۔ گویا وہ معرفت حق کی من بیل کے پھل اور ثمر سے بہرہ مند ہو جاتا ہے اُسے چکھ لیتا ہے۔ پھر اس کے بعد اس کو موت نہیں آتی۔ یعنی وہ فنافی اللہ کے مقام سے گزر کر باقی باللہ کی منزل حاصل کر لیتا ہے۔

حضرت میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مقام کو ایک اور نہایت خوبصورت پیرائے میں بیان کیا ہے:

ہر سمرت سب جگ بسرایا
ہر رٹ میں تج آپ بھلایا

یعنی راہِ معرفت حق میں چلتے ہوئے سالک کی اسم اللہ ذات کے ذکر میں مشغولیت ومحویت اس قدر گہری ہو جاتی ہے کہ اس کی توجہ دنیا و مافیہا سے ہٹ جاتی ہے۔ اس کا مشاہدہ نہایت قوی ہو جاتا ہے۔ وہ اسماء وصفات الٰہیہ کے انوار میں خود کو منور کرتا ہوا۔ ان تجلیات کو سمیٹتا ہوا جب تجلی ذات تک پہنچتا ہے تو اپنی ذات سے بھی ناطہ توڑ لیتا ہے کیونکہ مقام ذاتِ حق میں سب کائنات، اسماء وصفات، موجودات سب گم ہو جاتے ہیں، فنا ہو جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ سالک کی اپنی ذات بھی فنافی اللہ ہو جاتی ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں پر موت وحیات برابر ہو جاتے ہیں۔ عارف ذات حق کو موت کا خوف جاتا رہتا ہے تو نفسانی وسوسوں اور وہم وگمان کے تیروں کا یہاں کیا کام۔

ہاں یہ سب مقامات اسی کو نصیب ہوتے ہیں جو اپنے مرشد کی تربیت اور توجہ کے نتیجہ میں معرفت حق کے لافانی ثمر کو چکھ لیتا ہے۔ راہِ سلوک میں سچا مرشد وصول الی الحق کے لیے بڑا قوی وسیلہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے ہیں:

ایک گھڑی آدھی گھڑی آدھی سے بھی آدھ
بھیکھا سنگت سادھ کی کٹے کوٹ اپرادھ

''یعنی کسی مرشد کامل کی مجلس میں اگر اس کی توجہ چند ثانیوں کے لیے بھی نصیب ہو جائے تو اس سے گناہوں کے سمندر ختم ہو جاتے ہیں۔''

مزید فیوض و برکات مرشد سے استفادہ کے لیے فرماتے ہیں:

آنکھ سے دیکھ من سے مانو گرو درشن پرمیشر کا
گرو کی صورت اوڑھ لے پیارے، اس سے پار اتر نا رے

''یعنی مرشد کو نہ صرف ظاہری آنکھوں سے دیکھنا ہے بلکہ اپنے جان و قلب سے اُسے مظہر خداوندی ماننا ہے اور مرشد کی ذات و صفات کو مکمل طور پر اپنانے اور اپنی ذات و صفات کو ان میں فنا کر دینے سے (فنافی المرشد کا مقام) ہی نجات اور مغفرت یقینی ہوتی ہے۔

آگے چل کر فرماتے ہیں:

اپنے آپ کے رنگ کو دھو کر، گرو کا رنگ رچانا رے
موتو قبل مر کے پیارنے، پھیر کدی نہ مرنا رے

''مرشد کریم جو کلمۃ اللہ اور مظہر خداوندی ہوتا ہے اس کی مکمل اطاعت اور دل و جان سے اس کی راہنمائی پر یقین ہی آپ کو سیر الی اللہ میں فنافی اللہ اور بقا باللہ کے مقامات علیا نصیب کرتا ہے۔ جن مقامات پر موت کا خوف جاتا رہتا ہے اور حیاتِ دائمی نصیب ہو جاتی ہے۔''

بند نمبر ۴۵

پرتھم بھیو گلاب چنبیلی
بیل کھیل میں کلا جو کھیلی

کہوں جاہا جو ہے ہو پھولا
بہت بھانت پے ایکو مولا

کہوں کو جا مروا ہو آیا
کہوں چنبا چندن مہکایا

ات بوباس کیتک مہکاوے
من مدھکر ات ہیں لپٹاوے

لپٹ لپٹ آپے گنجاریں
مانو سو ہوں سبداچاریں

سوہوں مل سوہوں ہو جاوے
سمند لہر جوں سمند سماوے

کہوں مول کہوں مالتی کہوں سیوتے پھول
کہوں مہکے سنسار میں ہوئے کیوڑا پھول

فرہنگ

کلا: داؤ، چال، جو ہے: چنبیلی، یاسمین، مولا: جڑ بنیاد، کوجا، مروا: تیز خوشبودار والا پودا، چنبا: چنبیلی، چندن: صندل، ات: یہ، اس قدر، اتنا، بوباس: خوشبو، کیتک: کیوڑا، کتنا۔ مدھکر: شہد کا بھنورا، گنجار: گونجنا، مانو: جیسے، گویا۔ سوہوں: اللہ تعالیٰ، سوھم: انا الحق (وہی میں ہوں)، اچاریں: اچار، لہجہ، بولنا، بات کرنا، سمند لہر: سمندر کی لہر، مالتی: چنبیلی کی ایک قسم، مول: جڑ، سیوتی: ایک پھول کا نام۔

ترجمہ

(خالق دو جہاں نے اپنی معرفت عام کرنے کے لیے) اپنی معرفت کی بیل چلانے کا کھیل جو رچایا تو سب سے پہلے گلاب اور چنبیلی کا ظہور ہوا۔

(ظہور معرفت حق کی خوشبو) کہیں جاہا بن کر اور کہیں چنبیلی بن کر خوشبو دے رہی ہے۔ اس معرفت رب کے شیڈ بہت مختلف ہیں مگر جڑ بنیاد (اصل) سب کی ایک ہی ہے۔

کہیں (معرفت حق) کی خوشبو کو جا بن کر کہیں تیز خوشبو والا مروا بن کر، کہیں چنبا کے پھول اور کہیں صندل کی خوشبو کی طرح مہک رہی ہے۔

معرفت حق کی خوشبو اس قدر پھیلی ہوئی ہے کہ عارف حق کے من کا بھنورا اسی خوشبو کی لپٹ سے مدہوش ہے۔

(عارف حق کے من کا بھنورا) معرفت حق کی خوشبو سے لپٹ لپٹ کر معرفت کے ترانے گاتا ہے۔ (گونجتا ہے) گویا حق تعالیٰ ہی اپنی حمد کے ترانے خود گا رہا ہے۔

(انتہائے معرفت کا مقام حاصل کر کے حامل معرفت حق کے من کا بھنورا) حق سے مل کر حق ہو جاتا ہے جیسے سمندر کی لہر سمندر میں سما جاتی ہے۔

(معرفت حق کے مختلف اظہار ہر سُو پھیلے ہیں) کہیں خوب صورت مالتی کا پھول، کہیں سیوتی خوشبو دے رہی ہے، کہیں کیوڑا اپنی خوشبو سے دنیا کو مہکا رہا ہے، جڑ ہوں یا پھول سب معرفت کے رنگ ہیں اس کی خوشبو ہیں۔

شرح کلام

اثرات معرفت حق تعالیٰ۔ اس بند میں بھی معرفت حق کے مختلف شیڈ اور رنگوں کا ذکر ہے جیسے ظہور حق کی لامتناہی شانیں ہیں۔ اسی طرح موجودات عالم شہود کے شعوری لیول، حیات وحرکت کے درجات جدا جدا ہیں۔ لہٰذا معرفت کردگار کے درجات بھی حیات اور اس کے درجات کے تحت ہر فرد کے اپنے اپنے شعوری درجہ کے مطابق ہوتے ہیں۔

حق تعالیٰ نے جب اپنے حسن تمام کے اظہار اور اس کی معرفت کو عام کرنے کا ارادہ فرمایا تو سب سے پہلے سرتاج العارفین اور سرور انبیاء سرکارِ دو عالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور پیدا فرمایا۔ گویا اپنی معرفت کا سرچشمہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے جاری فرمایا۔ یہی وہ معرفت حق کا سب سے پہلا گلاب تھا جس کی خوشبو ہر طرف پھیلی۔ اسی سرچشمہ معرفت کے طفیل معرفت حق کے دیگر بیل بوٹے وجود پذیر

ہوئے اور اپنے اپنے شعوری درجات (استعداد) کے مطابق معرفت کردگار کے نور سے منور ہوئے اور معرفت حق کے مختلف پھولوں کی خوشبو سے جہاں کو معطر فرمایا۔

عارفانِ حق کے جس قدر شعورِ معرفت حق کے درجے ہیں اسی قدر ان کی خوشبو اور رنگ جدا جدا ہیں۔ کہیں جاہا ہے کہیں تیز خوشبو والا امروا ہے، کہیں چنبا ہے، کہیں چنبیلی ہے اور کہیں صندل ہے۔

معرفت حق کے نور سے جب سالک کا قلب جگمگا اُٹھتا ہے تو اس کی چمک اور اس پھول کی خوشبو سے سالک کا من منور ہو جاتا ہے، مہک اُٹھتا ہے اور یہ مہک اس قدر مسحور کن ہوتی ہے کہ عارف حق کے من کا بھنورا معرفت حق کے پھول کی خوشبو سے مدہوش ہو کر اسی کے گرد طواف کرتا رہتا ہے۔ عارف حق کے من کا یہ نور، یہ خوشبو نہ صرف اسے منور کر دیتی ہے، خوشبو سے بھر دیتی ہے بلکہ اس کے گرد نور اور مہک کا ایک ہالہ بن جاتا ہے اور جو بھی اس ہالے کے اندر آ جاتا ہے اسی نور سے منور اور خوشبو سے مدہوش ہو جاتا ہے۔ عارف حق معرفت کے نور اور خوشبو سے مدہوش ہو کر معرفت خداوندی کے نغمے الاپنے لگتا ہے تو ایسا لگتا ہے جیسے خداوند قدوس خود اس عالم میں نغمہ سرا ہوں۔

معرفت حق میں درجات و منازل طے کرتے ہوئے عارف حق، حق تعالیٰ کی صفات میں مکمل طور پر رنگا جاتا ہے یعنی ''جب حق تعالیٰ کسی بندہ پر اسم اللہ کے اعتبار سے تجلی فرماتا ہے تو عبد بالذات فنا اور حق اس کا قائم مقام ہو جاتا ہے۔ اسی طرح صفات حق، سالک کی فنائیت کا مطلب اس کی اپنی صفات کا گم ہو جانا اور صفات حق کا قائم مقام ہو جانا ہے اور ان مقامات علیا میں قرب نوافل اور قرب فرائض کے درجات ہیں جہاں حق تعالیٰ اپنے بندہ کی سمع و بصر بن جاتا ہے جہاں نور عبد گم ہو جاتا ہے اور روح خلقی فنا ہو جاتی ہے اور ہیکل عبدی میں حق سبحانہ وتعالیٰ قائم ہو جاتا ہے۔ (۴۹) (ماخوذ از الٰہیات، تصوف اور علم الکلام ص ۸۶)

اور یہی مطلب ہے درج ذیل شعر کا:

سوہوں مل سوہوں ہو جاوے
سمند لہر جوں سمند سماوے

حضرت میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت سید علیم اللہ شاہ صاحب فاضل جالندھری اپنی کتاب ''نزہتہ السالکین'' میں ''فنا اور بقاء'' کے باب میں تحریر فرماتے ہیں:

''بعض اقوال فناء مطلق کی تعریف اس طرح کرتے ہیں کہ امرِ خداوندی بندہ پر اس طرح غالب ہو جائے کہ ''کون حق، کون عبد'' پر غالب آ جائے۔ اس کی پھر دو قسمیں ہیں فناءِ ظاہری اور فناءِ باطنی۔ فناءِ ظاہری تو یہ ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ بطریق افعال تجلی ڈالے اور بندہ کا ارادۂ اختیار سلب ہو جائے اور اُسے اپنا یا کسی غیر کا فعل خدا کا فعل ہی نظر آئے اور اس تجلی کے موجب وہ بندہ حق تعالیٰ کے ساتھ معاملہ کرے۔

فناءِ باطنی یہ ہے کہ بندہ مکاشفۂ صفات سے مشرف ہو جائے یا ذات حق کی عظمت کے آثار مشاہدہ کرنے سے امر حق اس کے باطن پر اس طرح غالب ہو جائے کہ وساوس شیطانی اور ہوائے نفسانی سے کوئی چیز باقی نہ رہے۔'' (۵۰)

الغرض صاحبانِ معرفت کے لیے سارا عالم شہود تجلیات حق کا ظہور ہوتا ہے۔ وہ ہر شے میں حق کو متجلی پاتا ہے۔ ہر قسم کے پھول، ہر طرح کی خوشبو، ہر بیل، ہر درخت، ہر پودا، ان کی جڑیں، پوری کائنات کا باغ اپنے مالی یعنی پروردگارِ حقیقی کی معرفت کا نشان ہے۔ اس کی آیت ہے اور اس کا کلمہ ہے۔

بند نمبر ۴۶

یہ کوتک کینے اس باری　　　پھول پھول کی سوبھا نیاری
یہ سوبھا کہنے نہیں آوے　　　دیکھت بورے کہاں بتاوے
جو کہنے سے ہوئی نیاری　　　کہو سادھو کیا کہے بھکاری
یہ اپنی پھلوار ہے پھولے اپنے بھائے
سدا سربدا ایک سے نا نہہ کبھی کنبلائے

فرہنگ

کوتک: تماشا، کھیل، باری: باغ، سوبھا: حسن، خوبصورتی، جلوہ، نیاری: جدا، الگ، بورے: عقل کھودے، سربدا: ہمیشہ، دائم۔

ترجمہ

(معرفتِ خداوندی کی) پھلواڑی کی ایک چال (رنگ) یہ ہے کہ (اس میں کھلنے والے) ہر پھول کی شان الگ الگ ہے۔

(پھلواڑی کے پھولوں کی) خوبصورتی (شان) کہنے سننے میں نہیں آ سکتی۔ (اسے تو جو بھی دیکھے) اس کے ہوش گم ہو جاتے ہیں۔ وہ اس کی شان کے متعلق کیا بتلائے۔

یہ شان تو کہنے میں نہیں آ سکتی۔ (تو کسی سوال کرنے والے) سادھو سے (اس معرفت کا طلبگار) فقیر کیا کہے۔

(معرفت کی اس پھلواڑی کی) اپنی ہی بہار ہے اور اس بہار کی شان بھی اپنی ہی ہے۔ اس پھلواڑی پر سدا ایک سا موسم رہتا ہے اور یہ کبھی کملاتی نہیں۔

تشریح

معرفت حق تعالیٰ کی بہار

اس دنیا میں حق تعالیٰ نے اپنی صفات کی تجلیات سے تمام موجودات کی پھلواڑی لگائی ہے چونکہ ذات حق کی شانیں لاتعداد اور حدودِ حصر سے ماوراء ہیں۔ ان کی تجلیات اور ان کے ظہور کے شیڈ اور رنگ بھی جدا جدا ہیں۔ حضرت انسان چونکہ اس کارگہِ تخلیق کا خلاصہ اور ذروۂ سنام ہے۔ وہ صفات الٰہیہ کی تجلیات کا مظہر تام ہے۔

حاملین مقام معرفت حق۔ حق تعالیٰ کی صفات کی معرفت حاصل کرتے ہوئے اپنی صفات کو، صفات الٰہیہ میں فنا کرتے چلے جاتے ہیں اور اس طرح صفات حق صفاتِ عبد کی جگہ قائم ہوتی جاتی ہیں۔

شرح لوائح جامی رحمۃ اللہ علیہ میں تحریر ہے کہ جس طرح ذات حق اطلاق کی حیثیت سے ہر چیز میں جاری وساری ہے یہاں تک کہ ہر شے ذاتِ حق کا عین ہے۔ اسی طرح ذاتِ حق کی صفات بھی کلی طور پر چیز کی صفات میں جاری وساری ہو کر ان کا عین ہیں۔
(۵۱) (الٰہیات، تصوف اور علم الکلام ص ۵۱)

عرفانِ صفات حق کے نتیجہ میں صفات حق کے اپنی صفات پر اطلاق کا مشاہدہ جب عارف حق کرتا ہے تو وہ اپنی صفات کو صفات حق میں گم کر دیتا ہے۔

اس کے آگے جب عارف حق اپنی ذات میں ذاتِ حق کے اطلاق کا مشاہدہ کرتا ہے تو اپنی ذات کو ذاتِ حق میں فنا کر دیتا ہے۔ پھر وہ اپنی ذات سے بھی غیر متعلق ہو جاتا ہے۔ معرفت حق کا یہی مقام ہے، جس کا ذکر اس بند کے اشعار میں ہوا ہے۔

یہ سوبھا کہنے نہیں آوے
دیکھت بورے کہاں بتاوے
جو کہنے سے ہوئی نیاری
کہو سادھو کیا کہے بھکاری

معرفت ذاتِ حق کے مقام پر چونکہ عارف اپنی ذات سے ہی ناطہ توڑ لیتا ہے تو وہ اس مقام کے متعلق کیا بیان کرسکتا ہے۔ اس مقام پر تو وہ اپنے ہوش وحواس قائم نہیں رکھ سکتا۔ تو وہ ان حقائق کو بیان کیسے کرے؟ معرفت حق کی یہ شان یہ ادا بیان سے باہر ہے۔ لہٰذا سالکِ جادہ حق اس بارے میں سکوت ہی اختیار کرسکتا ہے۔

عالم شہادہ میں سرچشمہ معرفت ربانی اور سرتاج العارفین سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب سفر معراج میں تجلیات ذاتِ حق کا مشاہدہ کیا تو ان کی تفصیل قرآن کریم نے بیان نہیں کی۔ بس اسی پر اکتفا کیا کہ ''اس وقت چھا رہا تھا سدرۃ المنتہیٰ پر جو چھا رہا تھا'' اور ''انہوں نے اپنے پروردگار کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔'' لیکن سرتاج العارفین صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر نے تجلیات حق کو دیکھنے میں غلطی نہیں کی اور پھر فرمایا، کیا تم ان چیزوں میں جھگڑا کرتے ہو جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھیں۔ (۵۲)

(ماخوذ سورۃ النجم، قرآن کریم)

لہٰذا مشاہدہ تجلیات ذات حق کو بیان نہیں کیا جاسکتا۔ معرفتِ ذات حق کی یہ پھلواڑی اپنی ہی شان رکھتی ہے۔ اس کی بہار کے اپنے ہی نرالے رنگ ہیں۔ اس کی خوشبو کی لپٹ الگ ہی ہے۔ یہ پھلواڑی حق کی ذات کے ساتھ قائم ہے، سدابہار ہے اور خزاں کے خطرے سے کلی طور پر محفوظ ہے۔

بند نمبر ۴۷

یہ گت اپرم پار تمہاری — کیسے پہنچے سُرت ہماری
یہ گت منے منانہ سماوے — پس نپچے کہوں کیسیں پاوے
یہ گت میں تہا کے سنکاوت — یاکو انت پناوے آدک
یاگت میں تھاکے سب کوئی — دیوٗ دانو جہاں لو کو ہوئی
یاگت کی مت لکھے نہ کوئی — لکھے سوئی جو آپ نہ ہوئی

یہ گت اپرم پار کی پار پناوے کوئی
سرمن رکھ کہوں نالہا کہو بھیکھ کیا ہوئی

فرہنگ

گت: شان، اپرم پار: بے حد، غیر محدود، لا انتہا، منی منا: رِشی یا ولی کا قلب، خیال، پس نپچے: سب سے پہلی بنیاد، کیسیں: کیسے، میں تہا کے: مجھے اور تجھے، سنکاوت: اشارہ کرتی ہے، یاکو: اس کا، انت: حد، آدک: (قدیم کی کھوج)، تھاکے: تھک ہار گئے، دیوٗ: حاملین معرفت حق، دانو: موقعہ، چانس، جہاں لو: جہاں تک، مت: سمجھ، لکھے نہ کوئی، کوئی نہیں سمجھ سکتا، سرمن: (سرمن) (سچی لگن سے محنت کرنے والا)، رُکھ: رُشی، ولی، عابد۔

ترجمہ

(معرفت حق، بندے اور رب کے درمیان تعلق اور واسطہ کی شان) تمہاری یہ شان بے حد وحساب اور لامحدود ہے۔ ہماری عقل وسمجھ اس تک کیسے پہنچ سکتی ہے۔

(یہ تعلق) یہ شان تو کسی رشی، درویش اور سالک کے قلب وروح میں نہیں سما سکتی۔ تو ہر شے اور مظہر وجود کی بنیادوں میں اس قدر گہرا ہے کہ کوئی اس تک کیسے پہنچ سکتا ہے۔

یہ شان مجھے اور تجھے (سب کو) بس یہی اشارہ کرتی ہے کہ کوئی کھوجی اس شان قدم کی انتہا کو نہیں پا سکتا۔

اس شان (کا کھوج کرتے کرتے) سب تھک ہار گئے، چاہے وہ (حاملین معرفت) معرفت حق کے کسی بھی مقام پر ہوں۔

اس شان کی سمجھ کسی کو نہیں آ سکتی۔ اسے تو وہی سمجھ سکتا ہے جو خود کو فنا کر دے۔ (ذات حق میں)

یہ شان تو بے حد و حساب ہے اس کی حدود کو کوئی نہیں پا سکتا۔ کتنے ہی مخلص، زاہد و عابد اور ولی کوشش کر کے تھک ہار چکے تو بھیکھ اس کے بارے میں کیا بیان کریں۔

تشریح

(بند نمبر ۴۶، ۴۷) گیان لہر میں اس مقام پر معرفت ذات کا ذکر ہو رہا ہے۔ اس سے پہلے معرفت صفات حق کے آثار اور اثرات جو سالک پر مرتب ہوتے ہیں ان کا ذکر ہوا تھا۔

بقول قرآن کریم: وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (سورۃ البقرہ آیت ۳۱)

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کا تسویہ کرنے کے بعد نفخہ روح ربانی کیا تو حضرت آدم علیہ السلام میں تجلیاتِ اسماء الٰہیہ کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہوگئی۔ اب حضرت انسان کا اپنی زندگی میں مقصد اوّل معرفت حق کا حصول ہے جو اسماء صفات الٰہیہ کی معرفت سے ہی ہو سکتی ہے۔ کسی شے کی معرفت کے لیے اس کی صفات کی معرفت ہی حاصل کرنا ہوگی۔ تجلیات اسماء صفات کو قبول کرنے کی استعداد بھی منجانب حق تعالیٰ عطا ہوئی ہے۔ لہٰذا معرفت اسماء صفات، کسی فرد کی استعداد کے مطابق ہی ہوگی اس سے زیادہ نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ واجب الوجود ہیں ان کا وجود ذاتی ہے اور بندہ ممکن الوجود ہے یعنی اپنے وجود کے لیے حق تعالیٰ کا محتاج ہے۔ بندے کا وجود بالعرض اور اللہ تعالیٰ کا وجود بالذات ہے۔ لہٰذا وجود بالعرض ہمیشہ وجود بالذات کا محتاج رہے گا۔

اس کا امکان ذاتی۔ اس کی بندگی بھی اس سے دور نہ ہوگی۔ دوسرے لفظوں میں بندے میں خواہ وہ کتنا ہی عظیم الشان، عالی مرتبہ، صاحب کمالات اور مظہر اسماء صفات ہو، اس میں اللہ تعالیٰ کی دو صفتیں نہیں پائی جا سکتیں۔

اوّل: وجوب ذاتی، موجود بالذات ہونا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے۔

دوم: استغنائے ذاتی (بے نیازی)

لٰہذا بندہ معرفت اسماء صفات میں جس قدر اعلیٰ مرتبے پر پہنچ جائے اس سے وجوب ذاتی اور استغنائے ذاتی کبھی نمایاں نہ ہوں گے۔ بندہ ہمیشہ سرافگندہ ہی رہے گا۔

(فصوص الحکم صفحہ ۳۵، ترجمہ مولانا عبدالقدیر صدیقی) (۱-۵۲)

حضرت بابا ذہین شاہ تاجی رحمۃ اللہ علیہ کتاب فصوص الحکم کی شرح میں لکھتے ہیں شیخ ابن عربی عالم کو اللہ کی صورت کہتے ہیں تو ہمیشہ ان کی مراد اسماء الٰہیہ کی صورت ہوتی ہے۔ عالم میں جو لامتناہی صورتیں ہیں وہ اسماءِ الٰہیہ ہی کی لامتناہی صورتیں ہیں۔ ان میں سے ہر صورت کسی نہ کسی اسم الٰہی کی مظہر واقع ہوئی ہے۔ ہر مظہر اپنے وجود و نمود میں اسم الٰہی کا طالب ہے۔ اسی طرح ہر اسم اپنے ظہور میں اپنے مظہر کا طالب ہے۔ پس عالم کے تمام مظاہر اسماءِ الٰہیہ کے مظاہر اور ان کی صورتیں ہیں۔ چونکہ تمام اسماءِ الٰہیہ الگ الگ تاثرات کے باوجود اللہ کے آستانے پر جمع ہو جاتے ہیں اور کثرت اسمائی وحدتِ الٰہی میں جمع ہو جاتی ہے اس لیے باعتبار ظہور کے اسمائی صورتوں کی جو کلی صورت ہے وہ اللہ کی صورت ہے اور باعتبار بطون کے وہی حقیقت حق ہے۔ عالم ظہورِ حق کی صورت کامل ہے اور بقدرِ تجلی اس صورت کا مشاہدہ میسر آتا ہے مگر اس صورت کی جو حقیقت ہے وہ حق ہے۔ (ذاتِ حق) اس کا ادراک اس کے غیر پر ممتنع ہے۔ چاہے وہ غیر حق اسماءِ الٰہیہ کی صورتیں ہی کیوں نہ ہوں۔

حق تعالیٰ جب اپنے نفس کا ادراک کرتا ہے تو اس ادراک میں اس کے اسماءِ صفات کی صورتیں ادراک ہوتی ہیں۔ اسی کا نام عالم ہے اسی لیے عالم کو صورت حق کہا گیا ہے۔ پس حق کی نظر میں عالم اسی کی اسماءِ صفات کی صورت ہے اس لیے وہ عالم کو دیکھتا ہے تو خود ہی کو دیکھتا ہے۔ خواہ یہ ادراک نفس ذات میں ہو یا خارج میں ہو جو عین ثابت میں ہے وہی عین خارج میں ہے۔

اس کے برعکس حادث (بندہ، وجود بالعرض) کے اختیار میں یہ ادراک نہیں ہے۔ وہ اس حقیقت کا اتنا ہی ادراک کر سکتا ہے جتنا وہ حقیقت اس پر تجلی کرے۔ تجلی سے جو

علم آتا ہے وہ اگر چہ اس علم سے ممتاز ہوتا ہے جو عام لوگوں کو حاصل ہے۔ پھر بھی وہ علم بقدر تجلی الٰہی ہے (جو تجلی قبول کرنے والے کی استعداد کے مطابق ہوتی ہے اور وہ استعداد یعنی منجانب حق تعالیٰ ودیعت شدہ ہے)

نتیجہ یہ ہوا کہ حق کو حق ہی جانتا ہے اور حق کو حق ہی پہچانتا ہے اس کا عرفان اس کے غیر پر حرام ہے اس لیے عرفانِ ذات بالاتفاق ممتنع ہے۔ البتہ عرفان اسماء صفات ممکن ہے۔ یہ عرفان علم حصولی سے نہیں بلکہ علم حضوری سے آتا ہے۔ کشف وشہود، علم و ذوق کا دائرہ، عرفانِ صفاتی تک محدود ہے اور بس۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ عرفانِ صفات، عرفانِ ذات کیوں نہیں جبکہ شیخ ابن عربی کے مطابق صفات عینِ ذات ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ صفات کثیر ہیں جو ذاتِ واحد کی طرف رجوع کرتی ہیں اور ذات ناقابل تقسیم و تجزیہ ہے۔ پس مرتبہ ذات میں وہی اپنا عارف ہے وہی معروف ہے، وہی عالم ہے، وہی معلوم ہے، وہاں اعتباری دوئی بھی نہیں جس سے عارف اور معروف کی اثنینیت قائم ہو۔

عرفانِ صفات میں اعتباری دوئی ہوتی ہے۔ شاہد و مشہود، عارف و معروف، عالم ومعلوم کی جہات قائم ہوتی ہیں۔ یہ جہات جب مرتفع ہو جاتی ہیں تو سالک عارف، ذات میں مستہلک ومحو ہو جاتا ہے۔ علم وعرفان کشف و مشہود ذوق کی نسبتیں فنا ہو جاتی ہیں۔

کاں را کہ خبر شد، خبرش باز نیامد

پس مرتبہ ذات میں مستہلک ہونے والا باقی ہی کہاں ہے جو عرفانِ ذات کا دعویٰ کرے۔ اگر وہ دعویٰ کرتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ذاتِ واحد کے دو عارف ہوئے ایک تو خود ذاتِ باری اپنی عارف ہے اور دوسرے یہ سالک بھی اس ذات کا عارف ہونے کا مدعی ہے اس لیے مسلمہ طور پر عرفان کا مدعی شرک فی الذات کا مدعی ہے اور یہ نہیں جانتا کہ جس علم سے وہ خود کو جانتا ہے اسی علم سے وہ خدا کو جانتا ہے اور یہ کہ اس کا علم حادث ہے اور اس سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ بھی حادث ہے قدیم نہیں۔ قدیم تو علم قدیم ہی سے معلوم ہوتا ہے اور وہ علم الٰہی ہے۔ (۵۳) (فصوص الحکم تشریحات وتنبیہات، صفحہ ۴۹ تا ۵۲)

شرح کلام

درجہ بالا حقائق کی روشنی میں واضح ہو جاتا ہے کہ ایک حادث اور وجود بالعرض کسی بے انتہا اور حدود حصر سے ماوراء کی کیفیت کو کیسے سمجھ سکتا ہے؟ اس کی محدود عقل و شعور، ذاتِ بیکراں کی معرفت کا احاطہ کیسے کر سکتی ہے؟ کوئی رشی، درویش اس ذات کی کنہ نہیں پا سکتا۔ وہ ہستی جو ہر مظہر وجود پر محیط ہو، اس کا احاطہ کیسے ہو۔ بس غور و فکر کرنے والے کو یہی سمجھ میں آتا ہے کہ ذاتِ احد کی حدود و انتہا کو نہیں پایا جا سکتا ہے۔

تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا

پس جان گیا میں تیری پہچان یہی ہے

عارفان صفاتِ حق، سیر الی اللہ میں کتنی ہی بلندیاں پالیں۔ ذات حق کی معرفت ان پر ممتنع ہی رہتی ہے اور جہاں عرفانِ صفاتِ حق میں جہاتِ عرفان مرتفع ہو جاتی ہیں۔ عارف ذاتِ حق خود مستہلک ہوتا ہے اور اسی کا کشف و شہود سب فنا فی الذات ہو جاتا ہے۔

اس شانِ بے پایاں کی حدود کون پا سکتا ہے۔ بڑے بڑے عرفاء و زہاد اس راہ میں کھیت رہے۔ بھیکھ اس بارے میں کیا بیان کریں:

''عالم کثیف ہو یا عالم لطیف، عالم خود ذاتِ حق پر ایک حجاب ہے۔ عالم حق تعالیٰ کو ایسا ادراک نہیں کر سکتا جیسا حق تعالیٰ خود اپنے آپ کو ادراک کر رہا ہے۔ پس عالم ہمیشہ ایسے حجاب میں رہے گا جو کبھی نہ اُٹھے گا کیونکہ عالم اپنی احتیاج ذاتی و افتقار کی وجہ سے اپنے موجد کو اپنا غیر سمجھتا ہے۔

وجود ذاتی جو حق تعالیٰ کا خاصہ ہے اس میں ممکن الوجود کو کوئی حصہ نہیں ملا۔ لہٰذا حق تعالیٰ وراء الوراء ثم وراء الوراء رہے گا اور ممکن الوجود کبھی تنزیہہ ذاتِ حق کو ادراک نہ کر سکے گا۔ پس ممکن الوجود کو دائما ابداً حق جل جلالہ، بحیثیت تنزیہہ معلوم بہ علم ذوق و شہود نہ ہوگا کیونکہ میدانِ تنزیہہ میں حادث، ممکن الوجود، خلق کی رسائی نہیں۔'' (۵۴)

(فصوص الحکم، ترجمہ: مولانا عبدالقدیر صدیقی، ص ۴۶)

بند نمبر ۴۸

یاگت او کھی کٹھن اپارا کیسیں کریے باہ بچارا
یاگت کہن سنن سے نیاری رتی نہ بوجھے جات بھکاری
بہہ رنگی کی اکتھ کہانی کیسے کہوں بوری یہ بانی
اَت حیرانی کسیوں کہیئے انباسی کو کیسے لہیئے
کہے تو کچھ جو ہوئے نمونا لنگر چھیل بے چون چگونا

یاگت پار اپار ہے جاکو انت نہ آد
بھیکا سرمن کیا لہے جامن میں اُدماد

فرہنگ

اکتھ : نا قابل بیان، قوت گویائی سے خارج، باہ: ذاتی کوشش، بانی: بولی، کلام، بوری: جس سے عقل چکرا جائے ، انباسی: لافانی، لامکانی، لنگر: نشان، چھیل: حسین، خوبصورت، بے چون: بے مثل، چگونہ: کیفیت، حال، پار: حد، اپار: بے حد، نا قابل عبور، انت: انتہا، آد: ابتداء، سرمن: درویش، شاستر پڑھنے والا، لہے: سمجھے، معلوم کرے، اُدماد: نفس پرستی، بے حیائی، تکبر، خودبینی۔

ترجمہ

(معرفت ذات حق) کی شان بہت مشکل اور نا قابل عبور ہے۔ لہٰذا سالک اس بارے میں کیا کوشش کرے۔ (سوچ بچار کرے)

یہ شان کہنے اور سننے سے بالاتر ہے۔ ذات کا بھکاری (عاجز درماندہ انسان) تو اسے رتی بھر نہیں سمجھ سکتا۔

وحدت سے کثرت میں ظہور پذیر ہونے کی داستان حد بیان سے باہر ہے۔ اس کی بولی تو عقل فکر سے بالاتر ہے اس کے بارے میں کیا کہا جائے۔

یہاں (مقام احدیت میں) حیرت ہی حیرت ہے۔لہٰذا (زبان جو گنگ ہو چکی) اس کو کیسے بیان کرے۔ایسی ذات (احدیت) جو لافانی اور لامکان ہو اس کا ادراک کیسے کیا جائے۔

اگر کوئی کچھ کہے تو اس کے متعلق جس کی کوئی مثال ہو۔ایسا نشان حسن جو بے کیف اور بے مثل ہے،اس پر کیا کہا جا سکتا ہے۔

(شان احدیت) ایسی شان ہے جو بے حد، بے کنار ہے اور نا قابل عبور ہے۔ اس کی نہ ابتداء ہے نہ انتہا۔شاستر اور ورد کرنے والا درویش جس کے من میں نفس پرستی اور تکبر ہو وہ اس شان کو کیا سمجھے گا۔

تشریح

معرفت ذات حق کا اپنے غیر پر ممتنع ہونے کا بیان جاری ہے جس کی بالتفصیل شرح اوپر بیان کی جا چکی ہے۔معرفت باعتبار ذات ممتنع ہے کیونکہ ذات عقول وابصار اور علم وادراک سے بالکل منزہ ہے۔جیسا کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بدور البازغہ میں وجودِ حقیقی کے متعلق بیان کرتے ہیں:

''حقیقت کبریٰ یا حقیقت الحقائق کو منطقی اصطلاح میں کسی حکم کا موضوع نہیں قرار دیا جا سکتا۔اس میں ''یہ ہے'' اور ''یہ نہیں'' ہے تک کی گنجائش نہیں۔کسی کا علم اور کوئی علم اس کے دامنِ ادراک تک نہیں پہنچ سکتا کیونکہ علم در حقیقت تعین کا دوسرا نام ہے جو مقام اطلاق کے منافی ہے۔

چیزیں اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی کوئی ضد نہیں،کوئی مثال نہیں، یہ انانیت کبریٰ ہے۔ یہ ایک بسیط حقیقت ہے جس نے دوسرے حقائق کا ہر طرف سے احاطہ کیا ہوا ہے۔'' (۵۵)

چنانچہ اپنے وجود بالعرض کی محدودیت کے ساتھ انسان اس ذات لامحدود کی معرفت کیسے حاصل کر سکتا ہے۔اسے کیسے بیان کر سکتا ہے۔وجود بالعرض جو ذات حق کے مقابل مقام فنا

میں ہے۔اپنی فکر و عقل اور اپنے کشف وشہود کو تو ذات حق میں فنا کر کے مقام حیرت پر ہوتا ہے۔ ایسے مقام پر بیان و الفاظ کی فنائیت کیا مدد دے سکتی ہے۔ درویشوں کے ورد اوراد، مجاہدے اور مراقبے تو کشفِ حقائق کونی میں کام دے سکتے ہیں۔ایک فانی اور محدود، وجود بالعرض، وجود حقیقی جولامکان اور حد فکر وحساب سے ماوراء ثم ماوراء ہے کے متعلق کیا کہہ سکتا ہے۔

بند نمبر ۴۹

بے چونی کی یہی نشانی ہیر ہیر آوے حیرانی
مول پھول کی راکھن ہاری اے پرت پال بیل سب ساری
ہری بیل جات مرجھائی ات لاگی دبدھا پروائی
گیان نیر سون سینچو یاہی ہو نرل دبدھا پروائی
تب جا گیان بیل ات پھولے بھرم کھپریا نیچے بھولے
پھولے انن بھانت بہہ بھانتا کال کپٹ مر ہوئے سانتا
اے رکھوارے بیل کے راکھو ہری بیل
بھرم کھپریا نہ لگے ہو نہ پروا میل

فرہنگ

بے چونی: بے مثل ہونا، ہیر: کڑک کے بعد چمکنے والی آسمانی بجلی، پرت پال: مدد کرنا، پناہ دینا، حفاظت کرنا، جات مرجھائی: مرجھائی جاتی ہے، دبدھا: گمان، شک، نفس کا دھوکا، پُروا، پورب کی ہوا، دبدھا پروائی: نفس کے دھوکے کی ہوا، گیان نیر: معرفت حق کا پانی، یاہی: اسے، کھپریا: چوڑے پھل والا تیر، نیچے: اصل، بنیاد، نیچے بھولے: جڑ سے ختم ہو جائے، انن بھانت: بے حد وحساب طریقوں والا، کال کپٹ: موت کا فریب، دھوکا، سانتا (شانتا): پُرسکون۔

ترجمہ

اس بے مثال کی معرفت ذات کی نشانی یہ ہے کہ سالک (مقامِ حیرت میں جلوۂ ذات کی گھن گرج اور چمک میں اپنے حواس کھو کر) حیرت میں ڈوب جاتا ہے۔

اے وہ ذات احدیت جو (درجہ ظہور میں) ہر بیل، پھول اور جڑ کی رکھوالی کرنے والی اور اس کی پرورش کرنے والی حفاظت کرنے والی ہے۔

ہمارے من کی بیل مرجھائی جاتی ہے، اسے ہوائے نفس کے دھوکے اور فریب کی آندھی نے آن لیا ہے۔

اے ذات حق! میری (مرجھانے والی بیل کو) معرفتِ حق کے پانی سے سیراب کرو تا کہ یہ ہوائے نفسانی کے فریب کی آندھی سے پاک ہو جائے۔

اے ذات کریم! جب آپ جب میری (من بیل کو معرفت حق کے پانی سے سیراب کرو گے تو) پھر معرفتِ حق کی یہ بیل بہت پھولے پھلے گی اور فریب نفس کے تیر بالکل ختم ہو جائیں گے۔ شک وشبہ جڑ سے مٹ جائے گا۔

من کی بیل بے حد وحساب طریقوں اور رنگوں سے پھلے پھولے گی۔ موت کا فریب (ڈر) ختم ہو جائے گا اور من میں سکون واطمینان آ جائے گا۔

اے ہر بیل کے رکھوالے ہمارے من کی بیل کی بھی حفاظت کرنا تا کہ یہ دھوکے اور فریب کے تیروں سے اور نفسانی خواہشات کی آندھیوں سے محفوظ رہے۔

تشریح

اس جگہ پر معرفت ذات کا ذکر جاری ہے جہاں سالک مقامِ حیرت کا مشاہدہ کرتا ہے۔ سالک جب معرفت ذاتِ حق میں کوشش کرتا ہے تو جلالتِ ربانی کی ہیبت اور تجلیات ذات کی گھن گرج اور چمک اس قدر زیادہ ہوتی ہے کہ قوائے احساس وادراک معطل ہو جاتے ہیں اور سالک حیرت کے سمندر میں غوطے کھانے لگتا ہے۔

حضرت مولانا نور الدین جامی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ''لوائح جامی'' میں لائحہ نمبر بست و چہارم (۲۴) میں فرماتے ہیں:

''مراتبِ جود میں پہلا مرتبہ لاتعین ہے جو ہر قید اور ہر اعتبار سے بالاتر ہے اور الفاظ، اسماء وصفات، اشارہ وسمت وغیرہ سے منزہ اور پاک ہے۔ نہ نقل (کتب سماوی) اس کے جلال کو بیان کرسکتی ہے نہ عقل (منطقی دلائل) کو اس کی کنہ ذات تک رسائی ہے۔ جس طرح اربابِ کشف اس کی حقیقت کے ادراک سے عاجز ہیں۔ اس طرح ارباب علم اس کی معرفت کے حصول میں بے بس، اگر اس کی نشاندہی کی کوشش کی جائے تو بے نشانی سے واسطہ پڑتا ہے اور اس کے عرفان میں جدوجہد کی جائے تو حیرانی ہی حیرانی ہے۔

رباعیات

اے در تو نہاں ہا و عیاں باہمہ ہیچ
پندار و یقین ہا و گمان باہمہ ہیچ
از ذاتِ تو مطلق نشانے نتواں داد
کانجا کہ توئی بود نشاں باہمہ ہیچ

ترجمہ: ''اے محبوب! تجھے نہ ظاہری آنکھ دیکھ سکتی ہے نہ باطنی، نہ تو یقین کی حد میں آسکتا ہے نہ وہم وگمان میں سما سکتا ہے۔ تیری ذات مطلقاً بے نشان ہے اور ہر قسم کی نشاندہی تیرے حق میں ہیچ ہے۔'' (۵۶) (لوائح جامی صفحہ ۱۳۸)

ملفوظات محبوب یزدانی حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ (لطائف اشرفی) میں جلد دوم ص ۱۱۹ پر حیرت کی تعریف اور اس کی اقسام پر مفصل بحث موجود ہے۔

حیرت کی دو قسمیں ہیں: (۱) حیرتِ مذموم (۲) حیرتِ محمود۔

حیرتِ مذموم

دلائل اور اسناد کے تقابل سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ لوگ عقل کے گھوڑے کو استدلال کے میدان میں دوڑاتے ہیں۔ ممکنات (خلق) کے وجود کو واجب الوجود کی ہستی

پر دلیل بناتے ہیں اور نظری مقدمات کی ترتیب کے ساتھ مخلوق سے خالق کی طرف جاتے ہیں۔ چونکہ یہ لوگ اپنی خودی کے ساتھ توحید وتفرید کی حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور احوال کی آنکھ سے جمالِ توحید کو نہیں دیکھتے۔اس لیے شک کی وادی میں جا کر محرومی کا شکار ہو جاتے ہیں۔اہل کشف و وجدان نے اس حیرت سے پناہ مانگی ہے۔

حیرتِ محمود

سالکانِ طریقت راہِ سلوک کی بے نہایتی اور بارگاہِ مالک الملوک کی بے پایانی سے متحیر ہوتے ہیں۔ دریائے مشاہدہ اور صحرائے معائنہ میں سرگرداں رہتے ہیں۔ وہاں جن تجلیات وانوار کا مشاہدہ ہوتا ہے ان کے وصول وحصول سے متحیر ہو جاتے ہیں۔

متحیر انتہائے شوق میں شکل پر شکل بنانے والے کو، گمان کرتا ہے اس لیے مشاہدہ دوست سے محروم رہتا ہے۔ حالت تحیر خاندان چشت اہل بہشت سے مخصوص ہے۔ یہ حضرات مجاہدے کے بغیر مشاہدے کی نعمت پاتے ہیں۔سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دُعا فرمایا کرتے تھے کہ "رَبِّ زِدْنِی تَحَیُّرًا" (اے پروردگار! میری حیرانی میں زیادتی فرما)...... (خیال کرو) یہ کتنی بڑی نعمت ہے۔صاحبِ ہمت کا کمال تحیر میں ظاہر ہوتا ہے۔

حضرت قدوۃ الکبریٰ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ تحیر کے لغوی معنی سرگشتہ اور گم ہو جانے کے ہیں۔ متحیر شخص وہ ہے جو اپنے کسی معاملے سے نہ نکل سکے اور اپنی حالت کی طرف غور نہ کر سکے۔اگر مستغرق کو حالت استغراق میں صفات افعالی کا کشف حاصل ہو جائے تو اس کیفیت سے لوٹ سکتا ہے اور جلد اپنی اصل حالت پر واپس آ سکتا ہے لیکن متحیر کو چونکہ صفات ذاتی کا کشف حاصل ہوتا ہے اور جو کچھ دنیا اور آخرت میں ہے اسے دکھایا جاتا ہے اور مملکت الٰہی میں جو کچھ ہے اس پر ظاہر کر دیا جاتا ہے اس لیے وہ از خود اپنی اصل حالت پر نہیں آ سکتا جب تک اللہ تعالیٰ اس کو اپنی اصلی حالت پر نہ لائے۔

کسے کو سر بہ دریائے تحیر
فگندہ یافت از وجداں لآلی

سوئے ساحل نیاید تامر اورا

نیارندش ُ زبحرِ لایزالی

ترجمہ: ''جس نے اپنا سر تحیر کے دریا میں ڈال دیا اس نے وجدان کے موتی حاصل کر لیے۔ وہ خود ساحل پر نہیں آ سکتا۔ جب تک اللہ تعالیٰ اُس لازوالی سمندر سے نہ نکالے۔''

حضرت قطب الاقطاب بختیار کاکی اوشی رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ عالم تحیر میں رہتے تھے۔ ان کے خادم ان کو تین وقت دریائے حال سے ساحل قال پر اور صحرائے وصال سے کنارہ خیال تک لاتے تھے۔

اوّل: نماز کے وقت۔

دوم: جب کوئی آنے والا (ملاقاتی) آتا۔

سوم: روزہ افطار کرنے کے وقت، حالت تحیر میں جس شخص پر آپ کی نظر پڑ جاتی تھی وہ ولایت کے درجے پر پہنچ جاتا تھا۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا متحیر کبھی باریاب نہیں ہوتا۔ جب مرتا ہے عشق الٰہی میں مرتا ہے، جب اُٹھتا ہے عشق الٰہی میں مست اُٹھتا ہے۔ سوال کے وقت منکر نکیر کو حیرت سے لبریز جواب دیتا ہے۔ جب کرسی عدالت کے سامنے پیش کرتے ہیں تو اس وقت تک عالم حیرت میں رہتا ہے جب تک انوار ذات سے مشرف نہ ہو جائے۔

چو میرد مبتلا میرد چو خیزد مبتلا خیزد

مپنداری کہ مہرت از دل عاشق رود ہرگز

ترجمہ: ''یہ گمان نہ کر کہ عاشق کے دل سے تیری محبت نکل جاتی ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہوتا بلکہ عاشق جب مرتا ہے عشق میں مبتلا مرتا ہے۔ جب (میدان قیامت میں) اُٹھتا ہے تو عشق میں مبتلا ہی اُٹھتا ہے۔'' (۵۷)

شرح کلام

بے چونی کی یہی نشانی۔ ہیر ہیر آوے حیرانی

سالک جب منازل سلوک طے کرتے ہوئے لاتعین کی منزل میں تجلیات ذات میں غور کرتا ہے تو اس کی بشریت کا پہاڑ جمال الٰہی کی تجلیات کے صدمہ سے ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔ اس کی انانیت کے پردے سحاب جلال کے پرتو سے جل جاتے ہیں۔ اس کا وجود بالعرض وجود حقیقی کے انوار کی حرارت سے نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ اس بے حد و حساب اور لامکان ذات کا یہی نقصان ملتا ہے عارف ذات کو اور وہ تجلیات کی گھن گرج اور شدت انوار سے اپنے حواس کھو کر حیرت میں ڈوب جاتا ہے۔

میراں سید بھیکھ اسی ذات اقدس کو باغ عالم کا رکھوالا کہتے ہیں۔ مراتب وجود میں ظہور پا کر یہی ذات پاک بیل ہر پتے غرض عالم کون ومکان کی ہر شے کی رکھوالی کرتی ہے اس کی ربوبیت اپنی شان رحیمی اور رحمانی سے کرتی ہے۔ پھر اس ذات کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں کہ میرے من کی بیل ہوائے نفس کی آندھی کی شدت سے مرجھائی جاتی ہے۔

اس مرجھائی ہوئی بیل کو اپنی ذات کی معرفت کے آب حیات سے سیراب کر دو تا کہ یہ بیل نفسانی فریب اور حرص وہوا کی آندھی سے محفوظ ہو جائے۔

آپ (خدائے لم یزل) کی مہربانی سے جب معرفت ذات وصفات حاصل ہوگی تو قلب کے اندر معرفت کا شجرہ طیبہ اس طرح پھلے پھولے گا کہ جس کا کوئی حد وحساب نہ ہوگا اور یہ شجرۂ انوار نفس وشیطان کے مکر وفریب کے تیروں سے محفوظ ہو جائے گا۔ جونہی قلب میں معرفت حق کا پودا برگ و بار لائے گا سالک سکینت وطمانیت کے بحر بیکراں میں ڈوب جائے گا۔ آخر میں جناب میراں سید بھیکھ ذات حق سے اپنے من کی بیل (معرفت حق کے پودے) کی حفاظت کی درخواست کرتے ہیں تا کہ نفسانی خواہشات اور مکر شیطانی سے ہمیشہ کے لیے حفاظت نصیب ہو جائے۔

بند نمبر ۵۰

تم پرت پال بیل سب مالی — سب پھلوار مہر جل پالی
سب کو ایک ایک کر سینچو — ہم سے تم اکھیاں کیوں مینچو
جہاں لو بیل پھول پھل تیرے — ہم کس کے کہہ صاحب میرے
سب تیرے سب کو تو پوچھے — سن کرتا بھیکھا کس کہیئے
کر کرپا جل مہر بھیجوؤ — پیاس بھرم دبدھا کے کھووؤ
تب من بیل ٹھیک ات پھولے — دیکھت دیکھت جنم دکھ بھولے

بھیکھ کرے ات بینتی سن کرتا جگ باگ
مومن بیل کے پھول کو لگے نہ دبدھا داگ

فرہنگ

پرت پال: حفاظت کرنے والا، پناہ دینے والا، پالنے والا، مہر جل: مہربانی کا پانی، مینچو: بند کرو، جہاں لو: جہاں بھی، ہر جگہ، کرتا: کرنے والا، فاعل حقیقی، بھجوؤ: تر کردو، بھگودو، مو: میری، مومن بیل: میرے من کی بیل۔

ترجمہ

اے حق تعالیٰ! آپ ہی (کائنات کی) بیل کے پالنے والے ہیں اور آپ ہی نے اپنے فیضان کے پانی سے اس کائنات کی باغیچی کو پالا ہے۔

آپ اس کائنات کی ہر ہر شے کو اپنے آب کرم سے سیراب کر رہے ہو پھر ہماری طرف سے اپنی آنکھ کیوں بند کر لی ہے؟

جہاں بھی بیل بوٹے پھل پھول ہیں (تمام عالم وجود) سب آپ ہی کے ہیں تو پھر اے میرے مالک! یہ بتائیے ہم کس کے ہیں؟

یہ سب (عالم کون و مکان) تمہارے ہی ہیں اور تم سب کی خبر گیری کرتے ہو تو پھر اے کردگارِ عالم بھیکھ (اپنی داستان) کس سے کہے؟

مہربانی کر کے اپنے فضل کے پانی سے میری (روح) کھیتی بھی سیراب کر دیجئے۔ میرے من کی پیاس بجھا کر نفس و شیطان کے وسوسوں اور فریب کو ختم کر دیجئے۔

(آپ کا کرم ہو جائے گا) تو میرے من کی بیل خوب پھلے پھولے گی جس کو دیکھ دیکھ کر میں اپنی زندگی کے دُکھ بھول جاؤں گا۔

اے باغ کائنات کے کرتا دھرتا، بھیکھ تیری منت سماجت کرتا ہے کہ اس کے من بیل کو، فریب نفس اور شک (بے یقینی) کا داغ نہ لگے۔

تشریح

پچھلے چند بند ثمرات معرفت حق کے متعلق تھے۔ یہ بند مخلوقات عالم میں فیضان ذاتِ حق کے متعلق ہے مگر کچھ ذکر سیر فی اللہ کا بھی ہے۔ عالم کون و مکان یعنی عالم غیب اور عالم شہادہ کا وجود ہی ذاتِ حق کے فیضان کا نتیجہ ہے۔ اسی ذات سے ان عالموں کا صدور ہوا ہے اور یہ سب عوالم اسی کے فیضان کے سہارے قائم ہیں۔

مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ اپنے لائحہ ۳۲ میں فرماتے ہیں:

''جس طرح ذات حق اپنی تنزیہہ (اطلاق و لطافت) کی حیثیت سے ہر چیز میں جاری و ساری ہے اسی طرح ذات حق کی صفات بھی کلی طور پر ہر چیز کی صفات میں جاری و ساری ہیں۔

رباعی

اے ذاتِ تو در ذوات اعیان ساری
اوصاف تو در صفاتِ شاں متواری
وصف تو ذات مطلق است اما نیست
در ضمن مظاہر از تقید عاری

ترجمہ: ''یاالٰہی! تیری ذات تمام اشیاء کی ذوات میں جاری وساری ہےاور تیری صفات ان اشیاء کی صفات میں جاری ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ہر صفتِ مطلق (لامحدود) ہےاوراشیاء کی ہر صفت مقید (محدود) ہے۔'' (۵۹)

دوسرے لفظوں میں ذوات وصفاتِ موجودات میں اللہ تعالیٰ ہی کی ذات اور صفات جاری وساری ہیں اوراسی کے فیضان سے یہ سب وجود پذیر ہیں۔

ابن عربی فصوص الحکم میں فص آدمیہ میں بیان فرماتے ہیں:

''یادرکھو کہ یہ عادت الٰہی ہے۔ یہی حکم الٰہی کی شان ہے کہ وہ جب کسی محل کو مستوی (تسویہ) اور درست کرلیتا ہےتو اس میں تجلی قبول کرنے کی استعداد آجاتی ہے۔ پھراس پرتجلی فرماتا ہےاس محل میں تجلی حق ہی کونفخ وروح کہتے ہیں۔ پھرنفخ کے بعد کیا ہوتا ہے وہ مسویٰ اور درست کیا ہوا محل اپنی استعداد میں ترقی کرتا ہے تاکہ وہ تازہ بتازہ تجلی لم یزل ولایزال کوقبول کرتا رہے۔ (۶۰) (فصوص الحکم، ترجمہ: مولانا عبدالقدیر صدیقی، صفحہ ۳۸)

شیخ الاکبرابن عربی مزید فرماتے ہیں:

''یہ محال ہے کہ کوئی شے عدم محض سے وجود میں آئے۔ اصل وجوداور سببِ وجود فیض الٰہی ہے جودائم ہے۔ یہ فیض الٰہی تجلی الٰہی ہے۔ وہ تجلی ہر لحظہ، ہرموجود کی اللہ کی روح سے مدد کررہی ہےاوردیکھنے والاان گوناگوں صورتوں میں اسی کودیکھ رہا ہےاورجن صورتوں میں وہ روح الٰہی ظہورفرما ہےاسی کا نام خلق ہے جوتجلی الٰہی کا دائمی مظہر ہے۔''

شیخ اکبر نے فیض الٰہی کی دوقسمیں بتائی ہیں:

(۱) فیضِ اقدس

ذاتِ احدیت کی وہ تجلی ہے جونفس ذات میں نفس ذات ہی کے لیے ان تمام ممکنات کی صورت میں ہوئی جن کے وجود کا تصور بالقویٰ نفس ذات میں تھا۔

مراتب تعینات میں یہ پہلا تعین ہے جو وجود مطلق کی طبیعت میں واقع ہوالیکن

یہ تعینات معقولہ ہیں جو معلومات الٰہیہ یا اعیان ثابتہ کہلاتے ہیں لیکن عالم حسی یا خارجی میں ان کا کوئی وجود نہیں ہے۔ یہی حقائق معقولہ یا صورِ معقولہ اعیان ثابتہ ہیں۔

(۲) فیضِ مقدس

تجلی وجودی ہی وہ واحد تجلی ہے جو کثرت وجودیہ کی بے شمار صورتوں میں ہو رہی ہے اور اسی تجلی سے اعیان ثابتہ کا ظہور ہو رہا ہے۔ یہی تجلی اعیان ثابتہ کو عالم معقول سے عالم محسوس میں نمایاں کرتی ہے اور جو کچھ بالقویٰ ہے اسے بالفعل صورت میں لاتی ہے۔ پس فیض مقدس، اعیان کی صورتوں میں تجلی حق ہے اور وجود مطلق کی طبیعت میں جو درجات تعین ہیں ان میں یہ دوسرا درجہ ہے۔ (۶۱) (فصوص الحکم تنبیہات وتشریحات صفحہ ۴۱-۴۰)

اسمائے حسنیٰ میں الرحمٰن ہی نظامِ وحدانی کا مبدأ ہے

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ''البدور البازغہ'' کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''بہر حال اسمائے حسنیٰ میں وہ اسم جو اس نظامِ وحدانی کا مبدأ ہے اور جس کے بعد اور کوئی اسم نہیں وہ ''الرحمٰن'' ہے میں ''الرحمٰن'' کی عمومیت اور علوم و معارف بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ ہاں اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ عالم بالا و اسفل کا تمام فعل و انفعال تمام حقائق کائنات کا عدم سے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہونا اور ہر ایک چیز میں مختلف آثار و خواص کا ودیعت کیا جانا، حتیٰ کہ عالم ارض و سما کے تمام تغیرات اسی اسم پاک کی تجلی ہیں اور اسم پاک کی نسبت تمام اجناس و انواع اور اشخاص و افراد سے یکساں ہے۔ اس کے فیضان کی حیثیت ایک کلی کی ہے جس کو اپنے تمام افراد اور جزئیات سے یکساں نسبت ہے اور اس فیضان کا مبدأ ذات اقدس کی رحمانیت مطلقہ ہے۔'' (۶۲)

(البدور البازغہ، مترجم: ڈاکٹر قاضی مجیب الرحمٰن، ص ۳۷-۳۸)

شرح کلام

حضرت میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ صادر اوّل اور احسن الخالقین سے مخاطب ہیں کہ تیری ذات کریم اس کائنات کے سب برگ و بار اور گلشن تخلیق کے ہر پھول کی حفاظت کرنے والی ہے، اُسے وجود بخشنے والی اور پھر اس کی ربوبیت کرنے والی ہے۔ یہ سب فیضان مقدس ذات حق کا کرشمہ ہے تو ہی اپنے فضل اور کرم کی بارش سے اس گلشن تخلیق کو پال رہا ہے۔ اس کارگہِ وجود کے ایک ایک ذرے کا تو رب ہے اُسے پالتا ہے، اُسے حیات بخشتا ہے، پھر ایسی سخاوت وکرم گستری کا مالک ہوکر میری طرف سے آنکھیں کیوں بند کی ہوئی ہیں۔ عالم وجود کی حدود جہاں تک بھی ہیں اس میں ایک ایک مظہر وجود، سب تیرا ہی فیضان ہے تو پھر اے میرے مالک! تو بتا ہم کس کے ہیں؟ یعنی ہم بھی تو تیری ہی مخلوق ہیں۔ تیری ہی راہِ سلوک میں تجھی کو تلاش کرر ہے ہیں۔ اے محبوب عالم کون و مکان ہم بھی تو تیرے ہی قرب اور وصل کے طالب ہیں۔

ذاتِ حق سے یہ شکایت سالک اسی وقت کرتا ہے جب راہِ سلوک میں اس کی پرواز ذاتِ حق میں شروع ہو جاتی ہے۔ ذاتِ حق میں سفر کو سیر فی اللہ اور فنا فی اللہ بھی کہا جاتا ہے۔ اب چونکہ ذات حق کی کوئی انتہا نہیں اس لیے سالک کی بھی سیر فی اللہ میں کوئی انتہا نہیں چاہےتو ساری عمر بلکہ ہزاروں، لاکھوں سال ذاتِ حق میں سفر کرے، سفر کی انتہا نہیں ہوتی بلکہ جس خوش نصیب شخص کی ذاتِ حق میں سیر شروع ہو جاتی ہے تو موت کے بعد قیامت تک اور قیامت کے بعد بہشت میں بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سیر فی اللہ میں منہمک رہتا ہے۔

عاشق ذات حق سیر فی اللہ میں جوں جوں آگے بڑھتا ہے اس میں شوق اور آتش عشق اور بھڑ کتے ہیں اور ھل من مزید کا نعرہ لگا تا رہتا ہے۔ نہ ذات حق کی انتہا نہ طالب مولا کے ذوق طلب میں کوئی کمی، ہر مقام پر طلب مزید رہتی ہے۔ اسی لیے حضرت میراں سید بھیکھ فرماتے ہیں:

ہم سے تم اکھیاں کیوں میچو

حضرت بابا فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ذات حق میں سفر کرنے والا متحیر کبھی باریاب نہیں ہوتا۔ جب مرتا ہے عشق الٰہی میں مست مرتا ہے اور جب (میدان حشر میں) اُٹھتا ہے عشق الٰہی میں مست ہی اُٹھتا ہے۔''

چو میرد مبتلا میرد چو خیزد مبتلا خیزد
مپنداری کہ مہرت از دل عاشق رود ہرگز

(بوعلی شاہ قلندرؒ)

ترجمہ: ''تو یہ گمان نہ کر کہ تیری محبت عاشق کے دل سے نکل جاتی ہے ایسا ہرگز نہیں ہوتا بلکہ وہ تو جب مرتا ہے (تیرے عشق میں) مبتلا مرتا ہے اور جب (روزِ قیامت) اُٹھتا ہے عشق میں مبتلا اُٹھتا ہے۔'' (۲۳) (لطائف اشرفی، جلد دوم صفحہ ۱۱۹ تا ۱۲۱)

سیر فی الذات میں عاشق ذات یہی التجا کرتا رہتا ہے کہ اپنے کرم اور فیضان کی بارش سے مجھے سیراب کر دو تا کہ میرے من کی پیاس بجھ جائے اور میرے اندر شک اور شبہ کے نفسانی وسوسے دھل جائیں۔ اے ذات کریم! تمہاری فیض رسانی سے میرے قلب میں تمہاری معرفت کی بیل اس قدر پھلے پھولے کہ اس کی بہار دیکھ دیکھ کر میں اپنے سارے غم و اندوہ بھول جاؤں۔ اے عالمِ وجود کے کردگار! تیری بارگاہ میں التجا ہے کہ میری من بیل میں کھلنے والے پھولوں کی حفاظت فرما تا کہ اس میں شکوک و شبہات اور شیطانی وسوسوں کے داغ نہ لگ جائیں۔

اللہ تعالیٰ کی ذات لامتناہی ہے اس کے جملہ صفات بھی لامتناہی ہیں اس لیے حق تعالیٰ کے حسن و جمال کی بھی کوئی حد نہیں۔

شیخ سعدی شیرازی فرماتے ہیں:

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی راسخن پایاں
بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

ترجمہ: ''نہ اس کے حسن کی کوئی حد ہے اور نہ ہی سعدی کے کلام کی کوئی انتہا۔ یعنی نہ ذات حق کی کوئی انتہا نہ طالب مولیٰ کے ذوق وشوق میں کوئی کمی۔ طالب حق سفر کرتے کرتے استسقیٰ کے مریض کی طرح پانی پی پی کر ختم ہو جاتا ہے اور ذات حق دریا کی طرح رواں دواں رہتی ہے۔''

لہٰذا عاشق صادق جس قدر حق تعالیٰ کے قرب میں جاتا ہے اور حسن و جمال کا مشاہدہ کرتا ہے تو اس سے اوپر ایک اور منزل نظر آتی ہے جب اس منزل پر پہنچتا ہے تو ایک اور منزل نظر آ جاتی ہے۔ غرض یہ کہ وہ قرب و وصال کی منازل پہ منازل طے کرتا رہتا ہے لیکن حسن و جمال کے لطیف سے لطیف تر جلوؤں کی کوئی انتہا نہیں۔ ہر وقت نئی آن نئی بان نئی شان سے محبوب حقیقی جلوہ گر نظر آتا ہے اور شدت طلب کی وجہ سے عاشق صادق قریب سے قریب تر اور قریب تر سے قریب ترین ہونے کی کوشش کرتا ہے لیکن ناکام رہتا ہے کیونکہ حسن و جمال اور قرب و وصال کی کوئی حد نہیں۔ اس لیے عین وصل میں بھی بے قرار رہتا ہے اور پکارتا ہے:

ہمہ عمر باتو قدح زدیم و نرفت رنج خمار ما
چہ قیامتے کہ نمے رسد زکنار ما بہ کنار ما

ترجمہ: ''اے محبوب! ہم نے تمام عمر آپ کے ساتھ شراب نوشی کی یعنی حسن و جمال کی حقیقی شراب کے جام پہ جام لنڈھائے مگر پھر بھی ہمارا شوق پورا نہ ہوا۔ یہ کیا قیامت ہے کہ محبوب ہمارے پہلو میں ہوتے ہوئے پہلو میں کیوں نہیں ہے؟''

(۶۴) (مقابیس المجالس، تحقیق وترجمہ کپتان واحد بخش سیال، صفحہ ۱۹۰۔۱۹۱)

بند نمبر ۵۱

یا گت تمری تم ہی جانو اور نہ جانے کیسے سیانو
یا گت کو مت کچھو نہ پایو رُکھ من نج کہوں نا نہہ بتایو
سادھو جیوں جیوں کھوجے تاہیں تیوں تیوں آگو آگو جائیں
بوجھے کنہوں نہ کاہو لہے سوجھے کنہوں نہ کاہو کہے
کچھو نہیں بوجھے سبھے پکارے کھوج کھوج چھوں جگ میں ہارے
بوجھ سوجھ میں تاہ جو آوے کہہ سادھو تس کہاں بتاوے

سوجھ بوجھ سوں باہری توہ گت اپرم پار
تمری گت کو تم لکھو تمہیں جو لکھنے ہار

فرہنگ

رُکھ: درویش (جو خود بھی عمل کرتا ہے اور دوسروں کو بھی تلقین کرتا ہے۔)، مُنی: درویش خودمست، جو دوسروں سے کوئی تعلق نہ رکھے۔ نج: خالص اپنا، سچ، حقیقت، لکھو: جانو، سمجھو۔

ترجمہ

اے خدائے لم یزل اپنی (لامحدودیت) کی شان کو آپ خود ہی جانتے ہو۔
دوسرا کوئی خواہ کتنا ہی عقل مند اور سمجھ دار کیوں نہ ہو وہ نہیں سمجھ سکتا۔
انسانی عقل اور سمجھ نے اس شان (لاتعین) کو کچھ بھی نہیں سمجھا۔ تمام عابد و زاہد ولی اور درویشِ خودمست بھی اس بارے میں کچھ نہ بتا سکے۔
(سیر فی اللہ میں) سالک غور کرتے کرتے جس قدر آگے آگے بڑھتا ہے۔
تیری ذات بے حد وحساب حصر اسی قدر آگے جائے جاتی ہے۔
کوئی سالک کوئی درویش خدامست، تیرا کھوج نہ لگا سکا، نہ ہی تیری ذات

لامحدود کسی کی سمجھ میں آئی اور نہ ہی کسی کی عقل وفکر میں سمائی کہ کوئی کچھ بیان کر سکے۔

سبھی تجھے پکارتے ہیں۔لیکن تو کسی کی سمجھ میں نہیں آتا۔تیرے تلاش کرنے والے جگ میں چاروں طرف تجھے ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک ہار گئے۔

جو ہستی کسی کی عقل وفکر میں ہی نہ آئے تو تو ہی بتا کہ درویش ترا پتہ کہاں بتائے؟

تمہاری شان تو ایسی ہے جو بے حدو کنار اور فکر وعمل کی حدود سے بہت بلند ہے۔

اپنی شان کو آپ خود ہی سمجھتے ہو کیونکہ آپ خود ہی اپنی ذات کے عارف ہو۔

تشریح

معرفت ذات حق کے مقام پر سیر فی اللہ کا ذکر ابھی جاری ہے۔ذاتِ حق کی شان لامحدود اور ورائے تقید وتعینات کا ذکر اس بند میں ہو رہا ہے۔

حق تعالیٰ اپنی ذات میں قدیم از خود زندہ اور از خود قائم ہے۔اس کا وجود، وجود ذاتی ہے۔اس کی ذات کی کوئی حد ہے نہ انتہا، نہ وہ کسی مکان میں سما سکتا ہے نہ کسی زمان میں کیونکہ دونوں اسی کی مخلوق ہیں۔اس کی ذات تغیر وتبدل سے پاک ہے۔عالم وجود کو اس کی ذات نے پوری طرح گھیرے میں لیا ہوا ہے، اطلاق یا تنزیہہ کے لحاظ سے ہر تعین، ہر تقید، ہر اسم ورسم اور ہر صفت سے پاک ہے۔علم وعرفان سے منزہ ہے عقل وادراک سے ماوراء ہے، تقید وتشبیہ کے اعتبار سے حقیقت، وحدت وکثرت، ظاہر وباطن، عبد ورب، حادث وقدیم مخلوق وخالق، عالم اور الہِ عالم سب کچھ ہے کل ہے کل الکل ہے جو کچھ ہے بس وہی ہے، وہ ہی وہ ہے دوسرے کا نام ہے نہ نشان، نہ جود ہے نہ نمود ہے، غیر اللہ نظر آتا ہے تو یہ نظر کی کجی ہے ورنہ ہر صورت میں حق نمایاں ہے، حق ہی پنہا ہے وہی ظاہر ہے وہی باطن ہے وہ اشیائے کائنات کی لاتمناہی صورتوں میں ظاہر ہے اور ان صورتوں میں جو ماہیات اور حقائق پوشیدہ ہیں وہی ان میں باطن ہے۔

(۶۵)(فصوص الحکم تنبیہات وتشریحات صفحہ ۱۲۸۔۱۲۷)

شرح کلام

اس بند میں بھی سیر فی اللہ کا مضمون جاری ہے۔ ذاتِ لامحدود و بے تقید کے مشاہدہ میں سالک سوائے تحیر کے اور کچھ نہیں پاتا اور اپنے عجز کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اے مالک کون و مکان تمہاری شانیں لامتناہی اور حدود و حصر سے ماوراء ہیں۔ لہٰذا تیرا بندہ تیری معرفت کلی کے حصول سے عاجز ہے تو اپنی ذات کا عارف خود ہی ہے۔ تیرا غیر جتنا بھی عقل مند اور صاحب علم و دانش ہو وہ تیری معرفت تامہ سے قاصر ہی رہے گا۔ اس راستے میں انسانی عقل و خرد ناکام رہی ہے اور تمام سالکین راہِ حق وہ کتنے ہی زہاد اور عابد کیوں نہ ہوں سب کے سب حقیقت تامہ کے ادراک و وصول سے قاصر ہیں۔ تیرے عشاق نے تیری راہ میں جتنے بھی مشاہدے کیے، انہوں نے جتنا بھی عروج پایا، تیری ذات پاک کو اس سے بھی پرے پایا۔ بالآخر وہ پکار اُٹھتا ہے:

"مَا عَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ" (یعنی ہم نے تجھے نہ پہچانا جیسا تیرے پہچاننے کا حق تھا)

سبھی تجھے پکارتے ہیں، تیرا ذکر کرتے ہیں۔ ہر ایک کی تارِ حیات تیرے ذکر سے ہی وابستہ ہے۔ کائنات کے ذرے ذرے میں تیرا ظہور ہے مگر تیری ذات کو ڈھونڈنے نکلیں تو عالم کے سب کونوں میں جھانک لیں تو نہ ملے گا تو تو اپنی شدت ظہور کے پردوں میں چھپا ہے۔

تو دل میں تو آتا ہے، سمجھ میں نہیں آتا
میں جان گیا بس تیری پہچان یہی ہے

حق تعالیٰ اپنی ذات کو خود ہی پہچانتا ہے اور اپنا عارف خود ہی ہے۔ بندہ اس کی مخلوق ہے۔ حادث ہے۔ لہٰذا حادث کا علم محدود ہے اور حادث ہے جن سے لامحدود اور لافانی کی معرفت حاصل نہیں ہوسکتی۔ بندہ یعنی وجود بالعرض حقیقت کلی کا اتنا ہی ادراک کرسکتا ہے جس قدر اس کی استعداد ہے اور جس قدر حقیقت کلی اس پر متجلی ہو اور یہ بھی عرفانِ اسماء وصفات تک محدود ہے۔

بند نمبر ۵۲

بیج بیل بہہ رنگی سونجی — داکھ بیل ات لگی چرونچی
زرد آلو بناآلو بوئے — گیان لہر کے نیر بھجوئے
جو چاکھے سو ات لہراوے — گیان لہر کی بات سناوے
گیان لہر کے اٹ پٹ باتا — جیوں کدلے مدھ پاتو پاتا
کیا کہیے کچھ کہہ نہیں آوے — سمند لہر جیوں سمند سماوے
کہنے سننے کی کچھو ناہیں — گیان لہر من کے من ماہیں

گیان لہر جا من بسے تا من ات لہرائے
بیل پھول پھلوار کو جانے ایکو بھائے

فرہنگ

سونجی: سوجی، میدہ، چرونجی: پھل، نیر: پانی، بھجوئے: سیراب کرے، اٹ پٹ: ٹیڑھا، مشکل، پیچیدہ، باتا: بات، معاملہ، قصہ، کدلے: کیلا، مدھ: درمیان، تنا، پاتو پاتا: تہہ درتہہ پتے، ہی پتے۔

ترجمہ

(کائنات کی) بیل کا بیج بوکر کثرت کو (وجود بخشا) (طرح طرح کے پھل، ترکاریاں) سہانجنا، منقا، انگور اور چرنجی وغیرہ کے پھلوں میں ظہور کیا۔

زرد آلو اور بنالو وغیرہ تخلیق کیا اور انہیں (موجودات عالم کو) معرفت حق کے پانی سے سینچا (موجودات میں ظہور کر کے اپنی معرفت کا ذریعہ بنایا۔)

(موجودات میں شانِ ظہور حق کو) جو چکھتا ہے (سمجھ لیتا ہے) وہ اس شان حق کے اثر سے جھوم اُٹھتا ہے اور معرفتِ حق کی ہی بات سناتا ہے۔

معرفتِ حق کا معاملہ (بات) بہت پیچیدہ اور مشکل ہے۔ یہ تو کیلے کے درخت کے تنے کی مانند ہے جس میں تہہ در تہہ پتے ہی پتے ہوتے ہیں۔ (ایک تہہ کھولو تو نیچے دوسری تہہ ہوتی)

(عالم وجود میں کثرت اور وحدت کے اسرار) اس قدر گمبھیر ہیں کہ ان کے بارے میں کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ (وحدت سے کثرت اور کثرت سے وحدت کا مشاہدہ) ایسا ہے جیسے سمندر سے لہر اُٹھے اور سمندر میں ہی سما جائے۔

معرفتِ ذاتِ حق کے بارے میں تو کہنے اور سننے میں کچھ نہیں آ سکتا۔ یہ تو من (باطن، قلب) کی بات ہے جو قلب اور باطن ہی میں رہتی ہے (سماعت اور کلام اس کے متحمل نہیں ہو سکتے۔)

جس کے من میں نور معرفت جگمگا اٹھتا ہے وہ اس کے اثر سے جھوم اٹھتا ہے۔ پھر وہ بیل پھول اور پھل کو ایک ہی جڑ کی جلوہ گری سمجھتا ہے (یعنی تمام کثرت کا صدور ایک ہی احدیت سے ہوتا ہوا دیکھتا ہے۔)

تشریح

معرفت حق پر کلام کا سلسلہ جاری ہے۔ سالک سیر فی اللہ میں مقامات حیرت اور فنا فی اللہ کے منازل سے گزر کر تکمیل سلوک کی منزل پاتا ہے تو اسے بقاباللہ کا مرتبہ عطا ہوتا ہے۔

بقاباللہ کیا ہے؟

راہِ سلوک میں سالک کو جب اسلامی عبادات و فرائض، نوافل وظائف و اذکار کے ذریعہ تزکیہ نفس، تصفیہ قلب اور تخلیہ روح نصیب ہوتا ہے تو اس کی نفسانیت میں کمی اور روحانیت میں قوت پیدا ہوتی ہے جس سے وہ عالم قدس کی طرف پرواز کرتا ہے۔ معرفت حق میں یہ سفر عروجی جاری رکھتے ہوئے جب سالک صفاتِ حق میں اپنی صفات کو گم کر کے صفاتِ حق میں ہی رنگا جاتا ہے تو ہیکل عبدی میں صفاتِ حق قائم مقام ہو جاتی ہیں۔ یہی فنا فی اللہ کا مقام ہے۔

جب سالک ذاتِ احدیت میں ترقی کرتا ہے اور کلی طور پر محو اور فانی ہو جاتا ہے تو اس پر اس قدر لاشعوری کیفیت طاری ہو جاتی ہے کہ فنا کو بھی بھول جاتا ہے یعنی یہ احساس کہ میں فنا ہو چکا ہوں، بھی جاتا رہتا ہے۔ اس مقام کو فناء الفنا کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

لیکن اسلام میں فنا فی اللہ آخری مقام نہیں ہے جہاں پہلی اُمتوں میں فنا منزل مقصود تھا۔ اسلام نے اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ (سورۃ المائدۃ: آیت ۳) کا اعلان کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جامعیت سے بنی نوع انسان کو حصہ دیا اور فنا فی اللہ کے بعد بقاباللہ کو آخری منزل قرار دیا۔ اس لیے اسلامی تعلیمات کا خاصہ یہ ہے کہ جب سالک اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متخلق ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنے بندے کی آنکھیں بن جاتا ہوں وہ مجھ سے دیکھتا ہے، میں اس کے کان بن جاتا ہوں وہ مجھ سے سنتا ہے۔ میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں وہ مجھ سے پکڑتا ہے، میں اس کے پاؤں بن جاتا ہوں، وہ مجھ سے چلتا ہے اور میں اس کی زبان بن جاتا ہوں وہ مجھ سے بات کرتا ہے۔ یعنی سالک اپنی سیر عروجی کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے اختیارات کے ساتھ، سفر نزولی یا سیر من اللہ اختیار کرتا ہے۔ اس مقام پر سالک کو سیر مع اللہ یا باقی باللہ کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔

سالک کے اس مقام پر عود کرنے کو بقاباللہ کے نام سے اس لیے موسوم کیا جاتا ہے کہ یہاں پہنچ کر سالک اپنی ذات سے فانی اور ذات وصفات حق سے باقی ہو جاتا ہے جہاں مقام فنا کا خاصا، سکر استغراق، محویت اور مستی ہے وہاں بقاباللہ کا خاصا صحو یعنی ہوشیاری اور تمکین ہے۔ سالک اس مقام پر رشد وہدایت پر مامور ہوتا ہے اور دیگر فرائض زندگی سرانجام دیتا ہے۔ (۶۶) (مقابیس المجالس، شرح، کپتان واحد بخش سیال چشتی، صابری، صفحہ ۱۰۲۔۱۰۱)

کمال حقیقی

راہِ سلوک میں منازل سلوک طے کرنے والے سالک کا کمال حقیقی یہی ہے کہ وہ آئینہ کثرت میں وحدت کا مشاہدہ کرے اور کثرت اس کے لیے حجاب وحدت نہ ہو، وہ خلق کو حق میں اور حق کو خلق میں دیکھے۔ دوسرے لفظوں میں سالک کو بقا باللہ کے مقام پر اللہ تعالیٰ خلقت سے محجوب نہیں کرتا اور نہ ہی مخلوق اُسے حق سے محجوب کرتی ہے۔

حضرت شاہ سید محمد ذوقی اپنی کتاب سرِّ دلبراں میں فرماتے ہیں:

بقاباللہ: وہ بقا جو فنا کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ رجوع الی البدایۃ جمع الجمع، فرق ثانی۔

فنائے صفاتی کے بعد جو بقا حاصل ہوتی ہے اُسے قرب نوافل کہتے ہیں یعنی بندہ کی صفات اور بندہ کے افعال کا فنا ہو جانا اور ان کی جگہ خدا کی صفات اور خدا کے افعال کا قائم ہو جانا۔

فنائے ذاتی کے بعد جو بقا حاصل ہوتی ہے اُسے قرب فرائض کہتے ہیں یعنی بندہ کی ذات کا خدا کی ذات میں گم ہو جانا۔ اس مرتبہ میں بندہ اپنی ذات سے غائب اور ذاتِ حق سے حاضر ہو جاتا ہے۔ خوارق کا ظہور قربِ نوافل میں ہوتا ہے کیونکہ خوارق کا تعلق اسماء صفات سے ہے۔ قرب فرائض میں بندہ رنگ بے رنگی میں رنگ جاتا ہے اور اسی کو رجوع الی البدایۃ کہتے ہیں۔

مزید فرماتے ہیں:

اطلاق میں فناءِ اتصال کے بعد بغرض تکمیل ناقصاں بمقتضائے حکمت الٰہی عالم پر جو مرتبہ تقید ہے (سالک کا) واپس گزرنا۔ یہ بقا بعد الفنا ہے جو کہ مقام تمکین ہے۔(٦٧)

حضرت سید علیم اللہ شاہ صاحب فاضل بہشتی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ جو کہ حضرت میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب نزہۃ السالکین کے افتتاحی پیرا میں بقا باللہ کے مقام کا نچوڑ نہایت خوبصورت انداز میں بیان فرما دیا ہے:

''اس خداوند تعالیٰ کی تعریف کہ جس نے عارفین کے دل نورِ معرفت سے اس لیے منور کیے ہیں کہ وہ صورت اغیار (تقیدات وتعینات) میں یار کا مشاہدہ کریں اور طالبانِ حق پر ہدایت کے دروازے اس لیے کھولے ہیں کہ یہ بیگانہ حرفِ دوئی کو لوحِ دل سے محو کر کے یگانہ ہو جائے۔'' (۶۸)

شرح کلام

ذاتِ حق نے جب مرتبہ احدیت سے کلمہ کن کا بیج بویا اور کثرت میں ظہور فرمایا تو اپنی لاتعداد شانوں کی تجلیات کے ساتھ ورائے حد حصر اشیاء کو وجود بخشا۔ تمام عالم وجود یعنی عالم غیب اور عالم شہادہ سب وجود میں آئے۔ زمین و آسمان تخلیق ہوئے ان کا تسویہ کر کے حضرت انسان کی حیات کے لیے ان میں موزونیت استوار کی اور پھر انسان کو بطور اپنے نائب کے زمین پر بھجوایا۔

عالم موجودات کی تمام اشیاء چونکہ ذات حق کے کلمہ کن کے بیج سے ہی وجود پذیر ہوئی ہیں۔ معرفتِ حق اور اپنے خالق و مالک واحد کی یاد اور تسبیح ان کی سرشت میں موجود ہے۔ اسی لیے کائنات کی تمام اشیاء اپنے رب کی معرفت سے سرفراز اور اس کے ذکر سے شاداں و فرحاں ہیں۔ گویا ذات حق نے موجوداتِ عالم کو اپنی معرفت کے آب حیات سے سیراب کیا ہے۔

چونکہ اسماء و صفات الٰہی بے شمار ہیں۔ اس کی شانیں لامحدود ہیں لہٰذا ان کی معرفت تامہ بھی ممکن نہیں۔ یہ بات اس قدر پیچیدہ اور مشکل ہے کہ عقل انسانی کی حدود سے باہر ہے۔ ایک حقیقت کو پالو گے تو اس کے بعد دوسری حقیقت سامنے ہوگی اور یہ لامتناہی سلسلہ جاری رہے گا۔ اس صورتحال کو کیلے کے درخت کے تنے سے تشبیہ دی ہے کہ وہ پتے ہی پتے ہوتے ہیں ایک پتہ ہٹاؤ تو نیچے دوسرا پتہ ملے گا وہ ہٹاؤ تو اور پتہ نیچے ہوگا۔

سیر مع اللہ اور بقاباللہ کے مقام پر جب سالک اپنی صفات اور اپنے اعمال کے اختیار سے فنا ہو کر صفات و افعال حق کے ساتھ باقی ہو جاتا ہے تو وہ عالم غیب اور عالم شہادہ میں ہر شے کو ذات حق کی بے شمار شانوں کا ظہور ہی سمجھتا ہے۔ اپنے اور دوسروں کے تمام اعمال، کائنات میں ہونے والی ہر ہر حرکت کو بموجب "لَافَاعِلَ وَلَا مُؤَثِّرَ اِلَّا اللّٰہ" (یعنی اللہ تعالیٰ کے علاوہ حقیقت میں نہ کوئی فاعل ہے اور نہ ہی کوئی مؤثر) اللہ ہی کا فعل جانتا ہے کیونکہ سالک پر امرِ حق ہی غالب آ چکا ہوتا ہے۔

سالک جب مظاہر فطرت میں ہر طرف ذات ہی کا جلوہ دیکھتا ہے۔ آفاق میں اس کی نشانیاں دیکھتا ہے۔ انفس میں اس کا ظہور دیکھتا ہے تو اس ذات حق کی معرفت کے اثر سے جھومنے لگتا ہے۔ پھر ہر شے سے اسے وجودِ حقیقی ہی نظر آتا ہے۔

مگر سالک قرب فرائض میں جب اپنی ذات سے فنا ہو کر ذاتِ حق کے ساتھ باقی ہو جاتا ہے تو وہ بے رنگی کے رنگ اور بے کیفی کی کیفیت سے دوچار ہوتا ہے۔ اس مقام پر کچھ کہنے سننے کی پوزیشن نہیں ہوتی بلکہ صورتحال کچھ ایسی ہوتی ہے جیسی سمندر کی لہریں سمندر سے ہی نکلتی ہیں اور سمندر میں ہی سما جاتی ہیں۔ معرفت ذاتِ حق میں اس مقام پر الفاظ و بیان ساتھ نہیں دیتے۔ یہ تو محسوسات قلب ہیں جن کا اظہار الفاظ میں ممکن نہیں بلکہ فناء الفنا کے مقام پر تو سالک اپنے وجود کے احساس سے بھی فانی ہو جاتا ہے۔ چہ جائیکہ وہ کچھ محسوس کر سکے۔

وحدت و کثرت کا معاملہ جب سالک کو سمجھ میں آ جاتا ہے تو قرب محبوب کے نشہ میں وہ جھوم اُٹھتا ہے۔ پھر وہ ہر شے کو ظہورِ حق کی شان سمجھتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ موجودات عالم کی یہ چیز کلمہ کن کے بیج سے ہی نکلتی ہے۔ ان لاتعداد شکلوں (کثرت) کے پیچھے ایک ہی حقیقت ہے جس کا یہ سب ظہور ہے۔

بند نمبر ۵۳

اور انجیر انار جولائے　　دیکھ بھیکھ یہ بہا مسکائے
کشمش گیان لہر یہ لاگے　　جامن چاکھے دبدھا بھاگے
کھرنی ناشپتی جو ڈِٹھی　　گرو کرپا سیں لاگی مٹھی
سیوشفتالو لاگے نیکے　　سگھڑے کون پے ناہیں پھیکے
لاگیو کھوپا اور چھوہارا　　اناس کٹھل رس بھارا
گیان لہر کے سبھ رس پاکے　　چاکھن ہار کے بھرما بھاگے

جن جن چاکھے بھرم مٹے ، تے جن مرتے ناںہہ
تاسین ڈرتے کال جم، بھیکھا بھاگے جانھ

فرہنگ

بھا: چمک، خوبصورتی، مسکائے: مسکراتا ہے، خوش ہوتا ہے، گیان لہر یہ [illegible] معرفت حق کا نور حاصل ہو جائے ، نیکے : خوبصورت، رس بھارا: رس سے بھرا ہوا، بھرس [illegible] مبارک، بابرکت شربت ، بھرما: (بھرم)، شک، شبہ، خوف، پے: پسند، محبوب [illegible] کال جم موت کا فرشتہ، ملک الموت۔

ترجمہ

انجیر اور انار میں (ظہورحق کی شان دیکھ کر) بھیکھ مسکراتے [illegible]

کشمش معرفتِ حق کی نورانی لہر کا (خاص) مظہر [illegible]

(معرفتِ حق کے اثر سے) اس کے من سے سب شکوک وشبہات [illegible]

مرشد کریم کی مہربانی سے معرفتِ حق کے نور کی روشنی میں جب کھرنی اور ناشپاتی دیکھی تو وہ بھی میٹھی لگی۔ (شان حق کا ظہور ہی تھی)

(جس پر مرشد کا کرم ہو) یعنی سھگڑے کو تو سیب اور شفتالو بھی خوبصورت لگتے ہیں۔ وہ انہیں پسند کرتا ہے، اُسے وہ پھیکے نہیں لگتے۔

ناریل اور چھوہارا، انناس اور کٹھل سب رس بھرے ہیں۔ معرفتِ حق کے بابرکت رس کو جس جس نے چکھ لیا اس کے من سے شکوک وشبہات سب دور ہو گئے۔

(معرفتِ حق) کا رس پی کر جو بھی (فنا فی اللہ ہو کر سیر مع اللہ میں باقی باللہ ہو گیا) اس کے خدشات وشبہات سب دور ہو گئے۔ پھر انہیں موت نہیں آتی۔ ایسے لوگوں سے تو موت کا فرشتہ ڈر کر بھاگ جاتا ہے کیونکہ عارف حق کیلئے موت وحیات برابر ہو جاتے ہیں۔

بند نمبر ۵۴

کہوں تو توت انبہ ہو مولا — کہوں تلیر کوئل ہو بولا
گیان لہر مہوے جو مچائے — چاکھت اپنی سرت نپائے
کہوں نیبو بہہ بھانت لگائے — اپنے اپنے بھاؤ رسائے
صورت ایک سواد بہہ بھائے — کھاٹا میٹھا بتا نہ پائے
کہوں کیلا سیتا پھل ہوئے — دیکھت بھیکھ ترپت من ہوئے
کھر بوجا نیکا سبھ پھل کا — سینچا گیان لہر کے جل کا

بھیکھ دیواؤ کھر بجا ستگور مالی موہ
کھات پاپ سبھی مٹیں رہے نہ دبدھا چھوہ

فرہنگ

تمولا: پھوٹا، نمایاں ہونا، مہوا: ایک درخت جس کے پھلوں کو کھاتے ہیں، پھولوں سے شراب نکالتے ہیں اور بیجوں سے تیل نکالتے ہیں۔ بھاؤ: انداز، رسائے: رس سے بھرے ہوئے، سواد: ذائقہ، بتا نہ پائے: سمجھا نہ سکے، سیتا پھل: شریفہ، ترپت من: خوش، ہشاش بشاش، مطمئن، نیکا: خوبصورت، سینچا: سیراب کیا ہوا، سینچا ہوا، جل: پانی، دیواؤ: دو، عطا کرو، مو: مجھے، چھوہ: پیار، محبت۔

ترجمہ

کہیں توت ہے کہیں آم میں نمایاں ہورہا ہے۔ کہیں تلیر ہے اور کہیں کوئل کی آواز میں ظہور ہورہا ہے۔

معرفتِ حق کی خوشبو جب لہر در لہر پھیلتی ہے تو اُسے سونگھنے والا (وحدت کو کثرت میں ظہور پذیر ہوتے دیکھ کر) اپنا ہوش کھو بیٹھتا ہے۔

کہیں قسم قسم کے نیبو لگے ہیں جن کا اپنا اپنا الگ الگ انداز ہے اور رس سے بھرے ہوئے ہیں۔

قسم قسم کے پھل میوہ جات ہیں جو دیکھنے میں ایک جیسے ہیں مگر ان کا ذائقہ الگ الگ ہے، کہیں کھٹا ہے کہیں میٹھا ہے۔ (ذائقے اتنے مختلف ہیں) کہ انسان بیان کرنے سے قاصر ہے۔

کہیں کیلا ہے کہیں شریفہ ہے (جن کا حسن اور رنگ ظہور دیکھ کر) بھیکھ شادکام ہورہے ہیں۔

خربوزہ تو اپنی خوبصورتی کی وجہ سے سب پھلوں میں نمایاں ہے۔ (اس کی شکل اور ذائقہ، ظہورِ حق کی ایسی شان ہے گویا) مالک و خالق نے اسے اپنی معرفت کے پانی سے سینچا ہے۔

اے سچے مرشد ابوالمعالی! (معرفتِ حق سے سیراب کیے ہوئے پھل) خربوزہ کی خیرات بھیکھ کو بھی عطا کیجئے جسے چکھتے ہی تمام گناہ دُھل جائیں اور (ذاتِ حق کے متعلق) تمام شکوک و شبہات نزدیک بھی نہ آئیں۔ یعنی چھو بھی نہ سکیں۔

بند نمبر ۵۵

کہوں بینگن ہو مہا سوادا — جی چکھ لون پڑے اور آدا
کہوں کدو کہوں بھیا جو توری — بوجھہ نہ پرت، جات سدھ موری
ٹینڈس پلول کہوں کریلا — یا بدھ گور جانے کے چیلا
دھنیا، زیرہ، سونف ، کلونجی — سبھے کھانے ہونجی ہونجی
ککڑی کھیرا اور ہندوانا — تپت مٹے دیکھا بہہ بانا
کہاں لو برنوں برن میں تیرے — اے بہہ رنگے ستگور میرے
کہاں لو برنون اے کرتارا — پہلو ہار تین کیا اپارا

کہاں لو برنون برن توہ پل پل اپرم پار
کہت کہت سدھ بدھ تھکے بھیکھ رہا اب ہار

فرہنگ

مہا سوادا: بہت مزیدار، لون: نمک، آدا: ادرک، ٹینڈس: ٹینڈے، پلول: ایک قسم کی ترکاری، بدھ: قانون، طریقہ، ہونجی: خوبصورتی، شان وشوکت، تپت: گرمی، بانا: کھلنا، رنگ، کہاں لو: کہاں تک، برنون: تعریف کرنا، حمد، برن میں تیرے: تیری شان میں، پہلو ہار: پہلو میں بیٹھنے والا، اپارا: ناقابل عبور۔

ترجمہ

کہیں بینگن کا روپ ہے (جس کو پکاتے وقت) نمک اور ادرک بھی ڈالا جائے تو (سالن) بہت مزیدار بنتا ہے۔

کہیں کدو اور کہیں توری (کا روپ ہے) (کثرت میں ظہور کی شانیں اتنی ہیں) کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا اور عقل ہی گم ہو جاتی ہے۔

کہیں ٹینڈے ہیں کہیں پلول ہے اور کہیں کریلے کا روپ ہے۔ صفاتِ حق کی اس قدر شانیں ہیں کہ کوئی سچا مرشد (عارف) یا اس کا مخلص شاگرد بھی انہیں سمجھ نہیں سکتا۔

دھنیا، زیرہ، سونف اور کلونجی بھی کھانوں کی شان بڑھاتے ہیں۔

ککڑی، کھیرا اور تربوز (ایسے ٹھنڈے مزاج کے پھل ہیں) جن سے طبیعت کی گرمی جاتی رہتی ہے۔ تربوز کو کھولیں تو اندر سے خوبصورت رنگ نکلتا ہے۔

اے خدائے برحق! تیری ذات کی تعریف اور حمد کہاں تک بیان کروں۔ یہ کثرت (وجودِ عالم) تیرا ہی ظہور ہے اور تو ہی میرا ہادی، راہنما ہے۔

اے کردگارِ عالم! تیری ثناء کہاں تک بیان ہو سکتی ہے، تیرا تو کوئی ساتھی اور ہمنشین ہی نہیں، تیری ذات لامحدود ہے بے پایاں ہے۔

تیری ذات پاک کی تعریف کیسے بیان ہو، تو تو بے کنار ہے اور ہر لحظہ تیری شان نئی ہے، تیری شان بیان کرتے کرتے سدھ بدھ ختم ہو جاتی ہے اور (تیری توصیف بیان کرنے والا) بھیکھ تھک ہار جاتا ہے۔

شرح

بند نمبر ۵۳، ۵۴، ۵۵

مراتب ظہور میں سیر مع اللہ اور باقی باللہ کے مقامات علیہ کے حامل سالکان طریقت کے مشاہدہ کا ذکر جاری ہے۔ ذات لامتناہی کے ساتھ سالک کا سفر بھی لامتناہی ہوتا ہے۔ وہ کسی مقام پر رُک کر یہ نہیں کہتا کہ میں نے اپنا کام مکمل کر لیا، اپنا سفر مکمل کر لیا۔ ذات حق کے اسماء وصفات کی شانیں لامتناہی ہیں۔ لہٰذا مرتبہ ظہور میں ان لامتناہی شانوں کے رنگ بھی بے حد وحساب ہیں۔ چنانچہ سالک جب وحدت میں کثرت کو دیکھتا ہے تو کثرت اُسے ذات حق سے محجوب نہیں کرتی اور جب وہ کثرت میں وحدت کو مشاہدہ کرتا ہے تو ذات حق سے رابطہ قائم رکھتا ہے۔ حجابات کثرت ہمیشہ مرتفع رہتے ہیں۔ وہ وحدت میں کثرت اور کثرت میں وحدت کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اس مقام پر چونکہ سالک کا تزکیہ نفس

ہو چکا ہوتا ہے وہ جلوہ گاہِ حقیقت میں باریاب ہو جاتا ہے۔ وہ نورِ رب سے ہر چیز کو اس کی صورت و حقیقت کے ساتھ دیکھتا ہے۔ حکمت اور دانش کے دروازے اس پر کھل جاتے ہیں اس کو ذاتِ حق سے وہ فہم و فراست عطا ہوتی ہے جو فہم مخلوق کی دسترس سے باہر ہوتی ہے۔ اسی کا نام حکمت ہے اور جسے حکمت عطا ہوگئی اُسے خیر کثیر عطا ہوگئی۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے:

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا (سورۃ البقرہ: آیت ۲۶۹)

شرح کلام

(بند ۵۳) انجیر اور انار میں شان ظہور ایسی ہے جسے دیکھ کر عارف کے من سے خوشی اور مسرت کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ کشمش کی مٹھاس اور حسن ذائقہ کو دوبالا کرتی ہے یہ تو ظہورِ حق کی شان عظیم ہے۔ ایسی شدتِ ظہور ہے کہ اسے جو چکھ لے وہ معرفت حق کے نور سے منور ہو جائے۔ مرشدِ کریم کی راہنمائی اور توجہ سے، کھرنی اور ناشپاتی بھی اپنی مٹھاس سے معرفتِ حق کی چاشنی دیتی ہے۔ سیب اور شفتالو میں حسن ظہور تو سالکان طریقت کے جذبہ عشق کو مہمیز لگاتا ہے۔ ان کی نگہِ معرفت کو تیز کرتا ہے۔ ناریل، اناس اور کٹھل جو رس سے بھرے ہیں اور چھوہارا کی مٹھاس یہ سب ظہور کی شانیں ہیں۔ یہ سب پھل تسبیح رب کر رہے ہیں اور ان کے اندر معرفت حق نے اپنا رس بھر دیا ہے۔ جس کو چکھنے والا بھی فیضانِ حق سے مالا مال ہو جاتا ہے اور اس کے من کے شکوک و شبہات اور نفس کے دھوکے سب مٹ جاتے ہیں ختم ہو جاتے ہیں۔

عالم وجود اور اس کی ایک ایک چیز کیا ہے، یہ سب ذات حق کے اسماء و صفات کی تجلیات ہیں۔ ان کا ظہور ہے۔ اسماء و صفات کی تجلیات سے ماوراء عالم غیب اور عالم شہادہ کی کسی چیز کا تصور نہیں۔ عالم کون و مکان کی ہر شے اپنے پروردگار کی عارف ہے اور اس کی تسبیح کر رہی ہے۔ عارف حق بھی جب نور معرفت حق سے منور ہو جاتا ہے اپنی صفات کو صفات حق میں گم کر دیتا ہے۔ قرب نوافل اور قرب فرائض کے ذریعہ اس کے ہیکل عبدی

میں امرِ حق غالب ہو جاتا ہے تو اس کے اعمال، ذاتِ حق کے اعمال ہو جاتے ہیں۔ اس کی زبان، ذاتِ حق کی زبان ہو جاتی ہے۔ جب اس کے ہیکل عبدی میں امرِ حق غالب ہو گیا تو اس کی دنیا اور عاقبت میں کوئی فرق نہ رہا۔ وہ اللہ کا دوست بن گیا اور اللہ کے دوستوں کو کوئی خوف وحزن باقی نہیں رہتا۔ ان کا محافظ ہر حال میں اللہ ہے۔ لہٰذا وہ موت کے خوف سے بھی نجات پالیتے ہیں۔ گویا ان عارفانِ حق کے لیے موت وحیات برابر ہو جاتی ہیں۔ یہ ایسے ہی لوگ ہیں جو جام معرفت چکھ لینے کے بعد وساوس نفسانی سے نجات پا لیتے ہیں۔ پھر غم موت سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے موت کا فرشتہ بھی ڈر جاتا ہے اور نزدیک نہیں آتا۔ یہ لوگ حیات معنوی پا لیتے ہیں جہاں موت کا تصور ہی نہیں ہے۔

حضرت بلھے شاہ نے کیا خوب کہا ہے:

بھلے شاہ اساں مرنا ناہیں
تے گور پیا کوئی ہور

حضرت بابا ذہین شاہ تاجی فرماتے ہیں:

زندہ ہے تو ہوجا گنہِ مرگ سے تائب
اللہ کی عصمت میں ہے اللہ کا نائب
اِس موت میں ہیں زیست کے اسرار و عجائب
وہ علم میں حاضر ہیں جو آنکھوں سے ہیں غائب
صورت جو کبھی علم سے زائل نہیں ہوتی
جینے سے کبھی موت مقابل نہیں ہوتی
اے دوست! فنا علم میں داخل نہیں ہوتی
''ہونے سے'' جدا ہستی کامل نہیں ہوتی

(۶۹) (کتاب الطواسین، ترجمہ وتشریح: بابا ذہین شاہ تاجی صفحہ ٦)

شرح: بند نمبر ۵۴

شانِ ظہور اپنا حسن کہیں توت میں دکھا رہی ہے اور کہیں آم اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ نمایاں ہو رہا ہے۔ کہیں تلیر اور کوئل اپنی اپنی زبان میں تسبیح کر رہے ہیں۔ شان حق کی گواہی دے رہے ہیں۔

یہ کائنات خالق حقیقی ہی کی صفات کی جلوہ گری ہے۔ یہاں ہر شے اپنے خالق و مالک کی عارف ہے اور اس کی تسبیح کر رہی ہے۔ گویا خالق نے عالم کون و مکاں کو وجود بخشا ہے تو اسے اپنی معرفت کے نور سے منور بھی کیا ہے۔ معرفت حق کی ہر شے پہ فرمانروائی ہے۔ گویا معرفت حق کی خوشبو ہر سُو پھیلی ہے۔ نور معرفت سے منور عالم میں جب سالک بھی معرفت حق سے سرفراز ہوتا ہے تو گویا اس عالم شہادت میں ہر سُو پھیلے رنگ معرفت سے اپنے آپ کو ہمرنگ کر لیتا ہے۔ معرفت کی لاتعداد شانیں اور نیرنگی دیکھ کر محو حیرت ہو جاتا ہے۔ کثرت میں وحدت کے رنگ دیکھ کر دنگ ہو جاتا ہے، کہیں بھانت بھانت کے نیبو اپنے حسین انداز میں رس بھرنے، شان ظہور کے گیت گا رہے ہیں۔ طرح طرح کے پھل اور میوہ جات بسا اوقات بظاہر شکل ایک سی مگر ذائقہ میں مختلف ہوتے ہیں اور ذائقے بھی ایسے کہ بیان سے باہر۔ پھر کہیں کیلا ہے اور کہیں شریفہ ہے جن کا حسن اور رنگ ظہور معرفت حق کی شان بیان کر رہا ہے اور اس کثرت میں یکتائی کے رنگ دیکھ کر بھیکھ شادکام ہو رہے ہیں۔ خربوزہ اپنی خوبصورتی اور خوش ذائقہ ہونے میں گویا حسن ازلی کی تجلیات کا ایک حسین ترین مظہر ہے اور مالک کون و مکان نے اسے اپنی معرفت کے پانی سے خوب سینچا ہے اور یہ ظاہری اور باطنی طور پر معرفتِ حق کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔

اس بند کے آخر میں حضرت میراں سید بھیکھ اپنے مرشد کریم ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کرتے ہیں کہ اپنے کرم اور توجہ سے مجھے معرفت حق کا حسین ترین اور خوش ذائقہ پھل عطا کر دیجئے تاکہ اس پھل کو چکھتے ہی تمام گناہ دُھل جائیں اور ذات و صفات اور ان کے ظہور کے متعلق جتنے بھی نفسانی اور شیطانی وساوس اور فریب ہیں وہ قریب بھی نہ پھٹکیں۔

شرح: بند نمبر ۵۵

رنگہائے ظہور میں کہیں بینگن کا روپ ہے۔جس کو پکانے میں اگر مناسب مقدار میں نمک، مرچ اور ادرک وغیرہ کا استعمال کیا جائے تو ذائقہ اور بھی بڑھ جاتا ہے۔اسی طرح نفس انسانی کو اللہ تعالیٰ نے احسن تقویم تخلیق کیا ہے مگر یہ نفسانی اور شیطانی وسوسوں اور دھوکے میں آ کر اسفل سافلین کے گڑھے میں جا گرتا ہے اسے کسی سچے مرشد کی مجلس اور توجہ نصیب ہو جائے تو اُس سے من میں نکھار پیدا ہو جاتا ہے۔میراں جی سرکار ہی دوسری جگہ فرماتے ہیں:

ست گور ایسا چاہیے جو دھوبی جیسا ہو
دے دے صابن گیان کا داغ ہٹے سب دھو

رنگ ہائے تخلیق میں کثرت ایسی جو حد گمان سے وراء ہے۔وحدت سے کثرت کا یہ کھیل کسی کی سمجھ میں آنے والا نہیں ہے۔سبزیوں میں کہیں کدو ہے کہیں توری ہے، کہیں ٹینڈے ہیں، پلول ہے، کہیں کریلا ہے۔ ہر ایک کی شکل الگ، ذائقہ الگ، تاثیر الگ، فصل کا موسم الگ، ظہور حق کی شانوں کی کثرت تو سمجھ میں ہی نہیں آتی۔ یہاں عقل ہی گم سم ہو جاتی ہے۔اتنی کثرت اور ذات واحد کا ظہور، اسے کون سمجھے کیا گرو سمجھے گا یا اس کا کوئی چیلا۔ کون جان سکتا ہے، کون بیان کرسکتا ہے جبکہ قرآن کریم خود کہتا ہے کہ اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنے لگو تو ہرگز نہ کر سکو گے۔

مصالحہ جات میں دھنیا، زیرہ، سونف اور کلونجی وغیرہ ہیں جو کھانے کو نہایت خوش ذائقہ اور شاندار بنا دیتے ہیں۔سلاد میں ککڑی، کھیرا ہیں، پھلوں میں تربوز ہے۔ یہ ایسی سبزیاں ہیں جو مزاج کی گرمی کو دور کرتی ہیں، تربوز تو ویسے بھی کھلنے پر خوبصورت نکلتا ہے اور خوش ذائقہ بھی۔

ایسا خلاق عظیم جس نے عالم خلق اور عالم امر کو وجود بخشا۔اپنی صفات کی تجلیات سے انہیں تخلیق کیا۔عالم وجود کی ہر شے میں اس کا ظہور ہو رہا ہے۔وہی ہر شے کو وجود بخشنے

والا، اُسے قائم رکھنے والا، اُسے پالنے والا ہے۔ اس کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے فضل اور کرم کا محتاج ہے۔ پھر اس کی تعریف اور حمد و ثناء کیسے کی جائے۔ وہی تو وحدت سے کثرت کا صدور کرنے والا ہے، وہی سب کا ہادی و راہنما ہے۔ یہ کردگار و خلاق عظیم جو لامتناہی ہے اپنی ذات وصفات میں جو اس سے بھی بلند و بالا ہے کہ کوئی اس کا ساتھی ہو، ہم نشین ہو۔ بھلا اس کی صفات کیسے بیان کی جائیں۔ ایسی بے کنار اور بے پایاں ذات جس کی شانیں ہر لحظہ نئی ہیں اُسے کیسے حدود فکر میں ماپا جائے۔ اس کی شان بیان کرتے کرتے سدھ بدھ ختم ہو جاتی ہے اور تعریف کرنے والا ہی تھک ہار جاتا ہے۔

بند نمبر ۵۶

پرم پر اپنے یہ بلہارا — چلی آوے جاوے سینسارا
چلی آوے یہ لکھ چوراسی — سدھ بدھ سبھ کی لے انباسی
چلی آوے یہ رنگ برنگا — سوکی نانہہ مہر جل گنگا
چلی آوے یہ نیاری نیاری — مول ایک سے سمجھ بھکھاری
بھانت بھانت کے بھاؤ دکھاوے — بھاؤ بھید کو کئو نہ پاوے
پاوے سو جانکا گر مالی — جانے آد انت کے چالی
آد انت سے ہور نہ ہوئے — سگھڑے بن پاوے نہیں کوئی

نگرے بھٹکن نالہن جگ جگ توسن سیکھ
آد مول پھلہار کو سگھڑے پاویں بھیکھ

فرہنگ

پرم: حسن ازلی، فضیلت، انباسی: لامکانی، لافانی، سوکی نانہہ: خشک نہیں ہوئی، آد انت: ازل تا ابد، چالی: چالے، طریقے، نگرے: نگوڑے، ناسمجھ، نکمے، ناکارہ، جگ جگ: عرصہ دراز، توسن: بغیر سدھایا سرکش گھوڑا، آد: سب سے پہلی، مول: جڑ، بنیاد، پھلہار: پھل۔

ترجمہ

اپنے حسن ازلی (اسماء وصفات کے حسن) پر خود ہی فریفتہ ہے۔ (اسی حسن ازلی کے اظہار کا باعث) تخلیق کائنات ہوئی اور یہ سنسار چلا جارہا ہے۔

حسن ازلی کے جاری و ساری ظہور کی وجہ سے ایک لاکھ چوراسی ہزار پیغمبر آئے۔ لافانی اور لامکانی حسن ازلی کے ظہور کے اس انداز کو (کوئی سمجھ نہیں سکتا) اس نے سب کی سدھ بدھ گم کر دی۔

حسن ازلی کا ظہور ہی (وحدت سے) رنگ برنگی کثرت کے ظہور کا سبب بنا۔

(ازل سے ظہور حسن کا یہ فیض جاری ہے) اور فیض بھری گنگا بہہ رہی ہے، خشک نہیں ہوئی۔

(وحدت سے حسن ازلی کے ظہور کثرت میں ظہور) کی شانیں جدا جدا (اور بے شمار ہیں) اے معرفت حق کے بھکاری! اس کثرت کو ایک ہی جڑ سے نکلا ہوا سمجھ۔

اس کثرت کے انداز طرح طرح کے ہیں۔ (اتنے کثیر کہ حدو حساب سے بالاتر) وحدت سے کثرت کا انداز (وحدت اور کثرت کے باہمی تعلق کو) کوئی نہیں سمجھ سکتا۔

(اس انداز اور وحدت و کثرت کے تعلق کو) وہی سمجھ سکتا ہے جس کا مرشد ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ جیسا (صاحب معرفت حق) ہو جو حسن ازلی کے ظہور کی شانوں کے انداز ازل سے ہی جانتا ہو، سمجھتا ہو۔

ازل سے ایک ہی حسن ازلی کا ظہور ہے اور کوئی نہیں ہے۔ (مقام تنزیہہ میں احد ہی احد ہے، احدیت ہی ہے) مگر اس کو وہی سمجھ سکتا ہے جو کسی (صاحب معرفت حق) کا مرید ہو۔

ناسمجھ (بے مرشد) (تو تمام عمر) بھٹکتے ہی رہتے ہیں اور (اس بھید) کو نہیں پا سکتے جیسے سرکش گھوڑا جو اصیل بھی ہو وہ مدتوں میں بھی سیکھ نہیں سکتا۔ فیضانِ ازل سے وجود پانے والی پھلواڑی کا راز وہی سمجھ سکتے ہیں جو مرشد کامل کی راہنمائی سے فیض یاب ہوں۔

شرح

پچھلے چند بند معرفت حق کے بارے میں تھے یا پھران میں یہ بحث تھی۔معرفت کا حامل سالک جو بقاباللہ اور سیر مع اللہ کے مقام پر ہو وہ موجودات عالم کو کیسے مشاہدہ کرتا ہے۔اس بند میں یہ بیان ہے کہ تخلیق کی غایت اصلی ہی معرفت حق ہے۔

اہل حق اور صاحبان معرفت حق کے نزدیک یہ ہنگامہ کن فیکون آثار و موجودات اور قصہ عہد الست ایک ایسی حسین و دلربا داستان حسن و عشق ہے جس میں کامل و اکمل مرقع حسن و جمال ذات حق جو کہ اپنی ہی صفات و اسماء حسنیٰ پر فریفتہ تھی اس کی اس شدتِ حبِ حسنِ کامل کا تقاضا ہوا کہ اس کے حسن تمام کے جلوے عام ہوں۔اسے چاہنے والے اور پہچاننے والے بھی موجود ہوں۔چنانچہ حدیث قدسی میں فرمایا گیا:

''کُنتُ کَنزًا مَخفِیًا فَاَحبَبتُ اَنْ اُعرَفَ فَخلقتُ الْخَلق ط''

''میں (حسین ترین صفات اور اسماءالحسنیٰ کا) چھپا ہوا خزانہ تھا۔(میرے حسن تمام، یعنی میری رحمت تامہ کا تقاضا ہوا) میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں۔(میرے حسن کا فیضان عام ہو) پس میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔''

اس حدیث طیبہ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ کسی بھی تخلیق کی غایت اولیٰ یہی ہوتی ہے کہ لوگ خالق کی ذات وصفات کو اس کی تخلیق کے ذریعے سے پہچانیں۔کسی فنکار کی فنی تخلیقات جتنی زیادہ جامع وکامل، یعنی حسن وخوبی کی صفات کی آئینہ دار ہوں گی اسی قدر اس کی شہرت کا دائرہ بھی وسیع ہوگا۔

چونکہ تخلیق کائنات کی وجہ ہی اظہارِ حسن حقیقی اور اس کی معرفت ہے اس لیے رب خالق و مالک نے اس کائنات کے ذرے ذرے میں حسن کامل کے لیے کشش اور تڑپ رکھ دی۔زندگی میں جو آرزو اور تڑپ اور جذبۂ حرکت ہے وہ اسی حسن ازلی کی دین ہے۔زندگی کو حسن کی آرزو ہے اور حسن حرکی ارتقائی ہے اس لیے اسے خوب سے خوب تر کی طلب وجستجو رہتی ہے۔وجود کائنات میں یہی بنیادی اصول کارفرما ہے۔اس عالم رنگ و بو کی ہر شے

انسان کے لئے جاذبیت اور کشش لیے ہوئے ہے۔ وہ ہر حسین صورت، سریلی آواز، سہانا منظر، کیف پرور خوشبو، لذت آفرین اشیاء اور نشاط انگیز لمس سے اپنے اندر انتہائی اطمینان محسوس کرتا ہے۔ انسان اپنی تخلیق کے لحاظ سے خود بھی مرقعہ حسن ہے احسن تقویم ہے اور اس کی جبلت میں حسن کے تمام مظاہر کے لیے تڑپ اور کشش موجود ہے۔

شرح کلام

تخلیق عالم کیا ہے؟ حسن ازلی کا ظہور اور اس کی معرفت

اللہ سبحانہ وتعالیٰ جو اپنی صفات و اسمائے حسنیٰ کے خود ہی ایسے عارف ہیں کہ مخلوقات میں کوئی شے ان صفات و اسمائے حسنیٰ کی معرفت تامہ اس طرح نہیں حاصل کر سکتی جیسا کہ ذات حق کو اپنی صفات و اسماء کی معرفت ہے۔ مگر تخلیق کائنات کی غایت یہی ٹھہری کہ اس کائنات کا ذرہ ذرہ ذات حق کی معرفت سے بقدر استعداد سرشار ہو۔ معرفت حق کا پیغام اور راستہ دکھانے کے لیے ایک لاکھ چوراسی ہزار پیغمبر مبعوث ہوئے تا کہ انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی معرفت کا راستہ دکھائیں۔

اس کائنات کے ذرے ذرے میں جو حرکت ہے وہ حسن ازلی کی تلاش میں ہے۔ اس عالم میں حیات آرزوئے حسن ہے۔ لہٰذا یہ کائنات اپنے خالق و مالک کے حسن پر فریفتہ، اس کے عشق و محبت میں گرفتار، اسی کی کشش میں مبتلا اور اسی کی تلاش میں ہے۔ تمام انبیاء بنی نوع انسان کے فکر و عمل کو حسن عقیدہ اور حسن عمل ہی عطا کرنے کے لیے تشریف لائے۔ اس حسن لامکانی و لافانی نے کائنات کو اس طرح گھیر رکھا ہے کہ اس کی ادائیں اور اس کے انداز، سب کی سدھ بدھ کو گم کر دیتے ہیں۔

اس مرقع حسن تمام کی بارگاہ عالیہ سے اپنے صفات و اسماء حسنیٰ کا فیضان ازل سے جاری ہے۔ یہ تمام کائنات اس حسن تمام کے جلوؤں کے سبب قائم ہے اور فیضان مقدس کے بہاؤ میں کبھی کوئی کمی نہیں آئی۔ رحمت و کرم گستری کی یہ گنگا ازل سے بہتی چلی آ رہی

ہے، یہ کبھی خشک نہ ہوگی۔

خزانہ وحدت سے حسن ازلی کے کثرت میں ظہور کی شانیں جدا جدا اور بے حد و حساب ہیں۔ گویا ایک ہی جڑ سے پھوٹنے والے لاتعداد برگ و بار ہیں جو اپنے حسن و جمال کے رنگ اس کائنات میں بکھیر رہے ہیں۔ اس کثرت کے مختلف انداز، عالم وجود کے ہر فرد میں ذات حق کی صفات کا جاری و ساری ہونا۔ یہ ایسا عمل ہے جسے کوئی سمجھ نہیں سکتا سوائے اس کے جس نے کسی مرد کامل، کسی صاحب معرفت سالک کا دامن تھام لیا ہو جو ازل سے ابد تک وحدت و کثرت کے ظہور کے انداز کو خوب سمجھتا ہو۔ ظہور حق کی شانوں کا مشاہدہ کر رہا ہو۔

روز ازل سے ایک ہی حسن ازلی کا ظہور ہے، کوئی دوسرا نہیں ہے۔ وحدت سے کثرت کے کھیل کو وہی سمجھ سکتا ہے جسے کسی عارف کامل کی مجلس نصیب ہو۔ ایسے ناسمجھ لوگ جن کا کوئی ہادی اور راہبر نہ ہو وہ تو تمام عمر بھٹکتے رہتے ہیں، راہ یاب نہیں ہوتے۔ جیسے سرکش اور اڑیل گھوڑے مدت مدید میں بھی سدھائے نہیں جا سکتے۔ حسن ازلی کے فیضان سے سیراب ہونے والی پھلواڑی کے ثمرات سے وہی خوش نصیب بہرہ مند ہو سکتے ہیں جو ہادی کامل کی راہنمائی میں راہِ سلوک طے کر رہے ہیں۔

بند نمبر ۵۷

گور سہائے بھیکھا یوں بولا
یہ پھل ہیگا مہان امولا
یا پھل کا ہے بھاؤ نیارا
بھاویا کو جانے کرتارا
یا پھل بھاؤ مہا ات بھاری
لینے کی نہیں سکت ہماری
یا پھل کوئی برلا لیوے
پاسنگ کارن سیس جودیوے
یا پھل بھیکھ دیجئے مالی
میں تیرا اور کہاں دلالی
مالی سے یہ بھیکھ جو پاؤں
چاکھت کال جنجال مٹاؤں
تم بن کہو کروں کس پوجا
ٹھاکر اور نہ راکھوں دوجا

مالی بھیکھ دیوایئے گیان لہر پھلوار
چاکھت کال جنجال سب مٹے ایکوبار

فرہنگ

گور سہائے: پیر ومرشد کی مدد، مہان امولا: نہایت قیمتی، انمول، بھاؤ: خصوصیت، قیمت، بھاویا: ہونے والا، شدنی، مستقبل، کرتارا: اللہ تعالیٰ، برلا: کوئی کوئی، پاسنگ کارن: قیمت کے بدلے، سیس: سر، جنجال: الجھن، پریشانی، کال: موت۔

ترجمہ

مرشد کریم کی مدد سے بھیکھ نے کہا کہ (حسن ازلی کے فیضان مقدس سے سیراب ہونے والا) معرفتِ حق کا پھل انمول ہے، بیش بہا ہے۔

(عالم شہادت میں ظہور حسن ازل کے) اس پھل کے انداز بہت ہی اچھوتے ہیں۔ خلاق عالم مستقبل میں اس ظہور کے کیا کیا انداز اپنائیں گے یہ اُسی ذات کو علم ہے۔

اس پھل کی قیمت اتنی زیادہ ہے کہ اسے خریدنے کی طاقت ہم میں نہیں۔

یہ پھل اس قدر بیش بہا ہے کہ اسے کم ہی کوئی خریدتا ہےاور خریدتا بھی وہی ہے جو اس کی قیمت کے بدلے اپنے سر یعنی نفس کی قربانی دیتا ہے۔

(اپنے مرشد عالی مقام سے درخواست کرتے ہوئے کہتے ہیں) یا ابوالمعالی ظہور حسن ازلی کے اس پھل کی (معرفت کی) خیرات مجھے دے دیجئے کیونکہ میں تو تیرا ہی کہلاتا ہوں، درمیان میں کسی دوسرے کا واسطہ کیوں ڈالوں۔

اگر ابوالمعالی سرکار سے یہ بھیک مجھے مل جائے تو اس پھل کو چکھ کر میں موت کی اُلجھن سے آزاد ہو جاؤں۔

(اے مرشد کریم!) آپ ہی بتائیں میں تمہارے سوا کس سے محبت کروں؟ کیونکہ آپ کے علاوہ میرا کوئی اور ہادی اور راہنما نہیں ہے۔

یا مرشد ابوالمعالی! مجھے معرفتِ حق کے پھل کی بھیک دلوائیے تاکہ اس پھل کو چکھ کر ایک ہی دفعہ میں میری موت کی اُلجھن دور ہو جائے۔

تشریح

گزشتہ بند میں غایت تخلیق کائنات بیان ہوئی۔ اس ضمن میں حسن ازلی (ذات حق تعالیٰ) کے فیضان مقدس کا ذکر ہوا۔ اب مقصد تخلیق کائنات کی غایت اولیٰ یعنی معرفت حق جسے یہاں پھل سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اس کی اہمیت وقدر کا ذکر ہے۔ معرفت حق کے پھل کو پانے کے لیے کسی مردِ کامل اور حامل معرفت حق کے دامن کو تھامنے کی ضرورت ہوتی ہے اس کی راہنمائی کے بغیر سالک کے لیے اپنے بل بوتے پر اس کٹھن منزل کو پانا ناممکن ہے۔ راہِ سلوک میں قدم قدم پر کاملین سلوک کی مدد درکار ہوتی ہے۔ اسی لیے میراں سید بھیکھ اپنے شیخ کریم سے استمداد کرتے ہیں۔ یہ بخوبی سمجھتے ہوئے کہ تخلیق کائنات کا مقصد وحید معرفت خداوندی کا حصول ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾

(سورۃ الذاریات: آیت ۵۶)

ترجمہ: ''اور نہیں پیدا کیا میں نے جنوں اور انسانوں کو مگر اس لیے کہ
وہ میری عبادت کریں۔ (معرفت حاصل کریں)''

مفسرین نے اس آیت میں ''لیعبدون'' سے مراد ''لیعرفون'' لیا ہے۔ (۷۰)
اپنی اہمیت اور غایت اولیٰ ہونے کی وجہ سے معرفت حق کا پھل گویا انمول ہے۔ بیش بہا ہے، یہی ثمرہ ہے جسے عام کرنے کے لیے ارحم الرحمین نے نظام وحی یعنی آسمانی ہدایت کا نظام عطا کیا۔ پیغمبروں اور نبیوں کے سلسلے جاری فرمائے تاکہ انسان حسن عقیدہ اور حسن عمل کی بنیاد پر معرفتِ خداوندی کے ثمرہ سے بہرہ مند ہوں۔

ظہور حق کے انداز اس عالم شہادت میں اس قدر اچھوتے اور متعدد ہیں کہ انسانی عقل ان کا احاطہ کرنے سے قاصر ہے۔ ظہور حق کی تجلیات ہر آن نئی ہیں۔ لہٰذا مستقبل میں ان شانوں کے متعلق تو ذات حق ہی کو علم ہے۔ معرفتِ حق تعالیٰ کے پھل کی قیمت اتنی بھاری ہے کہ بالعموم اسے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ راہِ سلوک طے کرنا ایک کٹھن منزل ہے۔ اس میں قدم قدم پر نفس و شیطان کے فریب اور وسوسوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ترک گناہ اور نفسانی خواہشات سے نجات پانا بغیر مرشد کامل کی امداد و راہنمائی کے ممکن ہی نہیں۔ اس عظیم ثمرہ سے بہرہ مند ہونے والے خوش نصیب خال خال ہی ہوتے ہیں اور وہ بھی ایسے جو اپنے نفس کی قربانی دے کر خواہشات نفسانی کو ترک کر کے اس نعمت عظمیٰ کی قیمت چکاتے ہیں۔

دربار حسن ازل سے اپنی معرفت کی خیرات چاہنے والوں کو اگر بھیک ملتی ہے تو کاملان سلوک ہی کے واسطہ سے ملتی ہے اور میراں سید بھیکھ اپنے مرشد کریم سے درخواست گزار ہیں کہ وہ معرفت حق کا پھل بھیک میں عطا کر دیں کیونکہ ایک مخلص طالب سلوک کے لیے مرشد ہی کی ذات سرچشمہ فیض ہوتی ہے۔ ہر نعمت اسی در سے ملتی ہے اور ہر کٹھن منزل کی یہی شاہ کلید ہوتی ہے۔ چنانچہ اپنے مرشد سے ہی درخواست کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تمہارا ہی کہلاتا ہوں۔ آپ ہی نظر کرم کریں گے، میں کسی دوسرے کو اس نسبت عظیم میں وسیط کیسے کر سکتا ہوں۔ اگر ابو المعالی معرفت حق کا یہ پھل عطا کر دیں تو میری صفات بھی صفات الٰہیہ

کے رنگ میں رنگی جائیں، میرے ہیکل عبدی میں امرحق جاری وساری ہو جائے گا، پھر میری دنیاوعقبیٰ برابر ہو جائے گی جس کے بعد موت کی الجھن سے نجات پا جاؤں گا۔

انسان اسی ہستی کی پرستش کرتا ہے جس سے غایت درجہ محبت ہو اور جس کے احسانات کی وجہ سے اس کا روؤاں روؤاں تشکر و امتنان کے جذبات میں ڈوبا ہوا ہو۔ سالکِ طریقت کے لیے مرشد کامل کی ذات ایسی ہی ہوتی ہے جو ہر لمحہ اس کی راہنمائی کرتی ہے، اُسے نفس و شیطان کے پھندوں سے بچا کر طریق حق پر گامزن رکھتی ہے۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہوتا ہے جب سالک اپنے مرشد سے انتہائی شدید محبت رکھتا ہو کہ اس کا ایک ایک سانس عشق وحب مرشد میں غرق ہو۔ عشق کا یہی روپ دوسرے لفظوں میں پرستش اور پوجا کہلاتا ہے۔ عشق ومحبت کے اسی تقاضا کے تحت سالک اپنا تن من دھن سب مرشد کو بیچ کر دیتا ہے۔ پھر کوئی دوسرا راہبر و راہنما اُس کے لیے سوائے اپنے مرشد کے اس کے نزدیک باقی نہیں رہتا، جذبہ عشق ایسا جذبہ ہے جس کی تسکین کبھی نہیں ہوتی۔ حسن ازلی کی معرفت کی منازل سالک جوں جوں طے کرتا ہے، محبوب ازلی کے وصال کی آرزو مزید تیز ہوتی ہے آتش عشق اور بھڑکتی ہے اور وہ بار بار اپنے مرشد سے درخواست کرتا ہے مجھے معرفتِ حق کا مزید جام عطا کریں تا کہ راہِ سلوک میں میں بڑھتا ہی چلا جاؤں، ذات لامتناہی کی معرفت کی بھی حد نہیں اور ادھر طالب حق کی شدت تڑپ بھی مسلسل عمل ہے، سالک کی حیات بھی اسی طلب سے مملو ہے اور اس کی موت بھی اسی تڑپ میں واقع ہوتی ہے اس کے لیے حقیقت تو صرف حسن ازلی کا وصال ہے، زندگی اور موت تو اس راستے کے مقامات ہیں۔

چوں میرد مبتلا میرد چو خیزد مبتلا خیزد
مپنداری کہ مہرت از دل عاشق رود ہرگز

”تو یہ خیال ہرگز مت کہ عاشق کے دل سے تیری محبت کبھی ختم ہوسکتی ہے وہ تو تیری محبت میں گرفتار ہی مرتا ہے اور تیری محبت کے جنوں میں مبتلا ہی قیامت کے دن اُٹھے گا۔“

بند نمبر ۵۸

راجن راج کرو اک نیائین　　　تم سا اور نہ موہ گسائیں
جو ہر کا ہو ہوگا کوئی　　　بھیڑ پڑے سدھ لیوے سوئی
بھیڑ پڑے کہو کسے پکارے　　　بن ٹھاکر کہو کسے ہنکارے
اب موہ بھیڑ پڑی ہے بھاری　　　کیوں نا لیجے سرت ہماری
بھرم بھیڑ سے موہ بچاؤ　　　آد مول کا مرم بتاؤ
مرم کہو سکھ میں نت سوؤں　　　بھرم کرم دبدھا کے کھوؤں

مالی بھرم مٹائیے، سن دین کے سیکھ
جسے نہ در ہو دوسرا، کس در مانگے بھیکھ

فرہنگ

راجن (رانجھن) راج: فضیلت مآب راجا، نیائین: انصاف، موہ: مجھے، گسائیں: بزرگ، بھیڑ: مشکل، ہنکارے: پکارے، آواز دے، آدمول: تخلیق کائنات کی ابتداء، مرم: راز، بھرم کرم: خطائیں، دبدھا: فریب، نفس، دَین: سخاوت، بخشش، سیکھ: (شیخ)، بزرگ، دَین کے سیکھ: بخشش کے بادشاہ۔

ترجمہ

اے بلند مرتبت راجا! اِک معاملے میں انصاف کرو (کیونکہ) میرے لیے تم جیسا انصاف پسند بزرگ (مالک) اور کوئی نہیں۔

کسی مشکل میں خبر گیری کرنے والا تو وہی ہوسکتا ہے جو خود اللہ تعالیٰ کا ہو چکا ہے۔ (سالکِ کامل اور معرفتِ ربانی کا حامل ہو)

اے مرشد! اب آپ ہی فرمائیں کہ مشکل میں پھنس جانے پر اپنے سردار (اپنے راجا اور مرشد) کے علاوہ کسے پکاروں؟

میں بہت مشکل میں پھنس چکا ہوں۔ اے ہادی و راہبر! آپ میری خبر گیری کیوں نہیں کرتے؟

اپنی خطا کاریوں سے جس مشکل میں گرفتار ہو چکا ہوں آپ مجھے اس سے نکالئے اور اس جہانِ حیات کی آفرینش کا راز مجھ پر آشکارا کیجئے۔

اس کارگہِ حیات کا راز مجھے بتا دیجئے تا کہ میں سکھ کی نیند سو سکوں اور اپنی خطاؤں اور فریب نفس کے داغ مٹا سکوں۔

اے ابو المعالی! اے جگ داتا! میری ہوائے نفس کو مٹا دیجئے، آپ ہی فرمائیں جس کے لیے (تمہارے در کے علاوہ) کوئی دوسرا در ہی نہ ہو، وہ کس در جا کر بھیک مانگے۔

تشریح

اس بند میں حضرت میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرشد کریم حضرت ابو المعالی رحمۃ اللہ علیہ سے راز ابتدائے حیات یعنی راز آفرینش کے متعلق سوال کر رہے ہیں۔ ان کے نزدیک اس راز کی اس قدر اہمیت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ اگر مجھے اس راز کے متعلق معلوم ہو جائے تو میرے من میں سکون بھر جائے گا، میں چین کی نیند سو سکوں گا اور اپنے دل سے وساوس نفسانی کے داغوں کو دھو سکوں گا۔

میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں اس راز کا ذکر مختلف انداز میں ہوتا ہے۔ گیان لہر سے ہی چند مثالیں پیش ہیں۔

بند نمبر ۲

بھیکھ دھار مالی ہو آیا   اس مالی کا بھید نہ پایا

مالی بھید اپار ہے پہونچی سرت نہ تاہ

بہتے سر تا بیچ رہے لیہونہ کاہو راہ

بند نمبر ۸

حقیقت محمد یہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اس بند میں ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کر کے کہتے ہیں:

بھید اپنا میں تجھ کو دینا   جو کینا میں تجھ کو کینا

بند نمبر ۹

سالک جب معرفتِ حق پالیتا ہے تو وہ کیا کرتا ہے:

گیان لہر جاکے جی آوے   سو جگ باگ کا بھید بتاوے

یہ رازِ آفرینش کیا ہے؟ عالم شہادہ کے وجود پذیر ہونے کا راز کیا ہے؟ ہم اسے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

رازِ ہستی اور مولانا رومؒ

رازِ ہستی ایک رازِ ازلی اور سرالاسرار ہے۔

انسان کی حقیقت اس کی روح ہے۔ قرآن کریم کے مطابق یہ امر ربی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی روح میں سے روح انسان کے اندر پھونکی۔ مولانا روم انسانی روح کو بانسری سے تشبیہ دیتے ہیں لیکن یہ ایک لامحدود نیستان میں سے (لامکان میں سے) الگ ہوئی ہے۔ گویا عالم ارواح ایک ایسا عالم ہے جس میں وحدت بھی ہے اور کثرت بھی۔ لیکن ارواح کی کثرت اشیاء کی کثرت کی طرح نہیں۔ مادی اشیاء کا تعدد مکان سے پیدا ہوتا ہے۔ لامکان کے اندر کثرت و وحدت کا وہ انداز نہیں جو عالم طبیعی و مکانی میں پایا جاتا ہے۔ یہ ایک رازِ ازلی ہے اور سرالاسرار ہے کہ ارواح کو وصال ازلی کے بعد فراق کس طرح لاحق ہوا۔ اس راز کو کوئی آج تک افشا نہ کر سکا۔

کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معمارا

ہستی کا آغاز اور انجام دونوں اسرارِ الٰہی ہیں۔ ان کے متعلق انبیاء و اولیاء کے بیانات تمثیلی اشارات ہیں اور حکماء کے تصورات ظنی ہیں، صحیفہ فطرت کے شروع اور آخر کے صفحات عقل و ادراک کے لیے ساقط ہیں۔

ماز آغاز و زانجام جہاں بے خبریم
اوّل و آخر ایں کہنہ کتاب افتاد است

ہم اس جہاں کے آغاز و انجام سے بے خبر ہیں کیونکہ اس کتاب کہنہ کا اوّل و آخر ورائے عقل ہے۔

لیکن مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے خود ہی کہیں کہیں اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش کی ہے۔ مولانا روح کی ازلی کیفیت یوں بیان فرماتے ہیں:

منبسط بودیم و یک گوہر ہمہ
بے سروپا بدیم آں سرہمہ
یک گہر بودیم ہمچوں آفتاب
بے گرہ بودیم و صافی ہمچو آب
چوں بصورت آمد آں نور سرہ
شد عدد چوں سایہ ہائے کنگرہ
کنگرہ ویراں کنید از منجنیق
تارود فرق از میانِ ایں فریق

ترجمہ: ''پہلے ارواح میں پھیلا ہوا ایک ہی بسیط جوہر تھا۔ ''خلقکم من نفس واحدۃ'' اس حالت میں روحوں کے نہ قالب تھے نہ اعضاء، جس طرح آفتاب کے منبسط ہونے اور کرنوں کی کثرت کے باوجود اس کی روشنی ایک ہی ہوتی ہے۔ جس طرح پانی میں لاتعداد قطرے بے گرہ متحد ہوتے ہیں۔ ارواح کے انوارِ ازلی جب عالم خلق

یا عالم صورت میں آئے تو حجاب کی وجہ سے ان میں تعدد دکھائی دینے لگا۔ جیسے دیوار یا برج کے کنگروں پر جب آفتاب کا سایہ پڑتا ہے تو نور اور سایہ کا اختلاط کثرت کا دھوکا پیدا کرتا ہے، صورتوں کے حجاب کو رفع کرنے کی کوشش کرو تم ارواح میں تفریق محسوس نہ کرو گے۔

ایک کمرے میں اگر دس مختلف شکلوں کے چراغ روشن ہوں تو ان سے کمرے میں پھیلنے والی روشنی کو تم الگ الگ نہیں کر سکتے۔ ان تمام چراغوں کا نور ایک غیر منقسم وحدت بن جاتا ہے۔ جب چراغوں کا مادی نور اپنی کثرت میں یہ وحدت پیدا کر سکتا ہے تو عالم ارواح جو عالم نور و شعور ہے ان کی کثرت میں بدرجہ اولیٰ یگانگی ہوگی۔ عالم ارواح عالم معانی ہے اور معانی میں تقسیم اور تعدد نہیں ہوتا۔ (۷۱) (حکمت رومی از خلیفہ عبدالحکیم ص ۱۱، ۱۲، ۱۳)

ڈاکٹر علامہ اقبال کی نظر میں انائے صغیر (روح انسانی) اور انائے کبیر (اللہ تعالیٰ)

حکمت اقبال، اقبال کا فلسفہ خودی ہے۔ خودی سے مراد وہ شعور ہے جو خود شناس ہو اور خود آگاہ ہو۔ اپنی ذات اور اپنے مقاصد کا شعور رکھتا ہو۔ یہاں شعور کا مطلب ہوش یا تمیز نہیں بلکہ وہ چیز ہے جس کا خاصہ ہوش یا تمیز رکھنا ہے یا جس کی وجہ سے انسان ہوش یا تمیز رکھتا ہے۔ انسان میں یہی چیز ہے جو خود شناس ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو ''میں'' کہتی ہے۔ اقبال اس کو ''انا'' یا ایغو یا من بھی کہتا ہے۔ انسان اسی کی وجہ سے زندہ ہے، موت آنے پر یہی ''انا'' اس سے الگ ہو جاتی ہے۔

خود آگاہی ایک حیرت انگیز خاصہ ہے جو انسانی تگ و دو کی وجہ ہے۔ انسان اپنی انا کو جانتا ہے مگر اس کی کوئی حس اسے اپنی انا کو جاننے میں مددگار نہیں۔ انسان اپنی انا کو دیکھ نہیں سکتا۔ مگر اس کا علم ان چیزوں سے بدرجہا یقینی ہے جنہیں وہ دیکھ سکتا ہے۔ انسان اپنی ''انا'' اور ''میں'' ہی کی وجہ سے دوسری چیزوں کو جانتا ہے کیونکہ ان اشیاء کا علم وہی ہے جو اس کی خودی جانتی ہے۔ اگر انسان کو اپنی انا اپنے ہونے کا علم نہ ہو تو وہ دنیا کی کسی چیز کو

دیکھنے کے باوجود نہیں جان سکتا۔

اللہ تعالیٰ خود حسین ہے اس کی کائنات کی حقیقت سوائے اس کے کچھ نہیں کہ وہ خدا کے حسن کی جلوہ گاہ ہے۔ یوں سمجھنا چاہیے کہ کائنات گویا ہے ہی نہیں۔ فقط خدا ہی خدا ہے جس کا حسن کائنات کی صورت میں بے حجاب ہو گیا ہے۔ اس حسن کے نظاروں کے لیے، انائے کبیر نے۔

''اننی انا اللّٰہ لا الٰہ الّا انا۔ فاعبدنی واقم الصلوٰۃ لذکری''

اپنی روح میں سے نفخہ عطا کیا تو انائے صغیر کو وجود بخشا۔ اُسے حسن تمام نے آرزوئے حسن دے کر تخلیق کیا۔ احسن تقویم بنایا، آرزوئے حسن نے ہی انسان کو حسن کا متلاشی بنایا اور اس راہ میں پیہم تگ و دو اس کی تقدیر بنی۔ صفات خداوندی کے حسن کی کائنات میں جو جلوہ آرائیاں نظر آتی ہیں وہ موجود ہی نہ ہوتیں۔ اگر انائے صغیر مجسم آرزوئے حسن نہ ہوتی۔ اگر ہمارے دل میں حسن کی آرزو نہ ہوتی تو کائنات کا حسن، حسن نہ ہوتا کیونکہ ہمارے پاس کوئی معیارِ حسن ہی نہ ہوتا جس پر پرکھ کر ہم اُسے حسن قرار دے سکتے۔ نہ ہم کائنات کے حسن کی ستائش کر سکتے نہ اس کے مشاہدہ اور مطالعہ سے اس کے خالق کا کوئی تصور قائم کر سکتے۔ حقیقت کا سارا علم ہمارے اندر ہے ہم سے باہر نہیں۔ قدرت کا مشاہدہ اسے بیدار کرتا ہے اور اس کی حفاظت کرتا ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ خدا کا عرفان اپنا عرفان ہے۔ خدا پر ایمان لانا اپنے آپ پر ایمان لانا ہے۔ ایک طرف خدا کا حسن کائنات میں پیدا اور ظاہر ہے اور دوسری طرف سے انسان کی آنکھوں میں مخفی اور مستور بھی ہے۔ اگر خدا کا حسن ظہور پائے اور انسان کے دل کی آنکھوں میں مستور نہ ہو یعنی انسان کے دل میں اپنا اثر یا احساس پیدا نہ کر سکے جو وہ انسان کی مخفی آرزوئے حسن کی وجہ سے پیدا کرتا ہے تو اس کا ظہور بھی بے معنی رہے۔ لہٰذا حسن کا اصل مقام انسان کے دل کے اندر ہے اور یہ انسان ہی کا دل ہے جو حسن کامل کا صحیح معیار ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ تجلی یا معرفتِ کاملہ کا دارومدار اسی حسن کے کامل احساس پر ہے جو انسان کے دل کے اندر مخفی ہے۔

وہ اپنے حسن کی مستی سے ہیں مجبور پیدائی
میری آنکھوں کی بینائی میں ہیں اسباب مستوری

اور

حکیم و صوفی و عارف تمام مستِ ظہور
کسے خبر کہ تجلی ہے عین مستوری

(۴۲)(حکمت اقبال،۲۷،۲۲۶،۲۲۷)

تخلیق کائنات کا سبب

تخلیق کائنات کا باعث خودی (ذاتِ حق) کا مرکزی وصفِ محبت ہے۔ خودی ہمہ تن محبت ہے اور اس کی فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ایک نصب العینی حسن کے محبوب کی محبت کا جذبہ محسوس کرتی ہے۔ اس سے شدید محبت کرتی ہے۔ نصب العین کی محبت کا یہ وصف جس طرح انسانی خودی میں موجود ہے اسی طرح ''کائناتی خودی'' میں بھی موجود ہے۔

انسان کا نصب العین خدا ہے اور خدا کا نصب العین انسان کی وہ حالتِ کمال ہے جو اس کے تمام کمالات علمی، روحانی، اخلاقی اور جمالیاتی کمالات کی آئینہ دار ہو۔ (احسن تقویم ہو)

چونکہ انسان کا محبوب خدا ہے اور خدا کا محبوب انسان ہے۔ اس کائنات کے ارتقائی عمل کے ذریعے ایک دوسرے کی جستجو کر رہے ہیں۔

انائے انسانی اپنے کمال پر پہنچ کر خدا کو پائے گی تو انسان کی اپنی خودی کا مخفی حسن بے حجاب ہوگا اور یہی وہ وقت ہوگا جب انسان کے لیے خدا کا حسن بھی پوری طرح بے حجاب ہوگا۔

تلاش او کنی جز خود نہ یابی
تلاشِ خود کنی جز او نہ بینی

ترجمہ: ''اس کی تلاش کرو گے تو اپنی ذات کے علاوہ اور نہ پاؤ گے اور اگر اپنی تلاش کرو گے تو اس کے علاوہ کسی کو نہ دیکھو گے۔''

رازِ تخلیق

اقبال کے مطابق خودی کی فطرت کا ایک تقاضا ہے کہ اس کی تخلیق ہمیشہ ایک ارتقائی عمل کی صورت اختیار کرتی ہے جس میں ایک مدت صرف آتی ہو بلکہ صرف ارتقا ہی نہیں عمل تخلیق کے اور بہت سے لوازمات ہیں جو خودی کی فطرت سے پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً تخلیق کا پہلے ایک ذہنی یا شعوری حالت میں موجود ہونا اور بعد میں ایک عزم سے یا قول ''کــــن'' سے شروع ہونا، کسی محبوب یا مقصود کی محبت اور جستجو کی شکل اختیار کرنا۔ مقصود یا محبوب کے غلط اور ناقص متبادلات یا اقبال کے الفاظ میں پیکر اغیار کا ظہور اور ان کا ترک یا استیصال وحدت خالق سے کثرت کا ظہور، زمان و مکاں کا ظہور، عناصر تخلیق کے اندر جذب یا کشش کا ظہور، خوب، ناخوب نیک و بد اور حق و باطل کے امتیاز کا ظہور، خودی کی صفات جلال و جمال کی آشکارائی وغیرہ۔ تخلیق خدائی ہو یا انسان کی اس کے لوازمات میں کوئی فرق نہیں آتا۔ یہی سبب ہے کہ اقبال ہمیشہ بتاتا ہے کہ جو شخص آفرینش کے اسرار و رموز معلوم کرنا چاہے اسے اپنے آپ پر نگاہ ڈالنی چاہیے۔ خدا واحد اور مخفی ہے لیکن اپنی تخلیق کی وجہ سے کثیر بھی ہے اور آشکار بھی ہے۔ ضروری ہے کہ کثرت اور آشکارائی کی طرح خدا اور انسان کی تخلیق کے اور لوازمات بھی مشترک ہوں اور انسان کی تخلیق خدا کی تخلیق کی طرف راہنمائی کرتی ہو۔

اسرارِ ازل جوئی برخود نظرے واکن
یکتائی و بسیاری، پنہانی و پیدائی

اگر رازِ ازل کی تلاش ہے تو اپنی ذات پر نظر کرو۔ وحدت و کثرت اور ظہور و بطون ہی رازِ حیات ہیں۔

''من عرف نفسه فقد عرف رَبَّهٗ''

(جس نے اپنے نفس کی پہچان کرلی اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔)

اقبال کا یہ نظریہ کہ اگر انسان اپنے آپ پر نگاہ ڈالے تو وہ خدا اور کائنات کے اسرار و رموز کو سمجھ سکتا ہے۔ دراصل قرآن ہی سے ماخوذ ہے۔

وَفِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ ؕ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ (سورۃ الذاریات آیت ۲۱) (اور خدا کی ہستی اور صفات کے نشانات تمہاری اپنی جانوں میں موجود ہیں کیا تم نہیں دیکھتے؟)

(۷۳)(حکمت اقبال ص ۱۲۰ تا ۱۲۳)

کائنات کی تخلیق کا عمل

خدا کے قول کن کے وقت کائنات اپنی پوری تفصیلات کے ساتھ خدا کے شعور میں موجود ہوگئی تھی۔ کائنات کی اس ذہنی اور شعوری حالت کو ہی خدا نے کن کا حکم دیا تھا۔ کائنات کی ایسی حالت کو ہی قرآن حکیم نے لوح محفوظ یا ام الکتاب کہا ہے۔ تاہم تخلیق کی صورت میں کائنات کا خارجی ظہور فی الفور نہیں ہوا بلکہ اس نے تدریجی ارتقاء کے ایک عمل کی صورت اختیار کی اور یہ عمل عرصہ دراز سے جاری ہے اور جب تک نوع انسانی اپنی تکمیل کی انتہا کو نہیں پہنچتی برابر جاری رہے گا۔ تخلیق حسن کی جانب خودی کے ارادہ کی حرکت کا نام ہے۔ حرکت تخلیق کی اصل ہے جس کے بغیر تخلیق ممکن ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کائنات کی ہر چیز کی بنیاد حرکت ہے اور پوری کائنات متحرک ہے۔

فریبِ نظر ہے سکون و ثبات
تڑپتا ہے ہر ذرۂ کائنات
ٹھہرتا نہیں کاروانِ وجود
کہ ہر لحظہ تازہ ہے شانِ وجود

''خودی یا زندگی کا راز اگر کوئی ہے تو یہی ہے کہ وہ اپنے مقصود کی طرف اڑنے یعنی نہایت سرعت کے ساتھ حرکت کرنے کا ایک ذوق ہے۔'' (۷۴)

(حکمت اقبال، ڈاکٹر رفیع الدین، صفحہ ۱۲۵)

رازِ تخلیق کائنات میں اہل حق کا نظریہ

انسان نہ صرف شعور رکھتا ہے بلکہ اُسے یہ بھی علم ہے کہ وہ باشعور ہے یعنی اُسے شعورِ ذاتی حاصل ہے۔ اسی شعورِ ذاتی کی بنیاد پر اس نے اس کائنات کی حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کی ہے۔ خالقِ کائنات اور انسان کے تعلق کو سمجھنے کی تگ و دو اس کی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اس نے اللہ تعالیٰ اور موجوداتِ عالم کے درمیان تعلق کی نوعیت کو سمجھنے کی کوشش کی ہے اور اس کے لیے اہل حق اور صاحبانِ مشاہدہ نے اپنی باطنی کیفیات اور کشف سے حاصل شدہ حقائق کی روشنی میں ایک نظریہ قائم کیا جسے ''نظریہ وحدۃ الوجود'' کہتے ہیں۔ نظریہ وحدۃ الوجود کے پہلے شارح شیخ اکبر محی الدین ابن عربی ہیں۔

ابن عربی کے خیال میں ذات باری تعالیٰ کا وجود وجودِ حقیقی ہے۔ وہ واجب الوجود ہے۔ تمام آثار کا منشاء ہے، واحد ہے اور اس کی وحدت شخصی ہے نوعی نہیں، ذاتی ہے عددی نہیں۔ اس کا مکان لامکان ہے۔ لاانتہا ہے جملہ شروط سے آزاد حتیٰ کہ شرطِ اطلاق سے بھی یہ مقام تنزیہہ ہے۔

جملہ آثار و موجودات کا اصدار ذاتِ واجب الوجود سے ہوا ہے۔ چنانچہ اس کے ظاہر و باطن میں حق تعالیٰ کے سوا کوئی موجود نہیں۔ دکھائی دینے والا عالم جو حق تعالیٰ کا غیر محسوس ہوتا ہے اور جسے ماسوا کہتے ہیں فی الحقیقت ماسوا نہیں بلکہ حق تعالیٰ کا مظہر ہے۔ حق تعالیٰ اپنی لامحدود شانوں کے ساتھ اس عالم میں جلوہ گر ہے۔ یہ کثرت اور غیریت جو محسوس ہوتی ہے ہمارا واہمہ ہے اور عقل انسانی کا قصور ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بدور البازغہ میں وجودِ حقیقی کے متعلق بیان کرتے ہیں:

''حقیقتِ کبریٰ یا حقیقۃ الحقائق کو منطقی اصطلاح میں کسی حکم کا موضوع قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس میں ''یہ ہے'' اور ''یہ نہیں ہے'' تک کی گنجائش نہیں۔ کسی کا علم اور کوئی علم اس کے دامن ادراک تک نہیں پہنچ سکتا کیونکہ علم در حقیقت تعین کا دوسرا نام ہے جو مقامِ اطلاق کے منافی ہے۔ چیزیں اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی کوئی ضد نہیں، کوئی مثال نہیں،

یہ انانیت کبریٰ ہے۔ یہ ایک بسیط حقیقت ہے جس نے دوسرے حقائق کا ہر طرف سے احاطہ کیا ہوا ہے۔" (۷۵)

تخلیق کائنات میں قرآن کیا فرماتا ہے، ذرا سنیئے:

اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ (سورۃ الاعراف آیت ۵۴)

ترجمہ: "بے شک تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے سب آسمانوں اور زمین کو چھ روز (ادوار) میں پیدا کیا پھر عرش پر قائم ہوا۔"

اہل حق کے نزدیک یہاں چھ روز سے مراد چھ ادوار یا چھ تجلیاں ہیں۔ یعنی (۱) مرتبہ احدیت (۲) مرتبہ وحدت (۳) واحدیت (۴) عالم ارواح (۵) عالم مثال اور (۶) عالم اجسام ہیں جن کو مراتب ستہ یا تنازل ستہ کہتے ہیں۔ یعنی باری تعالیٰ نے صرافتِ ذاتی کے مقام سے چھ مراتب میں تنزل کر کے عالم اجسام یا عالم شہادت کی صورت پر جلوہ نمائی کی ہوئی ہے۔ ذات حق نے مرتبہ وراء الوراء سے جن مراتب سے علی الترتیب نزول فرما کر عالم امر اور عالم خلق کا صدور کیا انہیں تنزلات کہتے ہیں۔

تصوف میں یہ لفظ اپنے لغوی معنی سے ہٹا ہوا ہے جس کا مطلب صرف ذاتِ حق سے موجودات کا صدور ہے۔ وجودِ حقیقی، الآن کما کانَ جیسا تھا۔ ویسا ہی ہے اس میں کوئی تغیر رونما نہیں ہوا اور نہ ہی مظاہرِ وجود سے اس وجودِ حقیقی کا کوئی حلول یا اتحاد ہوا ہے۔

یہ کائنات یعنی عالم امر اور عالم خلق کیا ہیں سب اسماء وصفاتِ الٰہیہ کی جلوہ گری ہے۔

"مرتبہ احدیت ذاتیہ میں حق تعالیٰ بطون در بطون تھا اس کے اسماء وصفات اس کی ذات میں بالقوہ موجود تھے۔ مرتبہ احدیت نے تنزل فرما کر مرتبہ وحدت میں ظہور فرمایا۔ اس مرتبہ میں اسماء وصفات الٰہیہ کا ظہور علمی واجمالی ہوا۔ پھر اس مرتبہ سے تنزل فرما کر مرتبہ واحدیت میں ظہور فرمایا۔ اس مرتبہ میں اسماء وصفات کا ظہور علمی و تفصیلی ہوا۔ پھر اس مرتبہ سے تنزل فرما کر ذات نے عالم ارواح کی صورت پر ظہور فرمایا۔ پھر اس مرتبہ سے

تنزل فرما کر عالم مثال کی صورت پر ظہور فرمایا۔ پھر اس مرتبہ سے تنزل فرما کر عام اجسام کی صورت پر ظہور فرمایا۔ اس مرتبہ میں اسماء وصفات کا ظہور خارجی وتفصیلی ہوا اور عالم ارواح، عالم مثال اور عالم اجسام تینوں مراتب خلقی ہیں۔ (۷۶)

(۱) ایک اہم بات نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ واجب الوجود اور وجود بالذات حق تعالیٰ ہی ہے، ماسوائے حق ہر وجود ممکن الوجود ہے جو اپنے وجود کے لیے حق تعالیٰ کا محتاج ہے۔

(۲) علم حق قدیم ہے۔ معلومات حق بھی قدیم ہیں اور غیر مخلوق ہیں۔ یہی معلوماتِ حق اعیان ثابتہ کہلاتے ہیں۔

(۳) یہی اعیان ثابتہ جب حقائق ممکنہ (وجود ممکنہ کی علمی صورت) پر تجلی کرتے ہیں تو وہ نمایاں ہو جاتے ہیں۔ ظہور پذیر جاتے ہیں۔

غایت تخلیق کیا ہے؟

حق تعالیٰ اپنی ذات کے مرتبہ احدیت میں کمالات حسن، یعنی اسماء وصفات کا مخفی خزانہ تھا۔ حسن ازلی کی خواہش ہوئی کہ اس کا اظہار ہو اور اس کے جاننے والے یعنی حاملینِ معرفت حق بھی ہوں۔ چنانچہ غایت خلق یہ ہے کہ حق تعالیٰ اپنے آپ کو ان صورتوں میں معائنہ کرے جن میں اسمائے صفات نے تجلی فرمائی ہے یعنی وہ اپنے اسماء و صفات کے خدوخال کو عالم کے آئینے میں مشاہدہ کرے۔ مگر آئینہ عالم نے اس وقت تک جلا نہ پکڑی جب تک حضرت انسان جو اسماء صفات الٰہیہ کا مظہر جامع ہے وہ عالم میں وجود پذیر نہ ہوا اور اس انسان میں اکیلے وہ تمام صفات جلوہ گر ہیں جو متفرق طور پر تمام عالم اور اس کے اجزاء میں پائی جاتی ہیں۔ تخلیق کائنات میں یہ مرتبہ انسان کامل کا ہے جسے عرف عام میں حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہا جاتا ہے۔ تنزلات میں یہی تجلی اول ہے۔ مرتبہ وحدت ہے جسے حقیقت الحقائق، عقل اول یا اعیان ثابتہ بھی کہا جاتا ہے۔ حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مافوق مرتبہ ذات ہے جو علم وعرفان سے بالاتر ہے۔ یہ مرتبہ احدیت ہے اور حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تحت مرتبہ شہادت ہے جسے

واحدیت بولا جاتا ہے۔ چونکہ حقیقت محمدیہ کا مرتبہ وحدت ہے جو احدیت اور واحدیت کے درمیان ہے اس لیے وہ ذوجہت (دو جہتوں والا) ہے اس کی ایک جہت ذات احدیت سے متعلق ہے اور دوسری جہت عالم شہادت یا واحدیت سے متعلق ہے۔ اسی لیے حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرتبہ برزخ کی حیثیت رکھتا ہے جو حد فاصل بھی ہے اور حد واصل بھی ہے دو مراتب کے درمیان۔

عالم شہادت میں اسماء وصفات الٰہیہ کا جو علمی اور تفصیلی ظہور جلوہ گر ہے وہی مقام وحدت یعنی حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اجمالاً جلوہ گر ہے۔ گویا کہ نورِ حقیقت محمدیہ ہی ہے جو سب سے پہلے تخلیق ہوا اور اس نور سے ساری کائنات وجود میں آئی۔

(۷۷) (شرح کتاب الطواسین، ذہین شاہ تاجی، صفحہ ۱۹)

مولانا نانوتوی کے نعتیہ اشعار اس مقام پر بہت خوب لگتے ہیں:

سب سے پہلے مشیت کے انوار سے
نقشِ روئے محمد ﷺ بنایا گیا
پھر اسی نقش سے مانگ کر روشنی
بزم کون و مکاں کو سجایا گیا

اب ذرا فطرت انسانی پر غور کرو۔ اس میں کیا کیا ودیعت ہے۔ وہ مظہر تام ہے شانِ الوہیت کا۔ وہ جامع ہے صفاتِ کمالیہ کا جسے واحدیت کہتے ہیں۔ اس میں حقیقت الحقائق یعنی مرتبہ احدیت کی بے رنگی اور تنزیہہ بھی ہے۔

اس میں خلقت عنصری اور مادی کے لوازم بھی داخل ہیں جو اوصاف و کمالات انسانی کے حامل ہیں۔ یہاں تک کہ اس میں ''انسان کبیر'' یعنی عالم کے اقتضاء کے مطابق بن جانا بھی شامل ہے۔ اس میں طبیعت عام کی تمام قابلیتوں کو حاوی ہونے کی صلاحیت بھی ہے۔ قطع نظر اس کے کہ یہ صلاحیتیں اعلیٰ ہوں یا اسفل اور اس مسئلے کو یعنی انسان کامل کے مظہر تام و تجلی گاہ، متجلی لہ ''کامل ہونے'' کو کسی کی عقل، فکر و نظر نہیں جان سکتی بلکہ اس کا ادراک صرف کشفِ الٰہی سے ہوتا ہے۔ کشف الٰہی سے معلوم ہوتا ہے کہ صور عالم جو قبول کنندہ و ارواح عالم ہیں ان کی حقیقت کیا ہے۔

حضرت انسان جامع صفات الٰہیہ، زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے۔ انسان کا مطلب آنکھ کی پتلی ہے جو محلِ بصر ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے انسان کو جامع صفات اسی لیے پیدا کیا کہ وہ اپنی ذات کو اپنی صفات کے اس مظہر تام کے آئینے میں دیکھنا چاہتا ہے۔ گویا کہ انسان ہی کے توسط سے حق تعالیٰ اپنی مخلوقات کو ملاحظہ فرماتا ہے، اس پر رحم فرماتا ہے اور اس کو وجود عطا کرتا ہے کیونکہ مقصودِ تخلیق انسان ہی ہے۔ اسی لیے انسان کو سرِّ الٰہی کہا گیا ہے۔ (۷۸)

مندرجہ بالا وضاحت کی روشنی میں سورہ روم کی آیت نمبر ۳۰ جو تخلیق انسان کے متعلق ہے، اس کا مطلب نہایت واضح ہو جاتا ہے:

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ؕ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ۙ (سورۃ الروم: آیت ۳۰)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ کی وہ فطرت جس پر انسانوں کو پیدا کیا گیا۔ اللہ کی تخلیق (کے نظام، اصول) کو تبدیل نہیں کیا جا سکتا اور یہی محکم اور سیدھا دین ہے۔''

سید محمد ذوقی سرِ دلبراں صفحہ ۲۸۱ پر لکھتے ہیں کہ:

''اللہ کی وہ فطرت جس پر اللہ نے انسان کو پیدا کیا ہے وہ اسماء صفات (الٰہیہ) ہیں۔''

فطرت اللہ، اللہ تعالیٰ کی وہ تجلی ہے جس سے اعیان ثابتہ (اللہ تعالیٰ کے حقائق علمیہ) کا ظہور ہو رہا ہے۔ یہی تجلی اعیان ثابتہ کو عالم معقول سے عالم محسوس میں نمایاں کر رہی ہے اور جو کچھ بالقوی ہے اسے بالفعل صورت میں لاتی ہے اور موجودات علمیہ کو جس طور پر وہ ثبوت علمی میں ہیں خارج میں ظاہر کرتی ہے۔ یہی وہ سرِّ قدر ہے یعنی اعیان کی صورتوں میں تجلی حق ہے۔

یوں تو ہر مخلوق کسی نہ کسی اسم الٰہی کی مظہر ہے مگر انسان ان تمام اسمائے الٰہیہ کا مظہر ہے۔ اس لیے اس کی فطرت میں ایسی جامعیت ہے جو کسی دوسری مخلوق میں نہیں ہے۔ اسی لیے وہ خلیفۃ اللہ ہے۔ اس کا وجود کیا ہے؟ کل اسمائے حسنیٰ کی نمود ہے۔ اس کے ظہور سے سرِ مخفی آشکار ہوگیا، یہ کسی اور پر آشکار نہیں ہوا۔ خدا پر ہی آشکار ہوا کیونکہ صورتِ انسان اسی کے اسماء کی صورت ہے اور حقیقت انسان اسی کے اسماء کی حقیقت ہے۔ یہی مراد ہے: ''الانسان سِرّی وَاَنا سِرّہٗ'' کی اور یہی تعبیر ہے۔ وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (سورۃ البقرہ: آیت ۳۱) کی۔ یعنی موجودات میں اسماء الٰہیہ کا اطلاق کیسے ہو رہا ہے۔ (۷۹)

ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خلق کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ وہ عدم سے وجود میں آئی ہے۔ ان کے نزدیک یہ محال ہے کہ کوئی شے عدم سے وجود میں آئے۔ اصل وجود اور سبب وجود فیض الٰہی ہے جو دائم ہے۔ ایک تجلی ہے جو ہر لحظہ ہر موجود کی اللہ کی روح سے مدد کر رہی ہے۔ لہٰذا خلق تجلی الٰہی دائمی کا مظہر ہے۔

اسماء الٰہیہ کا وجود مظاہر خلق پر منحصر ہے۔ یہ مظاہر نہ ہوں تو پھر اسماء الٰہیہ کا وجود بھی نہ ہو۔ پس اسماء الٰہیہ اپنے وجود میں خلق کے طالب بھی ہیں اور خلق کی طرف احتیاج بھی رکھتے ہیں۔ اسی طور پر خلق کا وجود اسماء الٰہیہ پر منحصر ہے۔ وہ نہ ہوں تو خلق کا وجود بھی نہ ہو۔ پس اس اعتبار سے خلق اسماءِ الٰہیہ کی طالب بھی ہے اور ان کی محتاج بھی ہے۔

چونکہ اسماءِ الٰہیہ اپنے ظہور کے طالب تھے اس لیے مشیتِ حق نے بلحاظ اسماء حسنیٰ (بلحاظ ذات نہیں) خلق میں عام طور پر اور انسان میں خاص طور پر وجود کو ظاہر فرمایا اور اپنی معرفت حاصل کی۔ انسان بطور جامع صفات الٰہیہ مخلوق میں سے اپنے رب کو سب سے زیادہ پہچاننے والا ہے مگر چونکہ انسان کا وجود بھی وجودِ حق سے موجود ہے اس لیے اس کی معرفت بھی دراصل حق تعالیٰ ہی کی معرفت ہے۔

اگر کسی وجہ سے خلق اسمائے الٰہیہ کی طلب ظہور کے مقاصد پورے کرنے میں ناکام ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس خلق کو محو کر دیں گے اور ایسی خلق کو وجود ملے گا جس کے اسمائے الٰہی طالب ہوں۔ (۸۰) اس ضمن میں حدیث پیش خدمت ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''لَوْ لَمْ تُذْنِبُوْا لَجَآءَ اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُذْنِبُوْنَ فَیَغْفِرُ لَھُمْ''

ترجمہ: ''اگر تم گناہ نہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ دوسری قوم لائیں گے جن سے گناہ ہوں گے پھر اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمائیں گے۔''

دوسری حدیث

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوْ کُنْتُمْ لَا تُذْنِبُوْنَ لَاَتَی اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ بِقَوْمٍ یُذْنِبُوْنَ حَتّٰی یَغْفِرُ لَھُمْ''

ترجمہ: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ دوسرے لوگوں کو لائیں گے جو گناہ کریں گے تاکہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کریں۔''

ان احادیث کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت ''غفور'' طالب ہے ایسے ظہور کی جو مغفرت کا طالب ہو۔ یعنی گناہ کرے اور پھر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے اور اللہ تعالیٰ کی صفت غفور اپنے ظہور کے تقاضوں کے مطابق اُسے معاف کرے۔ (۸۱)

قرآن حکیم میں سورۃ الحدید آیت نمبر ۳ میں وارد ہوا ہے:

هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ ۚ وَ هُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝۳ (سورۃ الحدید: آیت ۳)

ترجمہ: ''وہی اول وہی آخر وہی ظاہر وہی باطن اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔''

حدیث شریف میں اول وآخر اور ظاہر و باطن کی تشریح ایسے کی گئی ہے:

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَیْسَ قَبْلَکَ شَیْءٌ وَاَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَیْسَ بَعْدَکَ شَیْءٌ وَاَنْتَ الظَّاھِرُ فَلَیْسَ فَوْقَکَ شَیْءٌ وَاَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَیْسَ دُوْنَکَ شَیْءٌ

ترجمہ: ''اے اللہ! تو ایسا اوّل ہے جس سے پہلے کوئی چیز نہیں۔ تو ایسا بعد ہے جس کے بعد کوئی چیز نہیں تو ایسا ظاہر (غالب) ہے تجھ سے برتر اور کوئی نہیں، تو ایسا باطن ہے کہ جس سے مخفی تر اور کوئی چیز نہیں۔''

جیسا کہ سطور بالا میں ہم دیکھ آئے کہ یہ کائنات اور تمام موجودات حق تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ ہی کی جلوہ آرائی ہے۔ چنانچہ تخلیق کا حسن بھی یہی ہے کہ ہر خلق میں ایک صورت ظاہری ہے اور ایک صورت حقیقی یا معنوی ہے۔ سر تخلیق اسی صورت و معنی کے باہمی ربط کو جاننے کا نام ہے۔

اعیان ثابتہ ایک اعتبار سے معلومات حق ہیں اور دوسرے اعتبار سے حقائق اسمائے الٰہیہ ہیں۔ جب اسمائے الٰہیہ اعیان ثابتہ اور حقائق ممکنہ پر تجلی کرتے ہیں تو وہ وجود پذیر ہو جاتے ہیں۔

''چنانچہ ہر شے کے دو تعین ہیں۔ ایک تعین حقیقی جو علم حق میں ہے اس کو تعین ذاتی بھی کہتے ہیں جو ہر تغیر و تبدل، زوال و فنا سے پاک ہے۔ دوسرا تعین صفاتی ہے جو ہر وقت بدلتا رہتا ہے۔ تبدیلی صفات سے متبدل ہوتا رہتا ہے مگر اس تبدیلی سے ذات کی انفرادیت و تشخص پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ یہ تغیر و تبدل بھی دراصل تجلیات الٰہیہ سے نمودار ہوتا ہے۔ یہی حال تمام اشیائے عالم اور پورے عالم کا ہے کہ ان کی ایک جہت متغیر ہے اور دوسری جہت تغیر سے پاک ہے اور جو جہت تغیر سے پاک ہے وہ اس کی تعین ذاتی کی وہ جہت ہے جو اللہ کے علم قدیم میں ہے اور وہ جہت جو تغیر پذیر ہے وہ متعلق ہے حدوث و زوال و امکان سے حسبِ اقتضائے تجلیاتِ حق کے۔ (۸۲)''

(فصوص الحکم تنبیہات و تشریحات، حضرت بابا ذہین شاہ تاجی، ص ۲۷۔ ۲۶، ۲۵)

حضرت مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ لوائح جامی میں لائحہ نمبر ۲۲ میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات، موجودات عالم کے صفات میں اور حق تعالیٰ کی ذات موجودات کی ذوات میں جاری وساری ہیں اور موجوداتِ عالم کے وجود وقیام کی اصل وجہ یہی ہے۔ لائحہ کا ترجمہ کچھ یوں ہے:

''کائنات کی ہر چیز یا تو مظہر ہے ذات حق کے کسی اسم وصفت کا یا حق تعالیٰ اسی چیز کے اندر موجود ہے۔ اس اسم یا صفت کے لباس میں اس وجہ سے حضرت حق ہر شے کے باطن میں ہمیشہ پنہاں ہے اور اس کے اسماء و صفات ظاہر ہیں۔ اگر صور علمیہ (اسماء و صفات) کو ذات سے الگ کر دیا جائے تو جہل لازم آتا ہے۔''

القصہ عالم موجودات میں ظاہر اور باطن میں حق تعالیٰ ہی کا ظہور ہے۔ صورتِ عالم اور حقیقت عالم میں ربط اور تعلق کی تشریح میں ہی راز آفرینش مخفی ہے۔

شرح کلام: بند نمبر ۵۸

جناب میراں سید بھیکھ اپنے مرشد کریم کی بارگاہ میں عرض گزار ہیں۔ انہیں مخاطب کر کے کہہ رہے ہیں کہ آپ تو بہت بڑے راجا مہاراجہ ہو اور میرے لیے تو آپ ہی سب سے بڑھ کر بزرگ اور راہنما ہو۔ میرے نفس نے مجھ پر قابو پالیا ہے مجھے بہت بڑی مصیبت میں گرفتار کرا دیا ہے۔ آپ ہی ایسے بلند مرتبہ اور حق تعالیٰ کے برگزیدہ محبوب ہو مجھے اس مشکل سے آپ ہی بچا سکتے ہیں۔ چونکہ میں آپ ہی کے در سے وابستہ ہو چکا ہوں۔ راہِ سلوک میں آپ ہی کو اپنا راہرو و راہنما مان لیا ہے۔ لہٰذا ہوائے نفس میں پھنس جانے کے بعد آپ کے علاوہ اور کسے پکاروں اور کون میری راہنمائی کرے گا اور کون مجھے اس مشکل سے نکالے گا۔ نفس وشیطان کے کاری وار سے میری حفاظت آپ کے سوا اور کون کرے گا۔ آپ ہی ہمارے راہبر ہو، راہنما ہو اور سردار ہو۔ آپ ہی اس مشکل گھڑی میں ہماری دستگیری کر سکتے ہو اور مجھے وساوس نفسانی کے چکروں سے نکال سکتے ہو۔ آپ مجھے اگر رازِ آفرینش سے آگاہی عطا فرما دیں تو میرے من میں اطمینان آ جائے گا، میرے من

سے شک وشبہ کے اندھیرے سب چھٹ جائیں گے اور میری خطائیں اور روسیاہیاں سب ختم ہو جائیں گی۔اے جگ داتا! سارے جہان کے سخی! تمہاری سخاوت سے ایک عالم بہرہ مند ہو رہا ہے۔میرے من سے شکوک وشبہات اور بے یقینی کے اندھیرے مٹا کر نورِ معرفت حق بھر دیجئے۔میرے لیے آپ کے در کے علاوہ اور کوئی در نہیں آپ ہی بتایئے میں آپ کا در چھوڑ کر اور کس در سے بھیک مانگوں؟

سرِ تخلیق کے متعلق میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ نے خود بھی بہت خوبصورت رنگوں میں اس راز کو بیان فرمایا ہے جس کی چند مثالیں اوپر دی گئی ہیں۔

کارن پیت میت ہو آیا　　احمد اپنا نام دھرایا
بھیداپنوں میں تجھ کو دینا　　جو کینا میں تجھ کو کینا

گیان لہر کے بند نمبر ۵ کے یہ دو شعر نمونہ کے طور پر پیش کیے جا رہے ہیں۔ یہ بند پورے کا پورا حقیقت محمد یہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یعنی مرتبہ وحدت میں ظہور حق تعالیٰ کے متعلق ہے۔یعنی حق تعالیٰ نے تنزل اوّل میں حقیقت محمد یہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور میں ہی اسماء وصفات کو ظاہر کیا۔اسی حقیقت معظّمہ میں اپنا سرِ عظیم رکھا اور پھر موجودات عالم کو اسی حقیقت محمد یہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے ظہور عطا کیا۔

(مزید تفصیل کے لیے بند نمبر ۵ کی شرح ملاحظہ فرمائیں۔)

سرِ آفرینش پر گیان پرکاش کا درج ذیل بند اس مضمون پر ایک شاہکار لگتا ہے:

ث ثابت کر گیان بچارا　　موہن بسے سوکس بدھ نیارا
قلوب المؤمنین جب اوس نے کیا　　تب ہم اس کا انتر لہا
جب آپ کہا میں تم سے نیڑے　　کہاں جدا ہو بھائی میرے
الانسان سری جب وہ بولا　　گپت بھیت پر گھٹ ہو کھولا
ثم استوےٰ علی العرش اوس نے کہا　　اس وچ شک نہ مولے رہا
کہوں دھیرا اور کہوں میت　　”وھو علیٰ کلِّ شیٔ محیط“

پر گھٹ رہا سمایے گھٹ کی گھاٹی بیٹھ کر
ہادی لکھا نہ جائے جب لگ آپ نہ کھوجے
بدھنا بدھ سوں بدھ ریہو سبھ جیو جنتر مانہہ
لکھ چوراسی جون ہے سب واکی پر چھانہہ

فرہنگ

گیان بچارا: معرفت حق میں سوچ بچار، موٗمن: میرے من میں، موہن: اللہ تعالیٰ، نیارا: الگ، انتر: بھید، کہا: سمجھا، معلوم کیا، گپت بھیت: اپنا سر، راز، پرگھٹ: ظاہر، گھٹ کی گھاٹی: باطن کے پردے، بدھنا: خدا تعالیٰ، خالق مطلق، قادر مطلق، بدھ: عقل و دانش، کاریگری، جنتر: اصل، جون: پیدائش، بعثت، واکی: اس کی، پر چھانہہ: سایہ، ظل، بدھ: جاگتا ہوا، ظہور پائے ہوئے۔

ترجمہ وشرح

معرفت حق میں گہری سوچ بچار نے یہ تصدیق کردی کہ اللہ تعالیٰ ہر دل میں بستا ہے اور اس کی ہر شان الگ الگ ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے (حدیث قدسی میں) قلوب المؤمنین عرش اللہ تعالیٰ کہا تو ہمیں اس کے راز کی سمجھ آ گئی۔

جب حق تعالیٰ خود ہی فرما رہا ہو۔ "نحن اقرب الیہ من حبل الورید" (ہم رگِ جاں سے زیادہ قریب ہیں) تو پھر وہ انسان سے کیسے الگ ہوسکتا ہے۔

جب حق تعالیٰ نے فرمایا "الانسان سِرّی وَاَنَا سِرّہٗ" انسان میرا راز ہے اور میں اس کا راز ہوں تو اس نے خود ہی ظاہر ہو کر اپنا بھید کھول دیا۔

جب حق تعالیٰ نے ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ کہا یعنی اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ (سورۃ الاعراف: آیت ۵۴) (بے شک تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے سب آسمانوں اور زمین کو

چھ دن (ادوار) میں پیدا کیا۔ پھر عرشِ (حکومت) پر متمکن ہوا۔) تو اللہ پاک کے اس کلام میں کوئی شک نہ رہا۔

کہیں ڈیروں میں ظاہر ہو رہا ہے اور کہیں مسجد میں۔ غرض اس نے موجوداتِ عالم کی ہر شے کو اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے۔

ذاتِ حق لامکان کے پردوں میں بھی چھپی ہوئی ہے اور موجوداتِ عالم میں اس کے اسماء وصفات کا عظیم الشان ظہور بھی ہو رہا ہے۔ اس ہادی کی معرفت حاصل نہیں ہو سکتی جب تک اپنے نفس کی پہچان نہ کرو۔

(وہ تو ایسا عظیم الشان) قادر مطلق ہے جو اپنی انتہائے کمال کو پہنچی ہوئی قدرت سے ہر نفس کی اصل میں موجود ہے۔ ایک لاکھ چوراسی ہزار پیغمبر جو دنیا میں مبعوث ہوئے وہ سب اسی کا پرتو ہیں۔

تشریح

مرتبہ احدیت وھویت میں مخفی خزانہ حسن وکمال نے جب ظاہر ہونے کا ارادہ فرمایا تو اپنے ہی وجود پر تجلی اوّل ڈالی تو اپنے اسماء وصفات یعنی صورِ علمیہ یعنی حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور ہوا۔ یہی وہی مرتبہ ہے جہاں ذاتِ احدیت نے مقام وحدت میں تنزل فرما کر اپنے تمام راز حقیقت محمدیہ یعنی انسان کامل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آشکارا کر دیئے اور فرمایا: "الانسان سِرّی و انا سِرَّہٗ" انسان میرا راز ہے اور میں انسان کا راز ہوں۔ حضرت انسان، حق تعالیٰ کے تمام اسماء وصفات کا جامع مظہر ہے۔ انسان کی صفات میں صفاتِ حق کا ظہور اور انسان کی ذات میں ذاتِ حق کا ظہور ہے۔ (۸۳) (شرح لوائح جامیؒ۔ لائحہ ۲۲)

اس بند میں ذکر کی گئی آیت قرآنیہ کے بموجب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ ادوار میں تخلیق فرمایا اور عرش حکومت پر متمکن ہو گیا۔ یہ عرش حکومت کہاں ہے؟ اللہ تعالیٰ ہی کی حدیث قدسی کے بموجب قلوب المؤمنین عرش اللہ تعالیٰ، مؤمنین کے قلوب ہی اللہ تعالیٰ کا عرش ہیں۔ ایک اور حدیث قدسی کا مفہوم ہے کہ میں زمین و آسمان کی وسعتوں میں نہ سما سکا مگر مؤمن کے قلب میں سما گیا۔

یہ سب احادیث قدسی اور آیت قرآنیہ، اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے ظہور یعنی تخلیق کائنات کو بیان کرتے ہوئے یہ بھی ثابت کرتے ہیں کہ اس کارگہِ عالم کا دل اور قلب یا روح حضرت انسان ہے اور قلب انسانی مسکن خداوندی ہے۔ سطور بالا میں ہم یہ دیکھ چکے ہیں صفات الٰہیہ موجودات عالم میں انفرادی طور پر ظہور پذیر ہیں اور انسان ان صفات الٰہیہ کا جامع ہے۔ اسی لیے کائنات کو عالم اکبر اور انسان کو عالم اصغر کہا گیا ہے۔ اب کائنات کی روح، حضرت انسان جو احسن تقویم یعنی توحید فعلی وخلقی کا ذروۂ سنام ہے اور حضرت حق کا عرش قلب انسانی ہے جو مرکز و محور کائنات ٹھہرا، اب حق تعالیٰ ہی بتقاضائے صفات، صفات کائنات میں جاری وساری ہے اور حقائق ومعنی کائنات میں ذاتِ حق کا اطلاق وجریان ہے اور خلاصۂ کائنات یعنی حضرت انسان کی صفات بھی جامع صفات الٰہیہ اور حقیقت انسان میں بھی ذاتِ حق ظہور پذیر ہے۔

گویا تمام کائنات کا ظاہر بھی حق تعالیٰ اور حقیقت و باطن بھی حق تعالیٰ ہے۔ اس کے بعد اگر یہ کہہ دیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کی ہر شے کو اپنے گھیرے میں لے لیا ہوا ہے تو اس میں کیا شک رہ جاتا ہے۔

گویا اطلاق یا تنزیہہ کے لحاظ سے ذاتِ حق ہر تعین ہر تقید ہر اسم ورسم اور ہر صفت سے پاک ہے، علم وعرفان سے منزہ ہے، عقل وادراک سے ماوراء ہے۔ گویا گھٹ کی گھاٹی میں بیٹھا ہوا ہے۔ تقید وتشبیہ کے اعتبار سے حقیقتِ وحدت وکثرت، ظاہر وباطن، عبد ورب، حادث وقدیم، مخلوق وخالق، عالم اور معلوم سب کچھ ہے اور کل الکل ہے جو کچھ ہے بس وہی ہے، وہ ہی وہ ہے ماسوا کا نام نہ نشان نہ وجود ہے نہ نمود ہے۔ (۸۴) (فصوص الحکم، تنبیہات صفحہ ۱۲۷)

اے برادر! اگر تم اس کا نشان یا پتہ لگانا چاہتے ہو تو اپنی ذات، اپنے نفس کو کھوجو، اس کی معرفت حاصل کرو۔

ہر ہر نفس اور ہر ہر شے میں ذات حق کی صفات اور ذات کا اطلاق ہی اس کی قدرت کا شاہکار ہے۔ یہی وجودِ انسانی ذاتِ حق کے راز کو آشکار کر رہا ہے اور اسی راز کو سمجھانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ چوراسی ہزار پیغمبر مبعوث فرمائے جو اسی کے اسماء و صفات کا ظل عظیم تھے، مظہر تام تھے۔

بند نمبر ۵۹

اے تم دین دیال جو کہیو — دِین کی سُدھ کہا نہ لییو
دِین ہین سب تیرے کہاویں — تجھے چھاڈ کہہ کیسے سناویں
در دوجا نہیں دین دیالا — کہاں جاؤں میں کر مکھ کالا
دین بندھ ہے بڑو تہارو — جی چھاڈو کیا چلے ہمارو
دیا تمہاری کی ہے منتی — تم دیال ہم کس کی گنتی
کیجئے دیا گیان پھل پاؤں — چاکھت ہی جم کو در پاؤں
دین بندھ مالی سنو بھیکھ دیو پھلہار
جا چاکھے سنسا مٹے کال نہ چھینے یار

فرہنگ: دین دیال: غریب پرور، دِین: غریب، نادار، دین، ہین: غریب اور نادار، دین دیالا: غریب پرور، دین بندھ: غریب پروری کی صفت، جے چھاڈو: اگر آپ چھوڑ دو، جم: موت، دُر پاؤں: کھودوں، ختم کردوں، سنسا: خوف، شک، کال، موت۔

ترجمہ: اے (مرشد کریم!) تم تو بڑے غریب پرور ہو۔ (ہم) غریبوں کی خبر گیری کیوں نہیں کرتے۔

غریب اور نادار سب تیرے ہی کہلاتے ہیں تو بتا تجھے چھوڑ کر ہم اپنی بپتا کسے سنائیں۔

غریبوں اور ناداروں کو سہارا دینے والا اور کوئی در ہے ہی نہیں۔ تو بتا میں (جو کہ اپنی کوتاہیوں اور گناہوں سے) اپنا منہ کالا کر چکا، تیرا در چھوڑ کر کہاں جاؤں۔

تمہارا غریب پروری کا وصف اس قدر بلند ہے۔ اگر آپ ہمیں چھوڑ دو گے تو ہماری کہاں شنوائی ہوگی۔ (ہماری بات کہاں چلے گی)

تمہاری شانِ سخاوت کا تمہیں واسطہ ہے۔ آپ کتنے بڑے سخی ہو، ہم نادار، بھلا (آپ کی شان عالی کے سامنے) کس گنتی میں ہیں۔

آپ مہربانی فرمائیں اور مجھے معرفت کے ثمر سے نواز دیں تاکہ اس عظیم پھل کو چکھتے ہی میرے من سے موت کا خوف دور ہو جائے۔

اے ابوالمعالی! اے سخاوت کے بادشاہ! میری عرض سنو اور مجھے ثمرۂ معرفتِ حق عطا کردو۔ (یہ تو ایسا پھل ہے) اسے جو بھی چکھ لے اس کے من سے شک وشبہ اور خوف کے سائے چھٹ جاتے ہیں۔ موت (جو کہ ایک جسمانی عمل ہے اس کا اثر روح پر نہیں ہوتا) انسان سے یار (مرشد کریم کا تعلق) نہیں چھین سکتی۔

شرح: کتاب گیان لہر کا یہ آخری بند ہے۔ حضرت میراں سید بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرشد کریم کی بارگاہ میں عرض گزار ہیں۔ مرشد جو کہ اپنے مریدوں کے دینی اور روحانی معاملات میں راہنما ہوتا ہے اُسے پکار کر کہتے ہیں آپ تو غرباء ومساکین (طالبانِ حق اور سالکان طریق معرفت) کو پرورش کرنے والے ہو۔ آپ مجھ ایسے نادار کی خبر کیوں نہیں لیتے، جگ میں سارے ہی محتاج اور ضرورت مند آپ کی ذاتِ کریم سے اپنی نسبت جتاتے ہیں اس پر فخر کرتے ہیں، آپ ہی فرمائیں، آپ کو چھوڑ کر ہم اپنی بپتا کسے سنائیں اور اپنے دکھڑے کس کے آگے روئیں۔ میں تو اپنے گناہوں اور بداعمالیوں سے روسیاہی کما چکا۔ اب آپ کے در کے علاوہ اور کوئی در بھی مجھے نظر نہیں آتا۔ آپ ہی فرمائیں میں اپنی روسیاہی لے کر کہاں چلا جاؤں؟ کس سے دادرسی چاہوں۔

آپ کو آپ ہی کی سخاوت وبخشش کا واسطہ دیتا ہوں۔ آپ کا دربارِ سخاوت بہت بڑا اور دست عطا بہت وسیع ہے۔ ہم مساکین جو کسی قطار شمار میں نہیں ہم پر کرم کیجئے۔ اپنی توجہ اور بخشش سے ہمارے اعمال کی روسیاہیاں دھوڈالئے۔ ہمیں اپنے دامانِ رحمت و بخشش میں پناہ دے کر، معرفت حق کے ثمرہ سے نواز دیجئے، صفاتِ حق کو ہماری ذات میں جاری وساری کردیجئے، ہم بھی اللہ تعالیٰ کے اخلاق میں رنگے جائیں۔ معرفتِ حق کے پھل سے ہمیں حیاتِ جاودانی عطا کردیجئے تا کہ اس کے بعد موت کا خوف ہمارے دلوں سے دور ہو جائے۔ موت تو صرف عالمِ جسمانی میں اثر رکھتی ہے، یہ مادی جسم پر ہی اثر انداز ہوسکتی ہے۔ میری روح امر ربی ہے اسے موت سے کیا کام، اپنی یاد، اپنی محبت، میری روح میں سمودیجئے، مجھے اسرارِ حق عطا کردیجئے، پھر یہ موت میرا آپ سے تعلق ختم نہ کرسکے گی۔

الحمدللہ: آج مورخہ ۱۴؍اپریل ۲۰۱۰ء بروز بدھ کتاب گیان لہر کا ترجمہ اور شرح کا کام پایہ تکمیل کو پہنچا۔

''حوالہ جات''

۱ الٰہیات، تصوف اور علم الکلام صفحہ ۸۵
۲ الٰہیات، تصوف اور علم الکلام صفحہ ۳۹
۳ البدور البازغہ اُردو ترجمہ قاضی مجیب الرحمٰن صفحہ ۳۳
۴ الٰہیات، تصوف اور علم الکلام صفحہ ۴۴
۵ لوائح جامی رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۱۳۸
۶ اقبال اور محبتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۱۲
۷ اقبال اور محبتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۱۱
۸ الٰہیات، تصوف اور علم الکلام صفحہ ۷۹
۹ فصوص الحکم تنبیہات وتشریحات۔ حضرت بابا ذہین شاہ تاجیؒ صفحہ ۷۹
۱۰ عید میلاد النبی کا بنیادی مقدمہ از شیخ الحدیث ابوالفتح نصر اللہ خان
۱۱ کتاب اللمع۔ ادارہ تحقیقاتِ اسلامی صفحہ ۷۹
۱۲ کتاب اللمع۔ ادارہ تحقیقاتِ اسلامی صفحہ ۷۲
۱۳ الٰہیات، تصوف اور علم الکلام صفحہ ۵۰۔۴۹
۱۴ الٰہیات، تصوف اور علم الکلام صفحہ ۶۵۔۶۶۔۶۷
۱۵ بدور بازغہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی صفحہ ۳۲ تا ۳۶
۱۶ الٰہیات، تصوف اور علم الکلام صفحہ ۳۹
۱۷ الٰہیات، تصوف اور علم الکلام صفحہ ۴۱ تا ۴۴

۱۸ الٰہیات، تصوف اور علم الکلام صفحہ ۸۵

۱۹ الٰہیات، تصوف اور علم الکلام (ماخوذ و منقول، صفحہ ۸۶۔۸۵)

۲۰ سرِّ دلبراں صفحہ ۱۶۹

۲۱ کتاب اللمع صفحہ ۳۲۱۔۳۲۰

۲۲ قرآن اور علم جدید صفحہ ۲۵۰۔۲۵۱

۲۳ ماخوذ از حکمتِ اقبال صفحہ ۷۲ تا ۷۶

۲۴ ماخوذ از حکمتِ اقبال صفحہ ۱۱۱

۲۵ حکمت اقبال صفحہ ۱۱۹

۲۶ ماخوذ از حکمتِ اقبال صفحہ ۱۱۳ تا ۱۱۵

۲۷ سرِّ دلبراں صفحہ ۲۵۴۔۲۵۵

۲۸ سرِّ دلبراں صفحہ ۱۸۲۔۱۸۳

۲۹ سرِّ دلبراں صفحہ ۲۸۰

۳۰ سرِّ دلبراں صفحہ ۲۴۹

۳۱ سرِّ دلبراں صفحہ ۳۶۹

۳۲ سرِّ دلبراں صفحہ ۳۴۱

۳۳ سرِّ دلبراں صفحہ ۴۹

۳۴ (فصوص الحکم، تنبیہات و تشریحات صفحہ ۵۱)

۳۵ الٰہیات، تصوف اور علم الکلام صفحہ ۳۹

۳۶ کتاب اللمع صفحہ ۲۷

۳۷ فصوص الحکم، تنبیہات و تشریحات ماخوذ از صفحہ ۴۹ تا ۵۲

۳۸ الٰہیات تصوف اور علم الکلام صفحہ ۸۵

۳۹ شرح فصوص الحکم، تنبیہات و تشریحات صفحہ ۴۹

۴۰ (۱) الٰہیات۔ تصوف اور علم الکلام صفحہ ۸۱۔۸۰ (۲) سرِّ دلبراں صفحہ ۳۵۳۔۳۵۲

۴۱ ارمغان شاہ ولی اللہ از پروفیسر سرور صفحہ ۲۴۵۔۲۴۴

۴۲ سرِّ دلبراں صفحہ ۳۷۔۳۶

۴۳ سرِّ دلبراں صفحہ ۲۹۳

۴۴ کنز العارفین شرح مرأت العارفین صفحہ ۱۶۹

۴۵ کشف المحجوب صفحہ ۶۸۷۔۶۸۶۔۶۸۵

۴۶ ...... کشف المحجوب صفحہ ۶۹۰ تا ۷۰۱

۴۷ ماخوذ از عرفان از فقیر نور محمد کلاچوی صفحہ ۱۳۱

۴۸ ماخوذ از عرفان از فقیر نور محمد کلاچوی صفحہ ۱۲۶

۴۹ ماخوذ از الہیات۔ تصوف اور علم الکلام صفحہ ۸۶

۵۰ نزہت السالکین از حضرت سید علیم اللہ فاضل بہشتی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ
صفحہ ۱۳۲۔۱۳۱

۵۱ الہیات۔ تصوف اور علم الکلام صفحہ ۵۱

۵۲ ماخوذ از قرآن کریم سورۃ النجم ...... فصوص الحکم۔ ترجمہ مولانا عبدالقدیر صدیقی ص ۳۵

۵۳ فصوص الحکم۔ تشریحات و تنبیہات صفحہ ۴۹ تا ۵۲

۵۴ فصوص الحکم۔ ترجمہ مولانا عبدالقدیر صدیقی صفحہ ۴۶

۵۵ البدور البازغہ۔ ترجمہ ڈاکٹر قاضی مجیب الرحمٰن صفحہ ۳۳

۵۶ شرح لوائح جامیؒ۔ از کپتان واحد بخش سیال صفحہ ۱۳۸

۵۷ لطائف اشرفی۔ حصہ دوم۔ صفحہ ۱۱۹ تا ۱۲۲

۵۸ لطائف اشرفی۔ حصہ دوم۔ صفحہ ۱۱۸

۵۹ شرح لوائح جامی صفحہ ۱۷۵

۶۰ فصوص الحکم۔ ترجمہ مولانا عبدالقدیر صدیقی صفحہ ۳۹

۶۱ فصوص الحکم۔ تنبیہات و تشریحات صفحہ ۴۱۔۴۰

۶۲ البدور البازغہ۔ ترجمہ ڈاکٹر قاضی مجیب الرحمٰن صفحہ ۳۸۔۳۷

۶۳ لطائف اشرفی۔ جلد دوم۔ صفحہ ۱۱۹ تا ۱۲۲

۶۴ مقابیس المجالس۔ تحقیق و ترجمہ کپتان واحد بخش سیال صفحہ ۱۹۰۔ ۱۹۱

۶۵ فصوص الحکم۔ تنبیہات و تشریحات صفحہ ۱۲۷۔ ۱۲۸

۶۶ مقابیس المجالس صفحہ ۱۰۱۔ ۱۰۲

۶۷ سرِ دلبراں صفحہ ۲۷۷

۶۸ نزہت السالکین۔ اردو ترجمہ۔ صفحہ ۱

۶۹ کتاب الطّواسین۔ ترجمہ و تشریح بابا ذہین شاہ تاجیؒ صفحہ ۶

۷۰ کشف المحجوب۔ تحقیق و ترجمہ کپتان واحد بخش سیال صفحہ ۶۸۷۔ ۶۸۶

۷۱ حکمتِ رومی از خلیفہ عبدالحکیم صفحہ ۱۱۔ ۱۲۔ ۱۳

۷۲ حکمتِ اقبال ڈاکٹر رفیع الدین صفحہ ۲۲۷۔ ۲۲۶۔ ۲۲۷

۷۳ حکمتِ اقبال ڈاکٹر رفیع الدین صفحہ ۱۲۰ تا ۱۲۳

۷۴ حکمتِ اقبال ڈاکٹر رفیع الدین صفحہ ۱۲۵

۷۵ البدور البازغہ۔ ترجمہ ڈاکٹر قاضی مجیب الرحمٰن صفحہ ۳۳

۷۶ اسرار القدم شرح فصوص الحکم عطا محمد جلوی۔ صفحہ ۱۳۔ ۱۲

۷۷ کتاب الطّواسین۔ شرح حضرت ذہین شاہ تاجیؒ۔ صفحہ ۱۹

۷۸ فصوص الحکم۔ ترجمہ مولانا عبدالقدیر صدیقی صفحہ ۴۰۔ ۳۹

۷۹ فصوص الحکم۔ تنبیہات و تشریح بابا ذہین شاہ تاجی صفحہ ۴۱ تا ۴۵

۸۰ فصوص الحکم۔ تنبیہات و تشریح صفحہ ۳۸ تا ۴۱

۸۱ ابن عربی کی کتاب ''حسن الظن باللہ'' اردو ترجمہ ''بخشش کی راہیں'' صفحہ ۱۳۸۔ ۱۳۹

۸۲ فصوص الحکم۔ تنبیہات و تشریحات صفحہ ۲۷۔ ۲۶۔ ۲۵

۸۳ شرح لوائح جامی۔ کپتان واحد بخش سیال صفحہ ۱۳۴

۸۴ فصوص الحکم۔ تنبیہات و تشریحات صفحہ ۱۲۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بھیکھ نامہ

یعنی

شجرہ چشتیہ صابریہ بھیکھیہ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، الحمد للہ رب العالمین، والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہٖ واصحابہ اجمعین

بھیکھ بھیکھ یا بھیکھ پکارو
بھیکھ نام سے من اجیارو

بھیکھ ہے نور رسول اللہ کا — سرکار دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم
بھیکھ پیام ہے شیرِ خدا کا — امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ
روح حسن کا بھیکھ پہ سایہ — حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ
عبدِ واحد سے فیض ہے پایا — حضرت عبدالواحد بن زید رحمۃ اللہ علیہ
خواجہ فضیل نے اس کو سنوارا — حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ
ابن ادھم کی آنکھ کا تارا — حضرت سلطان ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ

پیر حذیفہ کے دل کی دھڑکن	حضرت حذیفہ مرعشی رحمۃ اللہ علیہ
خواجہ ہبیرہ کے باغ کی رونق	حضرت امین الدین ہبیرہ بصری رحمۃ اللہ علیہ
دینوری کی شان ہے بھیکھ	حضرت علو ممشاد دینوری رحمۃ اللہ علیہ
ابو اسحاق کی آن ہے بھیکھ	حضرت ابو اسحاق شامی چشتی رحمۃ اللہ علیہ
بھیکھ ہے روپ ابو احمد کا	حضرت ابو احمد ابدال چشتی رحمۃ اللہ علیہ
ابو محمد کا محبوب	حضرت محمد زاہد مقبول چشتی رحمۃ اللہ علیہ
فیض مجسم ابو یوسف کا	حضرت ناصر الدین ابو یوسف چشتی رحمۃ اللہ علیہ
قطب مودود کی ہے پہچان	حضرت قطب الدین مودود چشتی رحمۃ اللہ علیہ
حاجی شریف کا کرم ہے اس پر	حضرت حاجی شریف زندنی رحمۃ اللہ علیہ
پیر عثمان کی خاص ہے رحمت	خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ
بھیکھ مراد ہے خواجہ معین کی	خواجہ معین الدین چشتی اجمیری ہندالولی رحمۃ اللہ علیہ
خواجہ قطب کا جلوہ بھیکھ	خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ
پیر فرید کے فیض سے روشن	خواجہ فرید الدین مسعود گنجِ شکر رحمۃ اللہ علیہ
میراں بھیکھ کا سارا گلشن	
پیر صابر کے جود وسخا سے	حضرت علاؤ الدین علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ
خواجہ شمس کے بحر عطا سے	حضرت شمس الدین ترک پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ
میراں بھیکھ نے بھر بھر پایا	
شاہ جلال کا اس پر سایہ	شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ
احمد عبدالحق کی کرامت	حضرت احمد عبدالحق رودلوی رحمۃ اللہ علیہ
عارف عبدالحق کی ولایت	حضرت عارف احمد عبدالحق رودلوی رحمۃ اللہ علیہ

میراں بھیکھ نے پائی وراثت	
خاص ہوئی اللہ کی رحمت	
پیر محمد عارف کی	شیخ محمد بن عارف احمد رحمۃ اللہ علیہ
اور عبد قدوس گنگوہی کی	شیخ المشائخ حضرت عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ
بھرپور عطا ہے میراں بھیکھ	
کیا خوب عطا ہے میراں بھیکھ	
شیخ جلال نے خوب نوازا	حضرت جلال الدین تھانیسری رحمۃ اللہ علیہ
شیخ نظام کا بھی من چاہا	حضرت نظام الدین عبدالشکور تھانیسری رحمۃ اللہ علیہ
شیخ سعید سے نور ہدایت	شیخ ابوسعید بن نور محمد نعمانی گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ
صادق پیر سے عشق ومحبت	شیخ صادق بن محمد فتح اللہ رحمۃ اللہ علیہ
میراں بھیکھ کے حصے میں	
آئی ہے یہ ساری برکت	
شاہ داؤد کا پیارا بھیکھ	حضرت شیخ داؤد بن صادق محمد رحمۃ اللہ علیہ
بھیکھ بھیکھ یا سید بھیکھ	
ابو المعالی نے کرم کمایا	شیخ ابوالمعالی بن سید محمد شرف حسینی المکی رحمۃ اللہ علیہ
میراں بھیکھ کا باغ سجایا	میر محمد سعید المعروف بہ میراں سید بھیکھ کہڑامی رحمۃ اللہ علیہ
دین دنی کا قطب بنایا	
شاہ ولایت میراں بھیکھ	
بھیکھ بھیکھ یا بھیکھ پکارو	
بھیکھ ہے دولہا چشت نگر کا	

چاروں کھونٹ میں سکہ اس کا	
شاہ علیم نے رتبہء عالی	سید علیم اللہ شاہ فاضل جالندھری رحمۃ اللہ علیہ
بھیکھ کے فیض نظر سے پایا	
بھیکھ پیا کی دعا کے اثر سے	
گنج شکر نے خاص کرم سے	
در جنت کا کھول دیا ہے	
تحفہ کیا انمول دیا ہے	
شاہ علیم کی شان تو دیکھو	
بخشش کے سامان تو دیکھو	
شاہ علیم نے باغ لگایا	
اپنے کرم سے اس کو بسایا	
شاہ جمال کا پھول کھلایا	حضرت بابا محمد جمال چشتی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ
جس نے عالم سب مہکایا	
میراں بھیکھ کا سب پر سایہ	
بھیکھ بھیکھ یا سید بھیکھ	
نور کی کرنوں کا گلدستہ	
شاہ علی منصور اور جعفر	حضرت علی شاہ بن منصور/حضرت محمد جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ علیہم اجمعین
شاہ غلام قادر پر برسا	بابا غلام قادر شاہ رحمۃ اللہ علیہ
میراں بھیکھ کے کرم کا بادل	
ابراہیم اور ثانی بھیکھ	بابا ابراہیم بن غلام قادر شاہ رحمۃ اللہ علیہ وحضرت غلام بھیکھ شاہ۔ بھیکھ ثانی رحمۃ اللہ علیہم

دیکھو جلوہ میراں بھیکھ
پیر حنیف اور شاہ علی ہیں
میراں بھیکھ کا نور جلی ہیں
خادم شاہ کی ذات میں روشن
میراں بھیکھ کے روپ کا درشن
شاہ علیم کی سب ہیں بشارت
پیر جمال کا نور مجسم
میراں بھیکھ کا فیض ہے سارا
بھیکھ کے فیض کا باب کھلا ہے
ایک گدا اس در پہ کھڑا ہے
بھیکھ کے منگتوں کا منگتا ہے
بھیکھ کا صدقہ مانگ رہا ہے
بھیکھ بھیکھ یا بھیکھ صدا ہے
بھیکھ کے در سے وابستہ ہے
ہو فاروقؔ پہ نظرِ کرم اب
لڑ لاگے کا رکھ لو بھرم اب
کردو کرم یا سید بھیکھ
بھیکھ بھیکھ یا سید بھیکھ
بھیکھ بھیکھ یا سید بھیکھ
بھیکھ بھیکھ یا سید بھیکھ
بھیکھ بھیکھ یا بھیکھ پکارو
بھیکھ نام سے من اجیارو

حافظ محمد حنیف شاہ و حضرت علی محمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خادم حسین شاہ جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

فاروق الحسن چشتی (ملتان)

حضرت سیدنا علیم اللہ شاہ فاضل جالندھری کے روضہ شریف کا مشرقی دروازہ جو ''بہشتی دروازہ'' کے نام سے مشہور ہے۔ باقر شاہ کوٹ زمان، دیپالپور، تذکرہ قطب العالم میراں سید بھیکھ میں لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور میراں جی جالندھر شہر میں سید علیم اللہ شاہ صاحب کے ہاں تشریف فرما تھے کہ فرمایا اس دفعہ حضور بابا گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے عرس پر پاکپتن شریف جا کر بہشتی دروازہ گزریں گے۔ چنانچہ حضرت فاضل صاحب نے ہمراہ چلنے کی درخواست کی۔ اس پر بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضور میراں سید بھیکھ کو بشارت دے دی کہ آپ جہاں پر ہیں وہیں ہم نے بہشتی دروازہ بنا دیا ہے۔ چنانچہ حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی بشارت سے یہ بہشتی دروازہ موجود ہے۔

ذکرِ بھیکھ

میری پیت بھیکھ میری رِیت بھیکھ — میری آرزو میرا شوق بھیکھ
میں گدائے کوچہ بھیکھ ہوں — میری ہے صدا یہی بھیکھ بھیکھ
میں تھا ظلمتوں میں گھِرا ہوا — نہ تھی بچ نکلنے کی کوئی راہ
تونے بڑھ کے مجھ کو بچالیا — جونہی دی صدا میں نے بھیکھ بھیکھ
میری ابتدا میری انتہا — ہے میرا ظہور وبطون بھیکھ
مجھے فکرِ سفرِ حیات کیا — مرا رختِ سفر ہے بھیکھ بھیکھ
تُو محیط میرے وجود پر — تری ذات محورِ جاں مری
میرا ذکر بھیکھ میرا فکر بھیکھ — میری زندگی ہی ہے بھیکھ بھیکھ
میری زندگی میں بہار ہے — تو یہ بھیکھ ہی کی ہے دین سب
ہے مرے جہاں کا نور بھیکھ — میری روح کا نغمہ ہے بھیکھ بھیکھ

گدائے کوچہء بھیکھ
فاروق الحسن چشتی (ملتان)
۲۵؍نومبر ۲۰۰۹ء

یادِ بھیکھ رح

بھیکھ دوارے آن پڑی میں
بھیکھ پیا جگ داتا تم ہو
میں باندی تیرے بردوں کی
چشت نگر کے راجا تم ہو
شاہ علیم اور شاہ جمال عچہ
واسطہ بوالمعالی کا کریما!
تو اعلیٰ تیری نسبت عالی
شاہ و گدا تیرے در کے سوالی
ست گور میرا میراں بھیکھ ہے
تجھ سے تجھی کو مانگت ہوں میں
تن من میں میرے بھیکھ بھیکھ ہو
جیون میں فاروق کے ہر سُو

بھیکھ کے ہاتھ ہے موری لاج
بگڑے بنا دو ہمرے کاج
طالب تیری نظرِ کرم کی
چاروں اور میں تیرا راج
تیرے کرم کا بادل برسا
نظرِ کرم ہو مجھ پر آج
بخشش نے تیری دنیا پالی
بھر دو میری بھی جھولی آج
ذکر فکر میرا میراں بھیکھ ہے
دان کرو مجھ پر مہاراج
دیکھوں جدھر میں بھیکھ بھیکھ ہو
بھیکھ پیا ہو تیرا راج

گدائے کوچہء بھیکھ
فاروق الحسن چشتی (ملتان)

۲۵ر ستمبر ۲۰۰۹ء

''گیان لہر''

حضرت میراں سیّد بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ کا نامِ نامی اور ان کا ہندی پوربی زبان میں عارفانہ کلام حلقہ ہائے تصوف
خوب جانا پہچانا ہے۔ تصوف کے چشتیہ صابریہ سلسلہ سے تعلق رکھنے والے سالکین کیلئے میراں جیؒ کی ''سی حرفیاں''۔
ہڑے''۔ ''گیان لہر'' اور ''گیان پرکاش'' بہت ہی روحانی بالیدگی کا باعث رہے ہیں۔

زیرِ نظر کتاب ''گیان لہر'' بھی حضرت میراں جی کے دوسرے عارفانہ کلام کی طرح وحدت الوجود کا گہرا رنگ
ہوئے ہے۔ اس کتاب کا ایک ایک بند ''مراتبِ وجود'' کے مختلف رنگوں اور ظہور ہی کا بیان ہے۔ رحمان و رحیم اور
ِ عظیم نے ایک مالی کی طرح اس باغِ کائنات کو نہ صرف وجود بخشا بلکہ اس کی آبیاری (ربوبیت) بھی کر رہا ہے۔ اس
ن کائنات کو سنوار کر اس میں حضرت انسان کو اپنے خلیفہ کے طور پر مقرر فرمانے کی ''غایتِ اولیٰ'' ہی ''معرفتِ رب''
۔ چنانچہ اس غایت کی تکمیل کیلئے اللہ تعالیٰ نے ایک طرف آدم علیہ السلام اور ان کی ذریت کی جبلت میں اپنے
و صفات کا علم رکھ دیا تو دوسری طرف اس باغِ عالم میں سلسلۂ نبوت و رسالت کی عالیشان بیلیں لگائیں جنہوں نے
فتِ حق تعالیٰ کے راستے کی عملی اور نظری تعلیم دی۔ اصحابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ گلشن انسانی کے سدابہار
ں ہیں وہ چاہے رنگ و بو میں مختلف ہوں مگر ان کی جڑ ایک ہی ہے۔ وہ ایک ہی سرچشمے سے ہدایت یافتہ ہیں۔

ن کے من میں جب معرفت الٰہی کی بیل پھوٹ پڑتی ہے تو اس پر رازِ تخلیقِ کائنات آشکار ہو جاتا ہے۔ اپنے من میں
فتِ حق کے پھولوں کی خوشبو سے سرمست ہونے والا عارفِ حق طمانیتِ قلبی سے مالا مال ہو جاتا ہے۔ جب وہ صفاتِ
میں اپنی عبدی صفات کو گم کر دیتا ہے تو اس کے لئے موت و حیات برابر ہو جاتے ہیں اور وہ ہر حال میں راضی برضائے
ہو جاتا ہے۔

تصوف

ISBN 978-969-534-206-0

9 789695 342060 >

Rs. 390/-

بِیکن بُکس

- غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور فون: 042-37320030
- گلگشت کالونی، ملتان فون: 061-6520790-6520791

Info@beaconbooks.com.pk
web: www.beaconbooks.com.pk

BEACON BOOKS